باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

خَلَقَ الْاِنْسَانَ o عَلَّمَهُ الْبَيَانَ o

تهذیب البلاغة

اُردو شرح

دروس البلاغة

اعراب وترجمہ

تجزیہ عبارت

اشعار کا مطلب ومحل استشہاد

حل سوالات

تالیف

حضرت مولانا **محمد اصغر علی** صاحب دامت برکاتہم

اُستاذ الحدیث

جامعہ اسلامیہ عربیہ

رحمانیہ چوک مدنی ٹاؤن غلام محمد آباد فیصل آباد پاکستان

باسمه سبحانه وتعالیٰ

خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ ۝

تهذیب البلاغة

اُردو شرح

دروس البلاغة

اعراب وترجمہ — تجزیہ عبارت — تشریح

حل سوالات — اشعار کا مطلب ومحل استشهاد

تالیف

حضرت مولانا محمد اصغر علی صاحب دامت برکاتہم

اُستاذ الحدیث

جامعہ اسلامیہ عربیہ

رحمانیہ چوک ومدنی ٹاؤن غلام محمد آباد فیصل آباد پاکستان

نام کتاب	تہذیب البلاغہ اردو شرح دروس البلاغہ
تالیف	مولانا محمد اصغر علی صاحب فیصل آبادی
سائز	۱۶ / (۳۶x۲۳)
صفحات	۳۵۲
اشاعت اوّل	جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ ، جولائی ۲۰۰۶ء
کمپوزنگ	محمد زبیر جامعہ اسلامیہ عربیہ مدنی ٹاؤن فیصل آباد
تعداد	۱۱۰۰

﴿ملنے کے پتے﴾

☆ مکتبہ اسلامیہ عربیہ مدنی ٹاؤن غلام محمد آباد فیصل آباد

فون جامعہ 041-2695546 رہائش 041-8729206 موبائل 0321-7227696

☆ مکتبہ العارفی نزد جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد

☆ مکتبہ کشمیر چنیوٹ بازار فیصل آباد

☆ مکتبہ اسلامیہ بیرون امین پور بازار فیصل آباد

☆ مکتبہ سید احمد شہید الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

☆ ادارہ اسلامیات 190 انارکلی لاہور

☆ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور

☆ مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان

☆ مکتبہ شرکت علمیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

☆ مکتبہ الحدیث بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

☆ کتب خانہ مجیدیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

☆ ادارہ اسلامیات ملتان

فہرست

انتساب

باسمہ سبحانہ تعالی

میں اپنی اس ادنی سی کاوش کو اپنے مادرِ علمی اور چشمہ فیض دارالعلوم فیصل آباد سے منسوب کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں،

کہ جہاں سے تشنگانِ علم وعرفان، علومِ دینیہ ومعرفتِ حقہ کے کمال و جمال سے بہرہ ور ہو کر اکناف عالم میں انسانیت کے قلوب واذہان کو وراثتِ نبویہؐ کے فیوض و برکات سے مسخر ومنور کرتے نظر آتے ہیں۔

اللہ تعالی اس کے فیوض وبرکات کو تاابدالاباد قائم ودائم رکھے، امین یارب العالمین

اس نے پیدا کئے ایسے گوہرِ نایاب
آفتاب خیرہ ہے انکی جبیں دیکھ کر
ہردم، ہرسو قال، قال کی صدائیں
خدا یاد آئے مکان ومکیں دیکھ کر

محمد اصغر علی عفی عنہ

تقریظ

یادگار اسلاف، استاذ العلماء ورئیس الاتقیاء، جامع المعقول والمنقول
حضرتِ اقدس مولانا عبدالکریم شاہ صاحب مدظلہ العالی
شیخ الحدیث دار العلوم فیصل آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

حامداً ومصلیاً، امابعد...... علومِ دینیہ میں علمِ بلاغت وفصاحت (علم معانی وبیان) کو یہ امتیازی شان حاصل ہے کہ اس علم کے ذریعے قرآنِ کریم کا اعجاز سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ علما متقدمین ومتاخرین نے اس فن میں متعدد تصانیف کی ہیں ان تصانیف میں سے ایک اہم تصنیف محمد حفنی ناصف مصری کی ''دروس البلاغۃ'' ہے جو انتہائی اختصار کے ساتھ علم معانی وبیان کے اصول ومسائل پر مشتمل ہے گویا کہ مشہور کتاب مختصر المعانی کا خلاصہ ہے، اس اختصار کی بنا پر طلبہ کیلئے سریع الضبط اور سہل الفہم ہے۔ عزیزم محترم مولانا محمد اصغر علی صاحب نے اس کی شرح لکھ کر اس کتاب کے معانی مطالب اور فوائد کو مزید آسان اور لذیذ بنا دیا ہے، یہ شرح پڑھنے اور پڑھانے والوں کیلئے انتہائی مفید ہے، اللہ تعالیٰ مؤلف کے علم کو اس قحط الرجال کے زمانہ میں شائقین علم کیلئے نافع بنائے اور ان کے علمی وروحانی فیض کو عام بنائے۔ آمین

عبدالکریم احمد عفا اللہ عنہ

دار العلوم فیصل آباد

۱۰ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ بمطابق ۹ مئی ۲۰۰۶ء

تقریظ

پیر طریقت، رہبر شریعت، فخر الاماثل، زبدۃ الاتقیاء، شیخ المشائخ حضرتِ اقدس
مولانا مفتی سید جاوید حسین شاہ صاحب دامت برکاتہم شیخ الحدیث جامعہ عربیہ عبیدیہ فیصل آباد
وخلیفہ مجاز امام الھدیٰ حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب قدس سرہ

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم امابعد ۔عزیز القدر مولانا محمد اصغر علی صاحب ماشاء اللہ جید مدرس اور ذاکر وشاغل شخصیت ہیں، علاوہ ازیں اللہ پاک نے ذوقِ تحریر وتصنیف سے بھی خوب نوازا ہے مولانا کی ازیں قبل ''تہذیب الکافیہ اردو شرح کافیہ، ضیاء النحو اردو شرح ہدایۃ النحو، محسنِ انسانیت ﷺ کے چالیس معجزات مع کنز الحسنات'' کے نام سے کتابیں منصۂ شہود پر آچکی ہیں جن سے درسیات کے اساتذہ وطلباء بھرپور فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

وفاق المدارس العربیہ نے گذشتہ چند سالوں سے موجودہ نصاب میں کچھ نئی کتابیں داخل کی ہیں جن میں ''دروس البلاغۃ اور عقیدہ طحاویۃ'' نامی کتب کی تشفی بخش شروحات نظر سے نہیں گذریں مولانا نے دونوں کتب کی اردو شرح نہایت عرق ریزی اور محنت سے تحریر کی ہیں۔

دل سے دعا گو ہوں اللہ پاک حسب سابق ان دونوں کتابوں کو بھی اپنے دربارِ عالیہ میں قبول فرمائیں، اہلِ علم کیلئے نافع بنائیں اور مؤلف موصوف کو مزید ترقیات و برکات سے نوازیں اور اپنے مقربینِ خاص میں شامل فرمائیں۔ آمین

یا الٰہ العالمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

جاوید حسین عفا اللہ عنہ

۱۸ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ بمطابق ۱۷ مئی ۲۰۰۶ء

تقریظ

فخر الاماثل جامع المعقول والمنقول استاذ العلماء حضرت مولانا محمد زید صاحب دامت فیوضہم
خلیفہ مجاز حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ دار العلوم دیوبند
شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ محمدیہ فیصل آباد

باسم رب العلماء الربانیین و الشھداء و الصالحین و الانبیاء و المرسلین نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ...عزیز القدر مولانا محمد اصغر علی صاحب ایک محنتی اور قابل مدرس ہیں جو علوم وفنون کے افہام وتفہیم کا ملکہ بھی خوب رکھتے ہیں پھر دعوت وتبلیغ کے کام میں بھی نہایت مخلصانہ یدِ طولی رکھتے ہیں اور ذکر و اذکار کے میدان میں ایک صاحب نسبت استقامت علی الاذکار والے صوفی وصافی بھی ہیں اخیر میں تالیف وتصنیف کے میدان میں جو انتہائی پھیلاؤ، وسعتِ مطالعہ اورنظرِ دقیق وفکرِ عمیق والا کام ہے، بھی قدم رکھے ہوئے ہیں پھر انکی تواضع اور اعتدالِ طبع یہ کہ ان سب امور کو فضلِ الٰہی، نہ کہ اپنا استحقاق گردانتے ہیں مطابق احقر کے ایک شعر جو عامر چیمہ کی شہادت پر کہے ہوؤں میں سے ایک ہے۔

ے کفر لرزاں ہو دنیا کا تو اک بندۂ اللہ سے ☆ ہمیں ملتا ہے جو ملتا ہے سب ملتا ہے اللہ سے

اللہ تعالی انکی اس تواضع کو استقامت بخشیں۔

ہمارے مدارس میں کچھ علوم بطور مقاصد کے ہیں یعنی تفسیر، اصولِ تفسیر، حدیث، اصولِ حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، میراث، عقائد اور کچھ بطور وسیلہ کے ہیں جیسے علوم عقلیہ وعلوم عربیہ ان سب کی خدمت، خدمتِ دین ہی ہے کسی کو فی الدّین کے زمرے میں کسی کو للدّین کے زمرے میں، اسی لئے ہمارے اکابر نے ان سب علوم کو نہایت محنت اور گہری نظر سے پڑھا اور سیکھا

ہے اوران پر محنت کو اپنے لئے فخر سمجھا ہے، کافیہ کے ایک ایک مسئلہ کے حل میں یا میر زاہد کی ایک ایک بحث کے کھود کرید میں اپنا وقت لگانا بخاری شریف میں وقت لگانے کے برابر گردانتا ہے لیکن آج کے دور میں ان علوم میں غفلت اور سرسرا پن آنے لگا جس کے نتیجہ میں فن کی مشکل کتب کو تو کیا آسان بھی مشکل نظر آنے لگیں زیر نظر کتاب ''دروس البلاغہ'' درحقیقت اس فن کی بڑی کتب، مختصر المعانی اور مطول کی کمی پوری کرنے والی ایک کتاب ہے جو اپنی ذات کے اعتبار سے تو آسان ہے لیکن فی زمانہ طلبہ کو بڑی مشکل لگتی ہے وہ منتظر تھے کہ اسکی کوئی اردو شرح ہو جو آسان بھی ہو اور حل مقاصد میں کافی ووافی بھی ہو، مولانا موصوف نے انکی یہ خواہش پوری فرمادی بندہ نے اسکی چند بحثیں دیکھیں جو ماشاء اللہ صحیح، آسان اور نہایت منضبط ہیں انکے مأخذ بڑی کتب میں موجود ہیں بالکل انکی صحیح ترجمانی کی ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کا علم ۲۰ سالہ تدریس کے بعد نہایت پختہ اور ثقہ ہو چکا ہے پہلے بندہ کو اس قسم کا گمان نہ تھا اب تو اس حقیقت کے اظہار پر دل مجبور کرتا ہے۔ بحوالہ بالا

؎ بہت مجبور ہوں دل سے خدا دل سے ہے نکلواتا ☆ کہ مستانہ تیرے جیسا ہے میخانے میں کم آتا

امید ہے کہ اب یہ شرح دروس البلاغہ پڑھنے والے ہر طالب اور طالبہ کے ہاتھ ہوا کرے گی اللہ تعالی اسکو ایسی ہی بنادے۔ آمین

محمد زید یکے از خدام حضرت حکیم الاسلامؒ

مدرس جامعہ اسلامیہ محمدیہ یٰسین آباد فیصل آباد

۲۹ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ بمطابق ۲۸ مئی ۲۰۰۶ء

تقریظ

استاذ العلماء، رئیس الصلحاء، زبدۃ الاتقیاء شیخ الحدیث

حضرتِ اقدس مولانا محمد انور صاحب زید مجدہ

مدیر جامعہ اسلامیہ عربیہ غلام محمد آباد فیصل آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد ۔ درسِ نظامی کے نصاب میں فنِ فصاحت و بلاغت میں مختصر المعانی شامل تھی اور اب اسی فن میں ایک مختصر کتاب دروس البلاغۃ شامل کی گئی ہے جو انتہائی مختصر کتاب ہے اور اس فن میں جامع ہے، برادر مکرم مولانا محمد اصغر علی صاحب دامت برکاتہم نے اس کی شرح اردو زبان میں لکھی ہے بندہ نے چند مقامات سے اسکا مطالعہ کیا ہے بظاہر بہت ہی نافع معلوم ہوتی ہے کیونکہ شرح کے لوازمات یعنی ترجمہ، محلِ استشہاد اور ہر ہر جملہ کی بہترین تشریح، جس سے کتاب مکمل حل ہو جائے اور تشنگی باقی نہ رہے، یہ سب ماشاء اللہ اس شرح میں موجود ہیں اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قیامت تک اھلِ علم کیلئے نافع بنائیں اور حضرت مولانا کیلئے اس کو صدقہ جاریہ بنا دیں۔ آمین

فقط والسلام

محمد انور عفی عنہ

۱۷ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ بمطابق ۱۶ مئی ۲۰۰۶ء
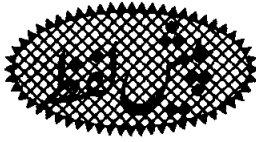
اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا مُتَوَاتِرًا وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى نَبِيِّكَ وَرَسُوْلِكَ سَلَامًا مُتَكَاثِرًا وَالرِّضْوَانُ عَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ مُتَوَاتِرًا

امابعد: سب سے پہلے میں اللہ تعالی کا بے حد شکرگزار ہوں جس نے ہمیں دعوت وتبلیغ، درس وتدریس کے لئے قبول فرمایا، اللہ تعالی اپنے فضلِ عظیم سے آخری دم تک اس سے وابستہ رکھے (آمین)

وفاق المدارس العربیہ کے مقرر کردہ نصاب میں شامل علم بلاغت کی مشہور کتاب ''دروس البلاغۃ'' اختصار کے باوجود علوم ثلاثہ معانی، بیان، اور بدیع پر مشتمل ہے۔

اور امام الانبیاء ﷺ کی صداقت کا سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید ہے اور ان علوم ثلاثہ کے بغیر قرآن پاک کی فصاحت وبلاغت اور اسکے اعجاز کا سمجھنا ناممکن ہے اور بلاغت سے قرآن پاک کا وہ اعجاز ثابت ہوتا ہے جسکی وجہ سے عرب کے بڑے بڑے شعراء، خطباء، اور فصحاء وبلغاء قرآن پاک کے مقابلہ میں ایک آیت بھی نہ لا سکے، اسی اعجازِ قرآن کی وجہ سے پورے عالم کو ان کلمات طیبات ''فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآئَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ'' کے ساتھ چیلنج کیا گیا ہے لیکن اس چیلنج کو قبول کرنے سے تمام جن وانس عاجز رہے اور قیامت تک عاجز رہیں گے۔

اس لئے علم بلاغت کو تمام علوم اسلامیہ میں ایک ایسا مرتبہ اور مقام حاصل ہے جسکی وجہ سے قرآن مجید کے رموز واسرار پہچانے جاتے ہیں اور علماء سلف نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اگر کسی نے قرآن پاک کی فصاحت وبلاغت کا اندازہ کرنا ہو تو جیسے دوسرے علوم سے واقف ہونا ضروری ہے تو اسکے۔ لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ علوم بلاغت کا بھی ماہر ہو اسلئے علم بلاغت کا سیکھنا انتہائی ضروری ہے۔

چنانچہ اللہ جل شانہ نے محض اپنے لطف وکرم سے بندہ کو یہ سعادت بخشی ہے کہ علوم دینیہ کی عظیم مثالی درسگاہ جامعہ اسلامیہ عربیہ مدنی ٹاؤن غلام محمد آباد میں انیس سال سے تدریسی خدمات سرانجام دے رہا ہے اور اسی دوران کچھ کتب درسیہ کی شروحات مثلاً تہذیب الکافیہ اردو شرح کافیہ اور ضیاء النحو اردو شرح ھدایۃ النحو لکھنے کی توفیق ملی، الحمد للہ علمی حلقوں میں توقع سے زیادہ پذیرائی حاصل ہوئی۔

بعد ازاں طلباء کرام اور احباب کی طرف سے اصرار رہا کہ "دروس البلاغہ" کی بھی اردو شرح لکھی جائے مگر "من آنم کہ من دانم" اور بِأَنَّ مُسْتَحْسَنَ الطَّبَائِعِ بِأَسْرِهَا وَ مَقْبُوْلَ الْاَسْمَاعِ عَنْ اٰخِرِهَا اَمْرٌ لَا يَسَعُهُ مَقْدِرَةُ الْبَشَرِ وَ اِنَّمَا هُوَ شَانُ خَالِقِ الْقُوٰى وَ الْقُدَرِ کی حقیقت کے پیش نظر بندہ نے اسمیں تامل کیا بالآخر انکی حوصلہ افزائی کی خاطر اور اس امید پر کہ قرآن پاک کے علوم کے خدام میں میرا نام بھی شامل ہو جائے قلم اٹھایا۔

اور دوران تصنیف چند خصوصیات کا لحاظ رکھا جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) اعراب عبارت۔

(۲) ترجمہ سادہ اور عام فہم۔

(۳) علم معانی کے مسائل کا خلاصہ تجزیہ عبارت کے عنوان سے پیش کیا گیا ہے۔

(۴) تشریح عبارت کے تحت کتاب کا مکمل حل اور فوائد نافعہ بیان کیے گئے ہیں۔

(۵) اشعار کی تشریح، مطلب اور محل استشہاد پیش کیا گیا ہے۔

(۶) ضمیمہ کے تحت وفاق المدارس کے پانچ سالہ سوالیہ پرچوں کا حل پیش کیا گیا ہے۔

دوران مطالعہ یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ انسان کی کوشش وسعی میں خطا کا وقوع عین ممکن ہے خصوصاً ترجمہ اور زبان وبیان کی خامیاں اصحاب ذوق پر بار ہو سکتی ہیں اور کتابت کی غلطیوں کا بھی کافی امکان ہے اسلئے قارئین کرام سے بصد ادب التماس ہے کہ خیر خواہانہ طور پر اپنی قیمتی آراء سے مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ انکی اصلاح کی جاسکے۔

میں اپنے محسن علماء کرام اور اساتذہ کرام دامت برکاتہم العالیہ کا تہہ دل سے شکر گزار اور بے حد ممنون ہوں جنہوں نے اپنی آراء عالیہ تحریر فرما کر دعاؤں سے نوازتے ہوئے میری حوصلہ افزائی فرمائی اور اپنے تمام معاونین کیلئے بھی دعا گو ہوں فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

آخر میں رب العزت کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں کہ اے رحیم وکریم ذات !!اس حقیر سی سعی کو شرف قبولیت عطا فرما کر اسکے فیض کو تا قیامت جاری وساری فرما اور دنیا وعقبیٰ کی فلاح ونجات کا ذریعہ بنا اور میرے قلم کی ٹیڑھی اور ترچھی لکیروں سے میرے والدین اور اساتذہ کرام کی آنکھوں کو ٹھنڈا فرما۔

آمین یارب العالمین

محمد اصغر علی عفا اللہ عنہ

مدرس جامعہ اسلامیہ عربیہ

رحمانیہ چوک ومدنی ٹاؤن غلام محمد آباد فیصل آباد

۳۰ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ بمطابق ۲۸ مئی ۲۰۰۶ء

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

صاحبِ دروس البلاغہ

تعارف: یہ کتاب حفنی بک ناصف کی ہے جو انہوں نے ادباء مصر کی ایک جماعت یعنی محمد بک دیاب، سلطان محمد اور مصطفیٰ طموم کے ساتھ ملکر تصنیف کی ہے۔

نام ونسب اور جائے پیدائش: محمد حفنی ناصف بن شیخ اسماعیل ناصف ۱۲۷۲ھ میں قاہرہ کی مضافاتی بستی ''برکند الجح'' میں ناداری اور یتیمی کی حالت میں پیدا ہوئے اور ماموں اور دادی نے آپکی کفالت کی۔

تحصیل علم اور حالات زندگی: حفنی ناصف نے ابتداء اپنی بستی کے ایک مدرسہ میں قرآن پاک کا کچھ حصہ حفظ کیا اور ابتدائی تعلیم حاصل کی پھر گیارہ برس کی عمر میں جامعہ ازہر چلے گئے اور وہاں تیرہ سال تک مختلف اساتذہ ومشائخ سے علمی استفادہ کرتے رہے پھر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے لیا اور دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ اور مشائخ سے علوم وفنون میں مہارت اور کمال حاصل کیا دارلعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد مدارس امیریہ میں عربی کے استاذ مقرر ہوئے پھر انہیں لاء کالج کا استاذ منتخب کرلیا گیا یہاں انکے دل میں خیال پیدا ہوا کہ طلبہ کی کلاسوں میں بھی شامل ہوجاؤں چناچہ آپ نے قانون پڑھ لینے کے بعد پڑھانے کا مشغلہ چھوڑ دیا اور سرکاری وکیل کے سیکرٹری بن گئے ۱۸۹۲ء میں آپ ملکی عدالت کے جج متعین کیے گئے اور اس ضمن میں اتنی ترقی کی کہ ''طنطا'' کی ملکی عدالت کے نمائندے مقرر کیے گئے، اسی اثناء میں انہیں جامعہ مصریہ نے عربی ادب پڑھانے کی دعوت دی جسے آپ نے قبول کرلیا آپ نے عربی

ادب پر نہایت فصیح وبلیغ لیکچر دیے جو کتابی شکل میں جمع کر دیئے گئے۔

پھر جب وزارت تعلیم کے چیف انسپکٹر شیخ حمزہ فتح اللہ ریٹائر ہوئے تو حفنی ناصف کو انکی جگہ پر متعین کیا گیا اور ستر برس کی عمر میں آپ اس عہدے سے ریٹائر ہوئے۔

اخلاق وعادات: حفنی ناصف بڑے شگفتہ طبع، حاضر جواب اور مزاح پسند انسان تھے آپ ہر علم وفن کا ساتھ دیتے اور قدیم وجدید کو نہایت توازن کے ساتھ ملائے رکھتے تھے۔

نثر نگاری اور شعروشاعری: حفنی ناصف جدید ادبی تحریک کے ایک محکم ستون تھے آپ نے اپنی علمی کاوشوں اور تالیفوں سے اس تحریک میں جان ڈالی اور اپنے قصائد ومقالات سے اسکو تقویت پہنچائی۔

آپ کو لغت میں بڑی مہارت اور قواعد میں وسیع معلومات حاصل تھیں اور اسرار کلام سے باخبر اور فن تنقید میں بڑی گہری نظر رکھتے تھے، مضمون نگاری میں آپ کا انداز عصر عباسی کے آخری دور کے اسلوب جیسا تھا جس میں سجع بندی اور بدیع پسندی تھی لیکن مقالات نویسی میں آپ کا اسلوب نگارش ان قیود سے آزاد تھا اسلئے اس میں رقت وسلاست اور سادگی ومتانت ہے اور آپ کا اسلوب نثر منظوم جیسا تھا جسمیں لطائف اور لفظی حسن کی زیادتی ہوتی تھی آپ کو طبعی طور پر شعروشاعری سے کافی ذوق تھا اور آپ نے بہت عمدہ عمدہ اشعار کہے ہیں۔

تصانیف: آپ نے بہت عمدہ عمدہ کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں چند یہ ہیں (۱) ممیزات لغت العرب، آپ نے یہ کتاب مستشرقین کی اس کانفرنس میں پیش کی تھی جو ''وائنا'' میں ۱۸۸۶ء میں منعقد ہوئی تھی اور خراج تحسین حاصل کی (۲) حیاۃ اللغۃ العربیۃ، یہ لیکچروں کا مجموعہ ہے جو آپ نے جامعہ مصریہ میں دیے تھے (۳) القطار السریع فی علم البدیع (۴) الامثال العامیۃ (۵) بدیع اللغۃ العامیۃ، انکے علاوہ ایک رسالہ بحث ومناظرہ پر اور ایک رسالہ منطق پر بھی لکھا

ہے آپکی اکثر کتابیں غیر مطبوعہ ہیں۔

دروس البلاغہ: یوں تو آپکی ہر تصنیف بے بہا موتیوں کا خزانہ ہے لیکن دروس البلاغہ جو آپ نے دوسرے مؤلفین کے ساتھ ملکر تصنیف کی، جسمیں مسائل بلاغت ذہن نشین کرنے کیلئے قرآن مجید کی آیات اور احادیث نبوی ﷺ اور شعراء متقدمین کے اشعار اور روزمرّہ کے محاورات اور کثیر الاستعمال فقروں سے مثالیں سمجھائیں ہیں جس سے اس کی افادیت بہت بڑھ گئی اور اسکی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے جو وقتِ تصنیف سے مدارس مصریہ میں داخل نصاب ہے اب پاک وہند کے مدارس عربیہ میں بھی داخل نصاب ہو چکی ہے اور دروس البلاغہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سابق مفتی دار العلوم دیوبند و مفتی اعظم پاکستان قدس سرّہٗ فرمایا کرتے تھے کہ استاذی حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالے دروس البلاغہ کو افادیت میں مختصر المعانی اور مطوّل پر ترجیح دیتے تھے۔

وفات: آخر یہ آفتاب روشن اپنے علم وعرفان سے جہان کو روشن کرتا ہوا کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ کے اصول کے تحت ۱۳۳۷ھ بمطابق نومبر ۱۹۱۹ء میں ہمیشہ کیلئے غروب ہو گیا اور اپنے متعلقین کے دلوں میں ہمیشہ کیلئے جدائی کا غم چھوڑ گیا اور آپکو مقبرۂ شافعی میں دفن کیا گیا۔

علم معانی، علم بیان، علم بدیع: علم معانی، علم بیان، علم بدیع سب کے مجموعے کو بلاغت کہا جاتا ہے اس کتاب میں چونکہ تینوں علوم بیان کیے گئے ہیں اس لئے اسکا نام دروس البلاغہ رکھا گیا ہے اور امام الانبیاء ﷺ کی صداقت کا سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید ہے اور امام الانبیاء ﷺ پر قرآن مجید نازل ہونے کے بعد جو بہت سارے علوم وجود میں آئے ان علوم میں سے ایک علم بلاغت بھی ہے جس سے قرآن مجید کا وہ اعجاز ثابت ہوتا ہے جس کی وجہ سے سارے عالم کو ان کلمات طیبہ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُونِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ

صَادِقِیْنَ کیساتھ چیلنج دیا گیا ہے لیکن اسکے چیلنج کو قبول کرنے سے تمام جن وانس عاجز رہے اور قیامت تک عاجز رہیں گے۔

علم بلاغت کا مرتبہ: چونکہ علم بلاغت سے قرآن پاک کا وہ اعجاز ثابت ہوتا ہے جسکی وجہ سے عرب کے بڑے بڑے شعراء اور خطباء اور فصحاء اور بلغاء قرآن مجید کے مقابلہ میں ایک آیت بھی نہ لا سکے اسلئے علم بلاغت کو تمام علوم اسلامیہ میں ایک ایسا مرتبہ اور مقام حاصل ہے جسکی وجہ سے قرآن مجید کے رموز و اسرار پہچانے جاتے ہیں اور اسکے بغیر اعجاز قرآن پر معرفت حاصل کرنا ناممکن ہے اسلئے علم بلاغت کو سیکھنا بہت ضروری ہے۔

اور علمائے اسلام نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اگر کسی نے قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کا اندازہ کرنا ہو تو دوسرے علوم صرف، نحو، لغت، اشتقاق، عروض، قوافی، رسم الخط وغیرہ سے واقف ہو اسی طرح سے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ علم بلاغت کا بھی ماہر ہو۔

مبادیات علم بلاغت

علم معانی کی تعریف: هُوَ عِلْمٌ يُعْرَفُ بِهَا اَحْوَالُ اللَّفْظِ الْعَرَبِيِّ الَّتِىْ بِهَا يُطَابِقُ مُقْتَضَى الْحَالِ علم معانی وہ علم ہے جسکے ذریعے لفظ عربی کے وہ احوال جانے اور پہچانے جاتے ہیں جسکی وجہ سے لفظ مقتضائے حال کے مطابق ہوتا ہے۔

علم معانی کا موضوع: کسی شے کا موضوع وہ شے ہوتی ہے جس میں اس شے کے احوال سے بحث کی جائے، علم معانی کا موضوع تراکیب بلغاء ہے اس حیثیت سے کہ وہ مقتضائے حال کے مطابق ہوں۔

علم معانی کی غرض وغایت: کلام کو مقتضائے حال کے مطابق ترکیب دینے میں غلطی واقع ہونے سے بچنا۔

علم بیان کی تعریف: "هُوَ عِلْمٌ يُبْحَثُ فِيهِ عَنِ التَّشْبِيهِ وَالْمَجَازِ وَالْكِنَايَةِ" علم بیان اس علم کو کہتے ہیں جس میں تشبیہ، مجاز اور کنایہ سے بحث کی جاتی ہے بعض نے یوں تعریف کی ہے "هُوَ عِلْمٌ بِقَوَاعِدَ يُعْرَفُ بِهَا إِيْرَادُ الْمَعْنَى الْوَاحِدُ بِطُرُقٍ مُّخْتَلِفَةٍ فِي وُضُوحِ الدَّلَالَةِ عَلَيْهِ" علم بیان وہ علم ہے جسکے ذریعے سے ایک مفہوم کو متعدد طرق سے ادا کرنے کا طریقہ معلوم ہو اس طریقہ پر کہ ان طریقوں میں بعض معنی مرادی پر دلالت کرنے میں دوسرے بعض طرق کی بنسبت زیادہ جلی اور واضح ہوں۔

علم بیان کا موضوع: اس علم کا موضوع الفاظ وعبارات ہیں کہ اپنے معنی مرادی پر دلالت کرنے میں واضح ہیں یا خفی۔

علم بیان کی غرض وغایت: معنی واحد کو تراکیب مختلفہ کیساتھ بیان کرنے کا طریقہ معلوم کرنا۔

علم بدیع کی تعریف: "هُوَ عِلْمٌ يُعْرَفُ بِهِ وُجُوهُ تَحْسِيْنِ الْكَلَامِ الْمُطَابِقِ لِمُقْتَضَى الْحَالِ" علم بدیع وہ علم ہے جسکے ذریعے سے اس کلام کو خوبصورت بنانے کے طریقے پہچانے جاتے ہیں جو کلام مقتضائے حال کیمطابق ہو، بالفاظ دیگر علم بدیع وہ علم ہے جسکے جاننے سے ان تمام لفظی ومعنوی خوبیوں سے واقفیت ہو جائے جو کلام میں بطور آرائش آتی ہیں۔

علم بدیع کا موضوع: تراکیب بلغاء بایں حیثیت کہ وہ مقتضی الحال کیمطابق ہوں۔

علم بدیع کی غرض وغایت: فصیح اور مقتضی الحال کیمطابق کلام میں زیادہ حسن اور خوبصورتی پیدا کرنے کے طریقے معلوم کرنا۔

علم معانی، علم بیان، علم بدیع کی تدوین

علم معانی کی تدوین: (۱) سب سے پہلے علم معانی کے متعلق جعفر بن یحیٰ برمکی متوفی ۱۸۷ھ نے چند ابتدائی اصول لکھے لیکن وہ اصول اور ان کا محل اقتباس ہمارے سامنے نہیں ہے اور نہ کسی مصنف نے انکی طرف رہنمائی کی ہے (۲) دوسرے ابوعثمان عمرو بن بحر حافظ اصفہانی متوفی ۲۵۵ھ ہیں جنکو بعض حضرات نے علم معانی کا مدون اوّل کہا ہے انکی کتاب ''البیان والتبیین'' ہے (۳) تیسرے فن بلاغت کے ماہر شیخ عبدالقاہر بن عبدالرحمٰن جرجانی متوفی ۴۷۱ھ ہیں علم معانی میں انکی کتاب ''دلائل الاعجاز'' اس فن کی مایہ ناز کتاب ہے جس میں موصوف نے تمام مباحث کو یکجا کر دیا ہے (۴) چوتھے علم معانی کے مدون علامہ ابو یعقوب یوسف سکاکی ہیں جنہوں نے علم معانی کی ایسی تشریح وتفصیل کی ہے کہ علم معانی کو درجہ کمال تک پہنچا دیا ہے انکی کتاب ''مفتاح العلوم قسم ثالث'' ہے جو علم بلاغت پر مشتمل ہے۔

علم بیان کی تدوین: (۱) اس فن میں سب سے پہلے ابوعبید معمر بن مثنیٰ تمیمی ہیں جو فن عروض کے موجد خلیل بن احمد کے شاگرد رشید ہیں انہوں نے سب سے پہلے ایک کتاب ''مجاز القرآن'' کے نام سے لکھی ہے (۲) دوسرے ابوعلی محمد بن حسن حاتمی ہیں انکی کتاب ''سر الصناعۃ واسرار البلاغۃ'' ہے (۳) تیسرے ابوالحسن محمد بن الطاہر شریف رضی ہیں انکی کتاب ''تلخیص البیان'' اور ''مجازات نبویہ'' ہے (۴) چوتھے ابومنصور عبدالملک بن محمد ثعالبی ہیں انکی کتاب ''سحر البلاغہ وسر البلاغہ'' ہے (۵) پانچویں ابوبکر عبدالقاہر بن عبدالرحمٰن جرجانی ہیں انکی کتاب ''اسرار البلاغہ'' ہے

(۶) چھٹے علامہ جار اللہ زمخشری ہیں انکی کتاب ''اساس البلاغہ'' ہے۔

علم بدیع کی تدوین: (۱) سب سے پہلے اس فن کو مدون کرنے والے امیر المومنین ابو العباس المرتضی عبداللہ بن معتز ہیں انکی کتاب ''البدیع'' ہے (۲) دوسرے ابو الفرج قدامہ بن جعفر ہیں انکی کتاب ''نقد النثر'' اور ''نقد الشعر'' ہے (۳) تیسرے شیخ ابوبکر محمد باقلانی ہیں انکی کتاب ''اعجاز القرآن'' ہے (۴) چوتھے ابو علی حسن بن رشیق قیروانی ہیں انکی کتاب ''العمدۃ فی محاسن الشعر وآدابہ'' ہے۔ انکے بعد ابن ابی الاصبع اور دیگر علماء متاخرین ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عُلُومُ الْبَلَاغَةِ

مُقَدِّمَةٌ

فِیْ الْفَصَاحَةِ وَالْبَلَاغَةِ۔ اَلْفَصَاحَةُ فِیْ اللُّغَةِ تُنْبِئُ عَنِ الْبَيَانِ وَالظُّهُوْرِ يُقَالُ اَفْصَحَ الصَّبِیُّ فِیْ مَنْطِقِهٖ اِذَا بَانَ وَظَهَرَ كَلَامُهٗ وَتَقَعُ فِیْ الْاِصْطِلَاحِ وَصْفًا لِلْكَلِمَةِ وَالْكَلَامِ وَالْمُتَكَلِّمِ

ترجمة: یہ فن بلاغت کے علوم ہیں یہ مقدمہ فصاحت اور بلاغت کی تعریفات کے بیان میں ہے فصاحت لغت میں بیان اور ظہور کے معنی کی خبر دیتی ہے جیسے کہا جاتا ہے "اَفْصَحَ الصَّبِیُّ فِیْ مَنْطِقِهٖ" بچہ اپنی بول چال میں فصیح ہوگیا جب اسکی بات واضح اور ظاہر ہونے لگے اور اصطلاح میں فصاحت کلمہ، کلام اور متکلم کی صفت واقع ہوا کرتی ہے۔

تجزیہ عبارت: مذکورہ عبارت میں مصنفؒ نے اس بات کو ذکر کیا ہے کہ مقدمہ میں فصاحت و بلاغت کا بیان ہوگا اور فصاحت کا لغوی معنی اور عرب کا محاورہ اور فصاحت کا اصطلاحی معنی بیان ہوگا۔

تشریح:

اعتراض: یہاں پر ایک خارجی اشکال ہوتا ہے کہ مصنفؒ نے اپنی کتاب میں بسم اللہ کے بعد الحمد للہ کا ذکر نہیں کیا حالانکہ اس سے قرآن و حدیث اور سلف صالحین کی مخالفت لازم آتی ہے کیونکہ اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں تسمیہ کے بعد تحمید کا ذکر فرمایا ہے اور حدیث میں ہے

"کُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَمْ یُبْدَأْ بِحَمْدِاللّٰہِ فَھُوَ اَقْطَعُ اَوْ اَجْزَمُ اَوْ کَمَا قَالَ ﷺ" ہر وہ ذیشان کام جسکی ابتدا اللہ کی حمد سے نہ کی جائے وہ بے برکت اور نا تمام ہوتا ہے اور سلف صالحین کا بھی طرز ہے کہ اپنی کتاب کے شروع میں تسمیہ اور تحمید دونوں ذکر فرماتے ہیں۔

جواب (۱): قرآن پاک کی مخالفت لازم نہیں آتی اسلئے کہ قرآن پاک کی ایک ترتیب مجموعی ہے جیسے قرآن پاک میں بسم اللہ کے بعد الحمد للہ کا ذکر ہے، دوسری ترتیب نزولی ہے کہ اسمیں اللہ رب العزت نے بسم اللہ کے بعد اقرأ کا نزول فرمایا اسمیں صرف تسمیہ ہے تحمید نہیں تو ہوسکتا ہے کہ مصنفؒ نے ترتیب نزولی کا لحاظ کیا ہو۔

جواب (۲): حدیث کی مخالفت اسلئے لازم نہیں آتی کہ احادیث میں اللہ تعالی کے نام اور تعریف سے شروع کرنیکی ترغیب دی گئی ہے تو مصنفؒ نے جب اپنی کتاب کو بسم اللہ سے شروع کیا تو اسمیں اللہ تعالی کا نام اور تعریف دونوں مذکور ہیں۔

جواب (۳): مصنفؒ نے حضور اقدس ﷺ کے خطوط کی اتباع کرتے ہوئے الحمد للہ نہیں لکھی کیونکہ آپ ﷺ کے دعوتی خطوط میں صرف تسمیہ کا ذکر ہوتا تھا تحمید کا نہیں۔

جواب (۴): سلف صالحین کی مخالفت اسلئے لازم نہیں آتی کہ مصنفؒ نے تواضع اور انکساری سے کام لیتے ہوئے یہ خیال کیا کہ میری کتاب اس قابل نہیں کہ سلف صالحین کے طرز پر شروع کیجائے۔

اعتراض: ایسی کسر نفسی تو صحیح نہیں جس سے نص کی مخالفت لازم آئے۔

جواب: حدیث پاک میں بسم اللہ اور الحمد للہ سے ابتداء کا ذکر ہے اب ابتداء عام ہے کہ فقط

تلفظ سے ہو یا فقط کتابت سے یا دونوں سے، تو ممکن ہے کہ مصنفؒ نے ابتداء بالتلفظ کر لی ہو تو جہاں تک ممکن ہو بدگمانی سے بچنا چاہئے کیونکہ قرآن پاک میں ہے "اِجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ" کہ زیادہ بدگمانیوں سے بچو کیونکہ بعض گمان گناہ ہیں اور حدیث پاک میں ہے "ظُنُّوا الْمُؤْمِنِيْنَ خَيْرًا" کہ مومنوں کے بارے میں اچھا گمان کرو، اسلئے ہمیں یہی گمان کرنا چاہیے کہ مصنفؒ نے زبان سے الحمد للہ کہہ لی ہوگی۔

قوله عُلُوْمُ الْبَلَاغَةِ

اعتراض: یہاں پر اعتراض ہوتا ہے کہ علوم علم کی جمع ہے اس اعتبار سے مصنفؒ کو علم البلاغۃ کہنا چاہیے تھا تو یہاں علوم جمع کیوں لائے؟

جواب: یہ ہے کہ علم معانی، علم بیان اور علم بدیع کے مجموعے کو بلاغت کہا جاتا ہے مصنفؒ نے تو علوم البلاغۃ کہہ کر علم معانی، علم بیان اور علم بدیع اور انکی اقسام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علوم جمع لائے ہیں۔

قوله مُقَدِّمَةٌ فِي الْفَصَاحَةِ وَالْبَلَاغَةِ: یہ خبر ہے اور اسکا مبتداء ھٰذِہٖ محذوف ہے تو مطلب یہ ہے کہ یہ مقدمہ فصاحت و بلاغت کے بیان میں ہے۔

مأخذ المقدمۃ: یہ مقدمۃ الجیش سے مأخوذ ہے مقدمۃ الجیش کہتے ہیں لشکر کا وہ حصہ جو انتظام کیلئے آگے آگے ہو چونکہ مقدمہ کے ماتحت جو امور بیان کئے جاتے ہیں وہ بھی کتاب کے شروع میں ہوتے ہیں اور یہ مقاصد میں معین و مددگار ثابت ہوتے ہیں جیسے مقدمۃ الجیش مابعد لشکر کیلئے معین و مددگار ثابت ہوتا ہے اس لئے اسے مقدمہ کہتے ہیں اگر مُقَدِّمَۃ بکسر الدال ہو تو اسوقت باب تفعیل سے اسم فاعل ہوگا بمعنی آگے کرنے والا چونکہ جو امور مقدمہ میں بیان ہوتے ہیں وہ بھی اپنے جاننے والے کو اسپر مقدم کرتے ہیں جو اسکو نہیں جانتا یعنی اگر کسی نے

مقدمۃ الکتاب کو جان لینے کے بعد کتاب شروع کی تو اسکو کتاب کے پڑھنے میں جسقدر بصیرت حاصل ہوگی نہ جاننے والے کو وہ بصیرت اسقدر حاصل نہ ہوگی، اگر مُقدَّمَۃ بفتح الدال ہو تو اسوقت اسم مفعول کا صیغہ ہوگا بمعنی آگے کیا ہوا چونکہ مقدمہ بھی مقاصد سے آگے ہوتا ہے اس لئے اسے مقدمہ کہتے ہیں اور یہاں مقدمہ سے مراد کتاب کے شروع میں وہ ضروری مباحث جو بطور مبادیات کے ذکر کی جائیں اسے مقدمہ کہتے ہیں اور چونکہ علم بلاغت کیلئے ضروری مباحث فصاحت و بلاغت کی تعریف اور انکی آگے اقسام ہیں اس لئے مقدمہ میں انہیں چیزوں کو ذکر کیا گیا ہے۔

قولہ اَلْفَصَاحَۃُ فِیْ اللُّغَۃِ تُنْبِئُ عَنِ الْبَیَانِ وَالظُّھُوْرِ الخ

فصاحت کی لغوی تعریف:

یہاں سے مصنفؒ فصاحت کا لغوی معنی بیان کر رہے ہیں کہ فصاحت کا لغوی معنی صاف اور ظاہر ہونا، جیسا کہ عرب کے محاورہ میں کہا جاتا ہے ''اَفْصَحَ الصَّبِیُّ فِیْ مَنْطِقِہٖ'' کہ بچہ اپنی بول چال میں صاف گو ہو گیا یہ اس وقت کہتے ہیں جب بچہ کی گفتگو بالکل صاف اور واضح ہو جائے اور اسکے الفاظ بالکل صحیح اور درست ہو کر اسکی زبان سے نکلنے لگیں اور جیسے محاورہ میں کہا جاتا ہے ''فَصُحَ الْعَجَمِیُّ وَاَفْصَحَ'' کہ عجمی فصیح ہو گیا جب اسکی زبان خوب بولنے لگے اور اسمیں لکنت وغیرہ نہ ہو۔

فصاحت کی اصطلاحی تعریف:

فصاحت کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ فصاحت کیساتھ کلمہ، کلام اور متکلم تینوں متصف ہوتے ہیں یعنی فصاحت تینوں کی صفت واقع ہوتی ہے کلمہ فصیح ہو جیسے ''ھٰذِہٖ کَلِمَۃٌ فَصِیْحَۃٌ'' کلام فصیح ہو جیسے ''ھٰذَا کَلَامٌ فَصِیْحٌ'' اور متکلم فصیح ہو جیسے ''ھٰذَا شَاعِرٌ فَصِیْحٌ'' اور ''ھٰذَا مُتَکَلِّمٌ فَصِیْحٌ'' بخلاف بلاغت کے، اسکے ساتھ صرف کلام اور متکلم متصف ہوتا ہے جیسے ''ھٰذَا کَلَامٌ بَلِیْغٌ'' اور ''ھٰذَا شَاعِرٌ بَلِیْغٌ'' اور کلمہ بلاغت کیساتھ متصف نہیں ہوتا یوں نہیں کہا جا سکتا ''ھٰذِہٖ کَلِمَۃٌ بَلِیْغَۃٌ'' کیونکہ اہل عرب

سے کلمہ بلیغہ نہیں سنا گیا چونکہ یہ سماعی ہے اور اہل عرب سے کلمہ فصیحہ تو سنا گیا ہے لیکن کَلِمَةٌ بَلِيْغَةٌ مسموع نہیں ہے۔

فَصَاحَةُ الْكَلِمَةِ سَلَامَتُهَا مِنْ تَنَافُرِ الْحُرُوْفِ وَ مُخَالَفَةِ الْقِيَاسِ وَ الْغَرَابَةِ فَتَنَافُرُالْحُرُوْفِ وَصْفٌ فِى الْكَلِمَةِ يُوْجِبُ ثِقْلُهَا عَلَى اللِّسَانِ وَ عُسْرُ النُّطْقِ بِهَا نَحْوُ اَلظَّشُّ لِلْمَوْضَعِ الْخَشِنِ وَ الْهُعْخُعِ لِنَبَاتٍ تَرْعَاهُ الْاِبِلُ وَ النُّقَاخِ لِلْمَآءِ الْعَذْبِ الصَّافِىْ وَ الْمُسْتَشْزِرِ لِلْمَفْتُوْلِ

ترجمہ: فصاحت کلمہ کی تعریف ،کلمہ کا تنافر حروف ،مخالفت قیاس اور غرابت سے خالی ہونا ہے پس تنافر حروف وہ کلمہ میں ایسا وصف ہے جو ثابت کرتا ہے زبان پر کلمہ کی ثقالت کو اور اسکے تلفظ کی دشواری کو یعنی اسکا بولنا مشکل ہو جاتا ہے جیسے اَلظَّشُّ کھردری اور سخت جگہ کیلئے اور اَلْهُعْخُعُ اس گھاس کیلئے جسے اونٹ چرتے ہیں اور اَلنُّقَاخُ صاف اور میٹھے پانی کیلئے اور اَلْمُسْتَشْزِرُ جو بٹے ہوئے بال کے معنی میں ہے۔

تجزیہ عبارت: مذکورہ عبارت میں مصنفؒ نے فصاحت کلمہ کی تعریف کے بعد تنافر حروف کی تعریف کی ہے اور تنافر حروف کی مثالیں دی ہیں۔

تشریح: قوله فَصَاحَةُ الْكَلِمَةِ سَلَامَتُهَا مِنْ تَنَافُرِ الْحُرُوْفِ الخ

فصاحت کلمہ کی تعریف: یہاں سے مصنفؒ فصاحت کلمہ کی تعریف فرما رہے ہیں کہ کلمہ تنافر حروف اور مخالفت قیاس اور غرابت سے خالی ہو اگر ان تینوں میں سے ایک بھی چیز کلمہ میں پائی جائے تو وہ کلمہ فصیح نہیں ہوگا ،اسکی وجہ یہ ہے کہ کلمہ کیلئے تین چیزیں ہوتی ہیں (۱) مادہ یعنی اسکے حروف ،اگر مادہ میں کوئی عیب پایا گیا ہو تو اسکو تنافر حروف کہتے ہیں (۲) کلمہ کی صورت یعنی اسکا

صیغہ، اگر صورت میں کوئی عیب ہو تو اسے غرابت کہتے ہیں (۳) کلمہ کے معنی پر دلالت، اگر دلالت علی المعنی میں کوئی عیب پایا جائے تو اسکو مخالفت قیاس کہتے ہیں مزید تفصیل اور مثالیں آگے آرہی ہیں۔

اعتراض: اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ پہلے کسی چیز کی تعریف کی جاتی ہے پھر اسکی تقسیم کی جاتی ہے جیسے نحویوں نے پہلے کلمہ اور کلام کی تعریف کی ہے پھر انکی تقسیم کی ہے ایسے ہی مصنفؒ کو پہلے فصاحت وبلاغت کی تعریف کرنی چاہئے تھی پھر انکی تقسیم کرتے، تو فصاحت کی تعریف کیے بغیر تقسیم شروع کیوں کردی؟

جواب: تعریف کیلئے ضروری ہے کہ معرَّف کے واسطے ایسا مفہوم کلی ہو جو معرَّف کے تمام افراد کو شامل ہو اور فصاحت کیلئے ایسا مفہوم کلی اور ایسی تعریف جو معانی مشترکہ کو شامل ہو موجود نہیں تھی اس عذر کی بنا پر پہلے تقسیم کی پھر ہر ایک قسم کی تعریف اور مثال بیان کی جیسا کہ صاحب کافیہ نے مستثنیٰ کی تعریف کیے بغیر متصل اور منفصل کی طرف اسکی تقسیم کی ہے اور پھر ان میں سے ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ تعریف کی ہے۔

اعتراض: یہاں پر اعتراض ہوتا ہے کہ مصنفؒ نے فصاحت کو بلاغت پر مقدم کیوں کیا یعنی فصاحت کی اقسام ثلثہ کی تعریفات پہلے کیوں ذکر کیں؟

جواب: بلاغت کی تعریف کا سمجھنا فصاحت کی تعریف سمجھنے پر موقوف ہے تو فصاحت بمنزلہ موقوف علیہ کے ہے اور بلاغت بمنزلہ موقوف کے، اور موقوف علیہ چونکہ موقوف پر مقدم ہوتا ہے اسلئے مصنفؒ نے فصاحت کو بلاغت پر مقدم کیا ہے۔

اعتراض: یہاں پر دوسرا اعتراض ہوتا ہے کہ فصاحت کلمہ کو مصنفؒ نے فصاحت کلام اور

فصاحت متکلم پر مقدم کیوں کیا؟ فصاحت کلام یا فصاحت متکلم کو مقدم کیوں نہیں کیا؟

جواب: فصاحت کلام اور فصاحت متکلم کا سمجھنا فصاحت کلمہ کے سمجھنے پر موقوف ہے اور فصاحت کلمہ بمنزلہ موقوف علیہ کے ہے اسلئے فصاحت کلمہ کو فصاحت کلام اور فصاحت متکلم پر مقدم کیا ہے۔

قولہ فَتَنَافُرُ الْحُرُوْفِ وَصْفٌ فِیْ الْكَلِمَةِ الخ

تنافر حروف کی تعریف: یہاں سے مصنفؒ تنافر حروف کی تعریف فرمارہے ہیں کہ تنافر حروف کلمہ میں ایک ایسا وصف ہے جسکی وجہ سے کلمہ زبان پر ثقیل ہوجاتا ہے اور اسکا تلفظ دشوار ہوجاتا ہے آسانی کیساتھ زبان سے ادا نہیں ہوتا جیسے ظَشٌّ، هُعْخُعٌ، نُقَاخٌ اور مُسْتَشْزِرٌ میں ہے اور سب سے زیادہ تنافر هُعْخُعٌ میں ہے۔

قَوْلُهٗ اَلْمُسْتَشْزِرُ، یہ عرب کے مشہور شاعر امراء القیس کے شعر کا ایک حصہ ہے پورا شعر یوں ہے۔

شعر غَدَائِرُهٗ مُسْتَشْزِرَاتٌ اِلَى الْعُلٰى ☆ تَضِلُّ الْعُقَاصُ فِیْ مُثَنًّى وَمُرْسَلٖ

شاعر اپنی محبوبہ کے بالوں کی کثرت اور خوبصورتی کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے، اسکے گیسو بلندی کیطرف اٹھے ہوئے ہیں، اسکا جُوڑا گندھے ہوئے بالوں اور کھلے ہوئے بالوں میں چھپ جاتا ہے۔

تنافر کی پہچان کا ضابطہ: تنافر کی تعریف میں لوگوں کے مختلف اقوال ہیں مگر انمیں کوئی بھی قابل اعتماد قول نہیں ہے لیکن ایک قابل اعتماد ضابطہ جسکو علامہ ابن الاثیر نے اپنی کتاب "مثل السائر" میں بیان کیا ہے کہ ذوق سلیم اور طبع سلیم جس کلمہ کے تلفظ کو ثقیل اور دشوار قرار دے وہ کلمہ متنافر ہوگا اور جسکو ذوق سلیم ثقیل نہ سمجھے وہ غیر متنافر ہے، خواہ یہ تنافر قرب مخارج کیوجہ سے ہو یا بعد مخارج کیوجہ سے یا انکے علاوہ کسی اور وجہ سے ہو۔

ذوق سلیم کی تعریف: ذوق ایک ایسی قوت کا نام ہے جسکے ذریعے انسان کلام کے لطائف اور وجوہ تحسین معلوم کرسکتا ہے کبھی یہ ذوق طبعاً ہوتا ہے جیسے اہل عرب کا ذوق اور کبھی کسباً کہ بلغاء عرب کے کلام میں مہارت حاصل کرکے ہو۔

وَ مُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ كَوْنُ الْكَلِمَةِ غَيْرَ جَارِيَةٍ عَلَى الْقَانُوْنِ الصَّرْفِيِّ كَجَمْعِ بُوْقٍ عَلٰى بُوْقَاتٍ فِى قَوْلِ الْمُتَنَبِّى

فَإِنْ يَّكُ بَعْضُ النَّاسِ سَيْفًا لِدَوْلَةٍ ☆ فَفِى النَّاسِ بُوْقَاتٌ لَهَا وَ طُبُوْلُ

- إِذِ الْقِيَاسُ فِى جَمْعِهِ لِلْقِلَّةِ أَبْوَاقٌ وَ كَمَوْدَدَةٍ فِى قَوْلِهِ

إِنَّ بَنِىَّ لَلِئَامٌ زَهَدَةٌ ☆ مَالِىْ فِىْ صُدُوْرِهِمْ مِنْ مَوْدَدَةٍ

وَالْقِيَاسُ مَوَدَّةٌ بِالْإِدْغَامِ وَالْغَرَابَةُ كَوْنُ الْكَلِمَةِ غَيْرَ ظَاهِرَةِ الْمَعْنٰى نَحْوُ تَكَأْكَأَ بِمَعْنٰى اِجْتَمَعَ وَ اِفْرَنْقَعَ بِمَعْنٰى اِنْصَرَفَ وَ اِطْلَخَمَّ بِمَعْنٰى اِشْتَدَّ

ترجمہ: اور مخالفت قیاس کے معنی یہ ہیں کہ کلمہ علم صرف کے قاعدہ کے مطابق جاری نہ ہو جیسے بوق کی جمع بوقات لانا متنبی کے قول میں۔

ترجمہ شعر: پس اگر بعض لوگ الدولۃ کیلئے (یعنی ممدوح سیف الدولہ کیلئے) تلوار بن جائیں (تاکہ سلطنت کی مدد اور اسکی مدافعت کریں) تو اے ممدوح تیرے سوا انسانوں میں جتنے بادشاہ ہیں سب ہی سلطنت کیلئے بمنزلہ بگل اور ڈھولوں کے ہیں، اسلئے کہ قاعدہ تو یہ چاہتا ہے بوق کی جمع قلت ابواق ہو اور اسی طرح متنبی کے قول میں مودوہ کا لفظ خلاف قاعدہ ہے۔

ترجمہ شعر: بیشک میرے بیٹے بالکل نکمے اور بے ذوق ہیں میری محبت انکے سینوں میں ذرہ برابر بھی نہیں ہے، اور قیاس چاہتا ہے کہ مَوَدَّةٌ ادغام کے ساتھ ہو اور غرابت کا مطلب یہ ہے کہ اپنے معنی پر دلالت کرنے میں واضح نہ ہو تَكَأْكَأَ بمعنی جمع ہوا اور اِفْرَنْقَعَ بمعنی پھر گیا اور اِطْلَخَمَّ بمعنی

سخت ہو گیا۔

تجزیہ عبارت: مذکورہ عبارت میں صاحب کتاب نے مخالفت قیاس کی تعریف اور مثالیں ذکر کی ہیں اور ساتھ ہی غرابت کی تعریف اور مثالیں ذکر کی ہیں۔

تشریح:

قولہ وَمُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ كَوْنُ الْكَلِمَةِ غَيْرَ جَارِيَةٍ عَلَى الْقَانُوْنِ الصَّرْفِيِّ الخ

مخالفت قیاس کی تعریف: مخالفت قیاس یہ ہے کہ کلمہ قانون صرف کے مطابق استعمال نہ ہو قانون صرفی سے مراد مَا ثَبَتَ عَنِ الْوَاضِعِ ہے یعنی جس طریقہ پر وہ کلمہ واضع سے ثابت ہوا سکے خلاف استعمال ہو، چاہے وہ قاعدہ صرف کے خلاف ہو یا قاعدہ لغت کے خلاف ہو جیسے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْاَجْلَلِ یہ واضع کی وضع کے بھی خلاف ہے اور قاعدہ صرفی کے بھی ،واضع کی وضع کے خلاف تو اسلئے ہے کہ واضع سے اجلّ ادغام کے ساتھ ثابت ہے بغیر ادغام کے ثابت نہیں اور قاعدہ صرفی کے خلاف اسلئے ہے کہ صرف کا قاعدہ ہے کہ جب دو حرف ایک جنس کے جمع ہوں تو ان میں ادغام کیا جاتا ہے حالانکہ شاعر نے بغیر ادغام کے استعمال کیا ہے۔

قولہ كَجَمْعِ بُوْقٍ عَلٰى بُوْقَاتٍ فِيْ قَوْلِ الْمُتَنَبِّيْ:

یہاں مصنفؒ مخالفت قیاس کی مثال پیش کر رہے ہیں متنبی کے شعر سے

شعر فَاِنْ يَّكُ بَعْضُ النَّاسِ سَيْفًا لِدَوْلَةٍ ☆ فَفِي النَّاسِ بُوْقَاتٌ لَّهَا وَ طُبُوْلُ

شعر کی تشریح: ابوطیب احمد بن حسین متنبی نے سیف اللہ ولہ شاہ دمشق کی تعریف میں کچھ اشعار کہے تھے ان میں سے ایک شعر یہ ہے بُوْقَاتٌ جمع ہے بُوْقٌ کی بمعنی بگل جنگی باجا جسکو سن کر لوگ جمع ہو جائیں طُبُوْلُ جمع ہے طَبْلٌ کی بمعنی ڈھول۔

شعر کا مطلب: یہ ہے اگر بعض لوگ سلطنت کیلئے تلوار بن جائیں (تا کہ سلطنت کی امداد کریں اور اسکی حفاظت کریں مراد سیف الدّولہ ہے) تو اے ممدوح تیرے سوا انسانوں میں جتنے سلاطین ہیں سب ہی سلطنت کیلئے بمنزلہ جنگی باجے اور ڈھول کے ہو جاتے ہیں یعنی اے سیف الدّولہ جب تو کسی علاقے کا بادشاہ بن جاتا ہے تو دوسرے تمام بادشاہ تیرے تابع ہو کر جنگی باجے اور ڈھول کی طرح فوجیں جمع کرنے کا سبب بن جاتے ہیں۔

محل استشھاد: اس شعر میں محل استشہاد بُوقَاتٌ ہے یہ لفظ قانون لغت کے خلاف ذکر کیا گیا ہے کیونکہ قاعدہ کیمطابق بُوقٌ کی جمع قلت اَبْوَاقٌ ہونی چاہئے اور جمع کثرت بَوَائِقٌ ہونی چاہیے اور متنبّی جو بُوقٌ کی جمع بُوقَاتٌ شعر میں ذکر کی ہے یہ قاعدہ کے خلاف ہے اسمیں مخالفت قیاس پایا جاتا ہے اس لئے شعر درجہ فصاحت سے گر کر غیر فصیح ہو گیا ہے۔

قولہ وَ کَمُوَدَدَۃٍ فِیْ قَوْلِہٖ:

یہاں سے مصنفؒ مخالفت قیاس کی دوسری مثال پیش کر رہے ہیں یہ بھی متنبّی کا شعر ہے۔

شعر اِنَّ بَنِیَّ لَلِئَامٌ زَھَدَۃٌ ☆ مَالِیْ فِیْ صُدُوْرِھِمْ مِنْ مَوْدَدَۃٍ

شعر کی تشریح: بَنِیَّ یہ ابن کی جمع ہے اصل میں حالتِ نصبی میں بَنِیْنَ تھا اور یائے متکلم کی طرف اضافت کیوجہ سے نون گر گیا پھر یاء کو یاء میں مدغم کر دیا بمعنی میرے بیٹے، لَلِئَام جمع ہے لَئِیْمٌ کی بمعنی نکما اور کمینہ اسمیں لام تاکید کا ہے، زَھَدَۃٌ جمع ہے زاھد کی بمعنی بے رغبتی کرنے والا، بے ذوق، صدور جمع ہے صدر کی بمعنی سینہ اور دل۔

شعر کا مطلب: شعر کا مطلب یہ ہے کہ بیشک میرے بیٹے نکلے اور بے رغبتی کرنے والے ہیں انکے دل میں میری محبت ذرہ برابر بھی نہیں ہے۔

محل استشہاد: اسمیں محل استشہاد لفظ مُوْدَدَةٌ ہے حالانکہ صرف کا قاعدہ ہے جب دو حرف ایک جنس کے جمع ہوں تو انکا آپس میں ادغام کیا جاتا ہے تو صرفی قاعدہ کے مطابق مُوَدَّةٌ ہونا چاہئے تھا مخالفت قیاس کے پائے جانے کیوجہ سے یہ شعر درجہ فصاحت سے گر گیا ہے۔

قوله وَ الْغَرَابَةُ كَوْنُ الْكَلِمَةِ غَيْرَ ظَاهِرَةِ الْمَعْنٰى الخ

غرابت کی تعریف: یہاں سے مصنفؒ غرابت کی تعریف کر رہے ہیں کہ کلمہ اپنے معنی موضوع لہ پر دلالت کرنے میں واضح نہ ہو، علامہ سعد الدین تفتازانی نے غرابت کی تعریف یوں کی ہے ''اَلْغَرَابَةُ كَوْنُ الْكَلِمَةِ وَحْشِيَّةً غَيْرَ ظَاهِرَةِ الْمَعْنٰى وَ لَا مَانُوْسَةِ الْاِسْتِعْمَالِ '' کہ کلمہ وحشی ہو اور ظاہر المعنی اور مانوس الاستعمال نہ ہو تَكَأْكَأَ اور اِفْرَنْقَعَ یہ قول ہے عیسی بن عمر نحوی کا ہے کہ یہ ایک مرتبہ اپنی سواری سے گر گئے لوگ بھاگے ہوئے آئے اور اسکے ارد گرد جمع ہو گئے تو عیسی بن عمر نحوی نے لوگوں کو ڈانٹتے ہوئے کہا ''مَا لَكُمْ تَكَأْكَأْتُمْ عَلَيَّ كَتَكَأْكُئِكُمْ عَلٰى ذِيْ جِنَّةٍ اِفْرَنْقِعُوْا عَنِّيْ'' کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے تم مجھ پر اس طرح جمع ہو گئے ہو جیسے تم کسی مجنون پر جمع ہوتے ہو میرے پاس سے دور ہو جاؤ اب تَكَأْكُؤٌ کا اِجْتَمَعَ کے معنی میں لیا ہے لیکن یہ مانوس الاستعمال نہیں ہے، اسیطرح اِفْرَنْقَعَ یہ اِنْصَرَفَ کے معنی میں لیا ہے لیکن یہ مذکورہ معنی میں رائج نہیں ہے اسی طرح اِطْلَخَمَّ کو اِشْتَدَّ کے معنی میں لیا ہے لیکن یہ اجنبی ہے اِشْتَدَّ کے معنی میں مانوس الاستعمال نہیں ہے چونکہ یہ الفاظ مذکورہ معنی میں مانوس الاستعمال اور معروف نہیں ہیں اسلئے ان میں غرابت پائی جاتی ہے اسلئے یہ کلمات درجہ فصاحت سے نکل کر غیر فصیح کلمات میں داخل ہو گئے ہیں۔

بعض حضرات نے فصاحت مفرد کی تعریف میں ایک قید اور لگائی ہے کہ کراہت فی السمع سے بھی خالی ہو کہ اس لفظ کے سننے سے کانوں کو نا گواری نہ ہو پھر کلمہ فصیح ہو گا جیسے جِرِشّٰی کہ اس لفظ کے سننے سے کانوں کو نا گواری ہوتی ہے، لیکن اس قید کی بالکل ضرورت نہیں ہے کیونکہ کراہت فی

السمع تو صرف غرابت کیوجہ سے ہے کہ کلمہ وحشی ہے اسلئے کراہت فی السمع غرابت میں داخل ہے۔

غرابت کی دو قسمیں:

پہلی قسم: کلمہ غیر مانوس الاستعمال ہو لیکن لغت کی بڑی بڑی کتابوں کے دیکھنے سے اس کلمہ کا معنی معلوم ہو جائے جیسے تَكَأْكَأَ کا اسکا معنی اِجْتَمَعَ معلوم کر لیا گیا ہے اِفْرَنْقَعَ بمعنی اِنْصَرَفَ معلوم کر لیا گیا ہے اگرچہ مانوس الاستعمال نہیں ہے۔

دوسری قسم: وہ الفاظ غریبہ کہ لغت کی بڑی بڑی کتابیں دیکھنے سے بھی اسکا معنی معلوم نہ ہو اور اہل عرب کے نزدیک بھی غیر مستعمل ہو لہذا انکا معنی سمجھنے کیلئے سبب بعید کی ضرورت پڑتی ہے جیسے ابن العجاج کے شعر میں لفظ مسرّج ہے، پورا شعر یوں ہے۔

شعر وَمُقْلَةً وَ حَاجِبًا وَ مُزَجَّجًا ☆ وَ فَاحِمًا وَ مُرْسَنًا مُسَرَّجًا

شاعر اپنی محبوبہ کی تعریف کرتا ہوا کہتا ہے (کہ محبوبہ نے) آنکھ ظاہر کی اور باریک اور لمبی آبرو کو، اور کوئلے کیطرح سیاہ بالوں کو اور چمکدار ناک کو ظاہر کیا۔ اس شعر میں محل استشہاد لفظ مُسَرَّجًا ہے کہ اسکا معنی لغت کی کتابوں میں نہیں ملا ہے اب اسکا معنی سمجھنے کیلئے اسباب بعیدہ تلاش کرنے پڑے یا تو سریج ایک لوہار کا نام ہے جسکی طرف تلواریں منسوب کی جاتی ہیں پھر مطلب ہو گا کہ اسکی ناک باریک اور سیدھے پن میں سریجی تلوار کیطرح ہے، یا سراج کیطرف منسوب ہے بمعنی چراغ اسکی ناک چمک دمک میں چراغ کی طرح ہے۔

وَفَصَاحَةُ الْكَلَامِ سَلَامَتُهُ مِنْ تَنَافُرِ الْكَلِمَاتِ مُجْتَمِعَةً وَ مِنْ ضُعْفِ التَّأْلِيفِ وَ مِنَ التَّعْقِيدِ مَعَ فَصَاحَةِ كَلِمَاتِهِ. فَالتَّنَافُرُ وَصْفٌ فِي الْكَلَامِ يُوجِبُ ثِقْلَهُ عَلَى اللِّسَانِ وَ عُسْرُ النُّطْقِ بِهٖ نَحْوُفِيْ رَفْعِ عَرْشِ الشَّرْعِ مِثْلُكَ يَشْرَعُ، وَ لَيْسَ قُرْبَ قَبْرِ حَرْبٍ قَبْرٌ

کَرِیْمٌ مَتٰی اَمْدَحْهُ اَمْدَحْهُ وَالْوَرٰی ☆ مَعِیَ وَ اِذَامَا لُمْتُهٗ لُمْتُهٗ وَحْدِیَ

ترجمہ: فصاحت کلام یہ ہے کہ کلام میں چند کلمات کے اجتماع سے جو تنافر پیدا ہوتا ہو کلام اس سے خالی ہو اور ضعف تالیف اور تعقید سے بھی خالی ہو بشرطیکہ اسکے تمام کلمات فصیح ہوں، پس تنافر کلمات، کلام میں ایک ایسا وصف ہے جو زبان پر کلام کے ثقیل ہونے کو اور اسکے ساتھ تلفظ کی دشواری کو واجب کرتا ہے جیسے (ترجمہ شعر) شریعت کے تخت کو بلند کرنے میں تیرے جیسا ہی شخص مشغول ہوتا ہے اور حرب بن امیہ کی قبر کے قریب کوئی قبر نہیں ہے، میرا ممدوح ایسا سخی ہے جب میں اسکی تعریف کرتا ہوں تو اس حال میں اسکی تعریف کرتا ہوں کہ مخلوق میرے ساتھ ہوتی ہے، اور جب میں اسکی مذمت بیان کرتا ہوں تو اس حال میں اسکی مذمت کرتا ہوں کہ میں اکیلا ہوتا ہوں۔

تجزیہ عبارت: مذکورہ عبارت میں مصنفؒ نے فصاحت کلام کی تعریف کی ہے اور ساتھ ہی تنافر کلمات کی تعریف کرنے کے بعد مثال کے ساتھ اسکو سمجھایا ہے۔

تشریح: قولہ <u>وَفَصَاحَةُ الْكَلَامِ سَلَامَتُهٗ مِنْ تَنَافُرِ الْكَلِمَاتِ مُجْتَمِعَةً</u> الخ

فصاحت کلام کی تعریف: مصنفؒ فصاحت کلمہ کی تعریف سے فارغ ہونے کے بعد اب یہاں سے فصاحت کلام کی تعریف کر رہے ہیں، کہ فصاحت کلام یہ ہے کہ کلام میں اجتماع کلمات سے جو تنافر پیدا ہوتا ہے اس سے کلام محفوظ اور خالی ہو اور ضعف تالیف اور تعقید سے بھی خالی ہو اور ساتھ یہ کہ اسکے تمام کلمات مفردہ فصیح بھی ہوں، یعنی فصاحت کلام کیلئے ضروری ہے کہ وہ تنافر کلمات اور ضعف تالیف اور تعقید سے خالی ہو اور چوتھی بات ساتھ یہ بھی ہے کہ اس کلام کے کلمات فصیح بھی ہوں لہذا زَیْدٌ اَجْلَلُ اور شَعْرُهٗ مُسْتَشْزِرٌ اور اَنْفُهٗ مُسَرَّجٌ یہ تینوں کلمے

غیر فصیح ہیں کیونکہ پہلی کلام میں اَجْـلَـلُ اور دوسری کلام میں مُسْتَشْـزِرُ اور تیسری کلام میں مُسَـرَّجُ غیر فصیح کلمے ہیں حالانکہ کلام کے فصیح ہونے کیلئے یہ بھی شرط ہے کہ اسکے تمام کلمات فصیح ہوں۔

فائدہ: مصنفؒ نے جو مُجْتَمِعَةٌ کی قید لگائی ہے اسکا فائدہ یہ ہے کہ کبھی چند فصیح کلمات کے ایک جگہ جمع ہونے کیوجہ سے جو تنافر پیدا ہو جاتا ہے کلام فصیح کا اس سے بھی محفوظ ہونا ضروری ہے۔

قوله فَالتَّنَافُرُ وَصْفٌ فِی الْکَلَامِ یُوْجِبُ ثِقْلَهٗ عَلَی اللِّسَانِ الخ

تنافر کلمات کی تعریف: تنافر کلمات یہ ہے کہ کلام میں چند کلمات اس طرح جمع ہو جائیں کہ انکا تلفظ زبان پر ثقیل ہو جائے اور ان کو زبان سے ادا کرنا دشوار ہو جائے اور پڑھنے میں سلاست باقی نہ رہے، جسطرح چند حروف کے جمع ہونے سے کلمات مفردہ میں تنافر پیدا ہو جاتا ہے اسیطرح چند کلمات کے جمع ہونے سے بھی کلام میں تنافر پیدا ہو جاتا ہے جیسے فِـیْ رَفْـعِ عَرْشِ الشَّرْعِ مِثْلُكَ یَشْرَعُ، یہ ایک الگ مصرعہ ہے اسکا ''لَیْسَ قُرْبَ قَبْرِ حَرْبٍ قَبْرٌ'' کے شعر ہونے میں کوئی تعلق نہیں ہے۔

محل استشھاد: اس مثال میں محل استشھاد رفع، عرش، الشرع اور یشرع ہے، ان میں سے ہر ایک فصیح ہے، لیکن ان کلمات کے جمع ہو جانے کیوجہ سے انتہائی زیادہ ثقل پیدا ہو گیا ہے جسکی وجہ سے زبان پر ادا کرنا دشوار ہو گیا ہے اسلئے یہ کلام درجہ فصاحت سے گر کر کلام غیر فصیح میں داخل ہو گیا ہے۔

قوله وَ لَیْسَ قُرْبَ قَبْرِ الخ یہ ایک مصرعہ ہے پورا شعر یوں ہے۔

وَ قَبْرُ حَرْبٍ بِمَکَانٍ قَفْرٍ ☆ وَ لَیْسَ قُرْبَ قَبْرِ حَرْبٍ قَبْرٌ

بمکان قفر بمعنی وہ جگہ جو پانی اور گھاس سے خالی ہو یعنی چٹیل میدان۔

محل استشھاد: قُرْبَ قَبْرِ حَرْبٍ قَبْرٌ ہے، ان میں سے ہر ایک کلمہ اگرچہ فصیح ہے لیکن ان کلمات کے جمع ہونے کیوجہ سے زبان پر ثقل پیدا ہو گیا ہے اسلئے یہ کلام غیر فصیح بن گئی ہے۔

شان ورود: کتاب ''عجائب المخلوقات'' میں ذکر ہے کہ حرب بن امیہ اور اسکا بھائی مرداس سلمی یہ دونوں جنگ عکاظ سے واپس آ رہے تھے تو انھوں نے ایک سرسبز و شاداب جنگل دیکھا تو حرب بن امیہ نے کہا کیوں نہ ہم ایسا کریں کہ اس جنگل کو جلا دیں اور اس جگہ کھیتی شروع کر دیں تو اسطرح سے زمین ہماری ہو جائے گی چنانچہ حرب بن امیہ نے ایسے ہی کیا جب اس نے جنگل کو جلایا تو حقیقت میں وہ جنات کا مسکن تھا چنانچہ اسی آگ سے جنات کے چھوٹے چھوٹے بچے جل گئے اسی دوران جنگل سے عجیب وغریب آوازیں آنا شروع ہو گئیں چنانچہ جنات کی ایک قسم جسکو ھاتف کہا جاتا ہے انکے سردار نے ایک زبردست چیخ ماری جس سے حرب بن امیہ وہیں مر گیا انہوں نے اسکی قبر اسی جنگل میں بنا دی پھر جنوں کے اس سردار نے یہ شعر پڑھا جسکا مطلب یہ ہے کہ حرب کی قبر ایک ایسے جنگل میں ہے جو پانی اور گھاس سے خالی ہے اور حرب بن امیہ کی قبر کے قریب کوئی قبر نہیں ہے۔

اور جیسے اس شعر میں ثقل پایا جاتا ہے۔

شعر کَرِیمٌ مَتٰی اَمْدَحْہُ اَمْدَحْہُ وَ الْوَرٰی ☆ مَعِیَ وَ اِذَامَا لُمْتُہٗ لُمْتُہٗ وَحْدِیْ

شعر کی تشریح: یہ شعر ابو تمام حبیب بن اوس طائی کا ہے جو انہوں نے ابو الغیث موسیٰ بن ابراہیم رافعی کی تعریف میں اسکا غصہ ٹھنڈا کرنے کیلئے کہا ہے، وَالْوَرٰی میں واوٗ حالیہ ہے اور خود اَلْوَرٰی مبتدا ہے اور مَعِیْ اسکی خبر ہے۔

شعر کا مطلب: مطلب یہ ہے کہ ممدوح ایسا سخی اور کریم ہے کہ جب میں اسکی تعریف کرتا ہوں تو اس حال میں تعریف کرتا ہوں کہ ایک مخلوق میرے ساتھ ہوتی ہے اور جب میں اسکی ملامت کرتا ہوں تو اکیلا ہی ملامت کرتا ہوں، چونکہ ملامت کا کوئی سبب اسمیں موجود نہیں ہے اسلئے میں اکیلا رہ جاتا ہوں اس سلسلہ میں کوئی میرا ساتھ نہیں دیتا۔

محل استشهاد: اس شعر میں مخل فی الفصاحہ اَمْدَحُهُ اَمْدَحُهُ کا تکرار ہے اور ساتھ حاء اور ھاء کا جمع ہونا ہے جسکی وجہ سے ثقل اور بڑھ گیا ہے لہذا اس ثقل کیوجہ سے یہ کلام فصاحت سے گر گیا ہے حاء اور ھاء کا جمع ہونا اگرچہ موجب ثقل ہے لیکن یہ ثقل مخل بالفصاحہ نہیں ہے کیونکہ یہ قرآن پاک فَسَبِّحْهُ میں بھی حاء اور ھاء کا اجتماع ہے۔

اسیطرح اردو کے کلام میں بھی نفس اجتماع کلمات کیوجہ سے ثقل پایا جاتا ہے۔

ے چچا چار کچرے کچے چچا چار کچرے پکے ☆ پکے کچرے کچے چچا کچے کچرے پکے

اس اردو کے شعر میں بھی کلمات کے جمع ہونے کیوجہ سے کلام میں تنافر پایا گیا ہے اگرچہ ہر ایک کلمہ خود فصیح ہے اس ثقل کیوجہ سے کلام فصیح نہیں ہے۔

وَ ضُعْفُ التَّالِيْفِ كَوْنُ الْكَلَامِ غَيْرَ جَارٍ عَلَى الْقَانُوْنِ النَّحْوِيِّ الْمَشْهُوْرِ كَالْاِضْمَارِ قَبْلَ الذِّكْرِ لَفْظًا وَ رُتْبَةً فِيْ قَوْلِهٖ

جَزٰى بَنُوْهُ اَبَا الْغَيْلَانِ عَنْ كِبَرٍ ☆ وَ حُسْنِ فِعْلٍ كَمَا يُجْزٰى سِنِمَّارٌ

ترجمہ: اور ضعف تالیف یہ ہے کہ کلام کا مشہور قانون نحوی کے خلاف استعمال ہونا جیسے اضمار قبل الذکر لانا (یعنی مرجع ذکر کرنے سے پہلے ضمیر لانا) لفظا اور رتبۃً جیسے شاعر کے اس قول میں۔ ابو الغیلان کے بیٹوں نے بدلہ دیا ابو الغیلان کو بڑھاپے میں حسن سلوک کرنے کے باوجود ایسا بدلہ جیسا کہ بدلہ دیا گیا سنمار کو۔

تجزیہ عبارت: مذکورہ بالا عبارت میں صاحب کتاب نے ضعف تالیف کی تعریف بیان کی ہے اور ساتھ اضمار قبل الذکر لفظا اور رتبۃً کی شاعر کے قول سے مثال دی ہے۔

تشریح: قوله وَ ضُعْفُ التَّالِيْفِ كَوْنُ الْكَلَامِ غَيْرَ جَارٍ الخ

ضعف تالیف کی تعریف: ضعف تالیف یہ ہے کہ کلام اس قانون نحوی کے خلاف ہو جو قانون جمہور نحاۃ کے درمیان مشہور ہو مثلا جمہور نحاۃ کا قانون ہے کہ ضمیر سے پہلے مرجع ذکر کرتے ہیں لفظا یا رتبۃً، اگر ضمیر مرجع سے پہلے ہو لفظا یا رتبۃً یہ جمہور کے قانون کے خلاف ہے لہذا ضعف تالیف پر مشتمل ہونے کیوجہ سے ایسی کلام غیر فصیح ہوگی۔

قوله فِيْ قَوْلِهٖ جَزٰى بَنُوْهُ الخ

یہاں مصنفؒ شاعر کے قول سے ضعف تالیف کی مثال پیش کرتے ہیں۔

شعر جَزٰى بَنُوْهُ اَبَا الْغَيْلَانِ عَنْ كِبَرٍ ☆ وَ حُسْنِ فِعْلٍ كَمَا يُجْزٰى سِنِمَّارٌ

شعر کی تشریح: جَزٰى یہ باب ضرب سے ہے بمعنی بدلہ دینا، بَنُوْهُ اصل میں بَنُوْنٌ تھا جب اسکی اضافت ضمیر غائب کیطرف ہوئی تو اضافت کیوجہ سے نون گر گیا تو بَنُوْهُ رہ گیا یہ جَزٰى کا فاعل بن رہا ہے، ابا الغیلان شاعر کی کنیت ہے اور اسی کنیت سے مشہور ہے اور یہ جزیٰ کا مفعول بہ بن رہا ہے، سنمار، معمار کا نام ہے جس نے نعمان اکبر کیلئے خَوَرْنَق نامی محل تیار کیا تھا۔

شعر کا مطلب: مطلب یہ ہے کہ ابو الغیلان کے بیٹوں نے ابو الغیلان کو بدلہ دیا اسکے بوڑھا ہونے کے بعد اور حسن سلوک کے باوجود ایسے بدلہ دیا جیسے کہ قصرِ خورنق کے معمار کو بدلہ دیا گیا تھا۔

محل استشہاد: جَزٰی بَنُوْہُ میں ہٗ ضمیر ابو الغیلان کیطرف لوٹ رہی ہے اور اسمیں ابو الغیلان کے ذکر کرنے سے پہلے ہی بَنُوْہُ میں اسکی ضمیر لے آئے ہیں اور یہ اضمار قبل الذکر لفظا لازم آرہا ہے اور یہ بالاتفاق ممنوع ہے کیونکہ بَنُوْہُ کی ہٗ ضمیر کا مرجع پہلے لفظاً مذکور نہیں ہے اور رتبۃ اضمار قبل الذکر اس وجہ سے ہے کہ بنوہ کی ہٗ ضمیر کا مرجع ابو الغیلان ہے جو مفعول بہ بن رہا ہے اور مفعول بہ کا مرتبہ فاعل کے بعد ہوتا ہے لہذا ابو الغیلان رتبے کے اعتبار سے بھی بعد میں ہے جبکہ اسکی ضمیر کو پہلے ذکر کر دیا گیا ہے اسلئے اضمار قبل الذکر لفظا اور رتبۃً لازم آنے کی وجہ سے یہ شعر فصاحت کے درجہ سے گر کر غیر فصیح کلام میں داخل ہو گیا ہے۔

فائدہ: اضمار قبل الذکر بشرط تفسیر جائز ہے یعنی اگر ضمیر کی تفسیر بعد والے اسم سے ہو رہی ہو تو اس صورت میں اضمار قبل الذکر جائز ہے جیسے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اس آیت میں اگرچہ هُوَ ضمیر کیوجہ سے اضمار قبل الذکر ہے لیکن لفظ اَللّٰهُ اَحَدٌ سے هُوَ ضمیر کی تفسیر ہو رہی ہے تو ایسا اضمار قبل الذکر صحیح ہے۔

سنمار کون تھا: سنمار یہ روم کا رہنے والا تھا اور تعمیر کا کام کرتا تھا اس نے حاکم وقت نعمان اکبر کے لئے ایک محل خورنق نامی کوفہ میں تیار کیا تھا جو بہت ہی عالی شان اور خوبصورت تھا جو نعمان اکبر کو بہت ہی پسند آیا نعمان اکبر نے اس غرض سے اس سنمار کو محل کی چھت سے گرا کر ہلاک کر دیا تا کہ کسی دوسرے شخص کیلئے ایسا محل تیار نہ کرے، چونکہ نعمان اکبر کیطرف سے بہت برا بدلا تھا اس لئے کسی برا بدلا دینے پر یہ واقعہ ضرب المثل بن گیا چنانچہ اہل عرب جب کسی سوءِ مکافات کو دیکھتے تو کہتے جَزَاهُ جَزَاءَ سِنِمَّار۔

وَالتَّعْقِيْدُ اَنْ يَكُوْنَ الْكَلَامُ خَفِيَّ الدَّلَالَةِ عَلَى الْمَعْنَى الْمُرَادِ وَالْخِفَاءُ اِمَّا مِنْ جِهَةِ اللَّفْظِ بِسَبَبِ تَقْدِيْمٍ اَوْ تَاْخِيْرٍ اَوْ فَصْلٍ وَ يُسَمّٰى تَعْقِيْدًا لَفْظِيًّا كَقَوْلِ

الْمُتَنَبِّی،،

جَفَخَتْ وَ هُمْ لَا يَجْفَخُوْنَ بِهَا بِهِمْ ☆ شِيَمٌ عَلَى الْحَسَبِ الْاَغَرِّ دَلَائِلُ

فَاِنَّ تَقْدِيْرَهٗ جَفَخَتْ بِهِمْ شِيَمٌ دَلَائِلُ عَلَى الْحَسَبِ الْاَغَرِّ وَ هُمْ لَا يَجْفَخُوْنَ بِهَا وَ اِمَّا مِنْ جِهَةِ الْمَعْنٰى بِسَبَبِ اِسْتِعْمَالِ مَجَازَاتٍ وَ كِنَايَاتٍ لَا يُفْهَمُ الْمُرَادُ بِهَا وَ يُسَمّٰى تَعْقِيْدًا مَعْنَوِيًّا نَحْوُ قَوْلِكَ نَشَرَ الْمَلِكُ اَلْسِنَتَهٗ فِى الْمَدِيْنَةِ مُرِيْدًا جَوَاسِيْسَهٗ وَالصَّوَابُ نَشَرَ عُيُوْنَهٗ وَ قَوْلِهٖ

سَاَطْلُبُ بُعْدَ الدَّارِ عَنْكُمْ لِتَقْرُبُوْا ☆ وَ تَسْكُبُ عَيْنَایَ الدُّمُوْعَ لِتَجْمُدَا

حَيْثُ كَنّٰى بِالْجُمُوْدِ عَنِ السُّرُوْرِ مَعَ اَنَّ الْجُمُوْدَ يُكْنٰى بِهٖ عَنِ الْبُخْلِ وَقْتَ الْبُكَاءِ

ترجمہ: تعقید یہ ہے کہ کلام معنی مرادی پر خفی الدلالۃ ہو اور یہ خفاء یا تو لفظ کی جہت سے ہوگا مثلاً تقدیم یا تاخیر یا فصل کے سبب سے اور اسکا نام رکھا جاتا ہے تعقید لفظی جیسے متنبّی کا قول ''میرے ممدوح کے اخلاق و عادات نے فخر کیا جو دلائل ہیں انکے اعلیٰ حسب و نسب ہونے پر حالانکہ وہ لوگ خود ان اعلیٰ اخلاق پر فخر نہیں کرتے'' پس بیشک اس شعر کی تقدیر یہ ہے ''جَفَخَتْ بِهِمْ شِيَمٌ دَلَائِلُ عَلَى الْحَسَبِ الْاَغَرِّ وَ هُمْ لَا يَجْفَخُوْنَ بِهَا'' یا خفاء معنوی خلل کے اعتبار سے ہوگا اس سبب سے کہ متکلم نے اپنے کلام میں مجازات اور کنایات کو استعمال کیا ہے جسکی وجہ سے مراد کو سمجھا نہیں جاتا ہے اور اس تعقید کا نام رکھا جاتا ہے تعقید معنوی جیسے تیرا قول'' بادشاہ نے شہر میں اپنی زبانیں پھیلا دی ہیں'' مراد اس سے بادشاہ کے جاسوس ہیں اور اسمیں درست یہ ہے کہ نَشَرَ عُيُوْنَهٗ ہونا چاہئے کیونکہ اسکا اطلاق مجازاً جاسوس پر ہوتا ہے، اور شاعر کا قول'' میں تم سے گھر کی دوری طلب کرونگا تا کہ تم قریب ہو جاؤ، اور میری دونوں آنکھیں آنسو بہائیں گی تا کہ وہ خشک ہو جائیں'' اسنے جمود عین سے خوشی کا کنایہ کیا ہے حالانکہ جمود عین سے رونے کے وقت بخل کرنے کو کنایہ لیا جاتا ہے۔

تجزیہ عبارت: مذکورہ عبارت میں مصنفؒ نے تعقید کی تعریف کرنے کے بعد تعقید کی دو قسمیں تعقید لفظی اور تعقید معنوی کو بیان کیا ہے اور ساتھ مثالوں سے دونوں قسموں کو واضح کیا ہے۔

تشریح: قوله وَ التَّعْقِيْدُ اَنْ يَّكُوْنَ الْكَلَامُ خَفِيُّ الدَّلَالَةِ الخ

تعقید کی تعریف: تعقید کہتے ہیں کہ کلام متکلم کے معنی مرادی پر خفی الدلالۃ ہو یعنی کلام میں ایسا خلل اور پیچیدگی پائی جائے جسکی وجہ سے وہ مقصود متکلم پر ظاہر الدلالۃ نہ ہو۔

قوله وَ الْخِفَآءُ اِمَّا مِنْ جِهَةِ اللَّفْظِ الخ

تعقید لفظی کی تعریف: یہاں سے مصنفؒ تعقید لفظی کو بیان کر رہے ہیں کہ کلام معنی مرادی پر خفی الدلالۃ ہو اور یہ خفاء یا تو لفظی خلل کے لحاظ سے ہوگا مثلاً تقدیم یا تاخیر کے سبب سے کہ ایک لفظ کو اسکے اپنے محل سے مقدم کر دیا یا مؤخر کر دیا جسکی وجہ سے مراد متکلم کو سمجھنا دشوار ہو، یا خفاء دو لفظوں میں فصل کے سبب سے ہو یعنی دو متلازم چیزوں کے درمیان فصل کر دیا جیسے مبتداء اور خبر کے درمیان یا موصوف اور صفت کے درمیان یا بدل اور مبدل منہ کے درمیان فصل کر دیا جسکی وجہ سے مقصود متکلم کو سمجھنا مشکل ہو جیسے ابو الطیب متنبی کے اس شعر میں تعقید لفظی پائی جاتی ہے۔

شعر جَفَخَتْ وَ هُمْ لَا يَجْفَخُوْنَ بِهَا بِهِمْ ☆ شِيَمٌ عَلَى الْحَسَبِ الْاَغَرِّ دَلَائِلٌ

شعر کی تشریح: جَفَخَتْ صیغہ واحد مؤنث غائب ماضی معروف از باب فتح یفتح بمعنی فخر کرنا، لَا يَجْفَخُوْنَ صیغہ جمع مذکر غائب نفی فعل مضارع معروف بمعنی وہ فخر نہیں کرتے، شِيَمٌ

یہ جمع ہے شِیۡمَةٌ کی بمعنی عادت اور خصلت، الاغر بمعنی سفید اور روشن، غَرَّ یَغَرُّ از باب سمع یسمع بمعنی خوبصورت ہونا، سفید ہونا، دَلَائِل یہ دَلَالَةٌ کی جمع ہے بمعنی جس سے رہنمائی حاصل کی جائے یہاں مراد دلیل اور علامت ہے۔

شعر کا مطلب: میرے ممدوح کے اخلاق و عادات نے فخر کیا جو دلائل ہیں انکے اعلی حسب ونسب ہونے پر حالانکہ وہ لوگ انکساری اور تواضع کیطور پر ان اعلی اخلاق پر فخر نہیں کرتے۔

محل استشہاد: اس شعر میں تعقید لفظی اسطرح پائی جاتی ہے کہ جَفَخَتْ فعل ہے اور شِیَمٌ اسکا فاعل ہے تو فعل اور اسکے فاعل کے درمیان وَ هُمْ لَا یَجْفَخُوْنَ بِهَا بِهِمْ کیساتھ فصل لایا گیا ہے، پھر بِهِمْ، جَفَخَتْ کا متعلق ہے اسکو جَفَخَتْ کے متصل لانا چاہئے تھا لیکن اسکو لَا یَجْفَخُوْنَ کے بعد لایا گیا ہے جس سے یہ شبہ پڑتا ہے کہ یہ لَا یَجْفَخُوْنَ کے متعلق ہے، اسی طرح شِیَمٌ موصوف ہے اور اسکی صفت دلائل ہے تو موصوف اور صفت کے درمیان عَلَی الْحَسَبِ الْاَغَرِّ کا فصل لایا گیا ہے، اور یہ خلل الفاظ کی ترتیب میں واقع ہے جسکی وجہ سے مراد متکلم کو سمجھنے میں دشواری پیدا ہوتی ہے لہذا اس شعر میں تعقید کے پائے جانے کیوجہ سے یہ فصاحت کے درجہ سے گر کر کلام غیر فصیح میں داخل ہو گیا ہے اس شعر کی اصل یوں ہے جَفَخَتْ بِهِمْ شِیَمٌ دَلَائِلُ عَلَی الْحَسَبِ الْاَغَرِّ وَ هُمْ لَا یَجْفَخُوْنَ بِهَا۔

<u>قوله وَ اِمَّا مِنْ جِهَةِ الْمَعْنٰی الخ</u>

تعقید معنوی کی تعریف: یہاں سے مصنفؒ تعقید کی دوسری قسم تعقید معنوی کی تعریف کر رہے ہیں کہ کلام معنی مرادی پر ظاہر الدلالۃ نہ ہو اور یہ خفاء معنوی خلل کے اعتبار سے ہو مثلاً متکلم نے اپنے کلام میں ایسے مجازات اور کنایات کو استعمال کیا ہے جسکی وجہ سے متکلم کی مراد سمجھ میں نہیں آتی یعنی متکلم نے جو معنی مجازی مراد لیا ہے اب حقیقی معنی سے مجازی معنی کی طرف

سامع کا ذہن آسانی سے منتقل نہیں ہوتا، یا متکلم نے اپنی کلام میں لوازم بعیدہ کا ذکر کیا ہے جو وسائط کثیرہ کے محتاج ہوں اور مقصود پر دلالت کرنے والے قرینے مخفی ہوں اب انکی وجہ سے معنی میں خلل واقع ہے اس تعقید کو تعقید معنوی کہتے ہیں، جیسے نَشَرَ الْمَلِكُ اَلْسِنَتَهٗ فِی الْمَدِیْنَةِ کہ بادشاہ نے شہر میں اپنی زبانیں پھیلا دی ہیں، مراد اس سے بادشاہ کے جاسوس، سراغ رساں، سی آئی ڈی والے ہیں، کیونکہ جاسوس ترجمان ہوتا ہے اور ترجمانی زبان سے ہوتی ہے اسلئے لسان ہی کو مجازاً جاسوس کہدیا جاتا ہے اسمیں تعقید معنوی پائی جاتی ہے، مصنفؒ کہتے ہیں کہ اس موقع پر یہ جملہ زیادہ مناسب ہے نَشَرَ الْمَلِكُ عُیُوْنَهٗ فِیْ الْمَدِیْنَةِ کیونکہ عین کا اطلاق مجازاً جاسوس پر ہوتا ہے اور جاسوس کو عین اسلئے کہتے ہیں کہ آنکھ ہی کے ذریعے جاسوس تمام حالات معلوم کر لیتا ہے اور اپنے فرائض درحقیقت آنکھ ہی سے انجام دیتا ہے اسلئے مجازاً جاسوس کو عربی میں عین کہتے ہیں تو عین سے جاسوس کا معنی مذکورہ لوازم اور وسائط کے بعد سمجھ میں آیا ہے اسلئے اسمیں تعقید معنوی پائی جاتی ہے بخلاف لسان کے اسکا اطلاق مجازاً جاسوس پر درست نہیں ہے، اسیطرح اس شعر میں بھی تعقید معنوی پائی جاتی ہے۔

شعر سَاَطْلُبُ بُعْدَ الدَّارِ عَنْكُمْ لِتَقْرَبُوْا ☆ وَ تَسْكُبُ عَیْنَایَ الدُّمُوْعَ لِتَجْمُدَا

شعر کی تشریح: یہ شعر عباس بن احنف کا ہے سَاَطْلُبُ صیغہ واحد متکلم مضارع معروف از باب نصر بمعنی میں طلب کرونگا اور چاہونگا اور سَاَطْلُبُ کا سین استقبال کا نہیں ہے بلکہ تاکید کا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے اس قول سَنَكْتُبُ میں سین تاکید کیلئے ہے، لِتَقْرَبُوْا از باب سمع بمعنی تا کہ تم قریب ہو جاؤ، تَسْكُبُ صیغہ واحد مؤنث غائب مضارع معروف از باب نصر بمعنی آنسو بہاتی ہیں عَیْنَایَ اصل میں عَیْنَانِ تھا ضمیر متکلم کیطرف اضافت کیوجہ سے نون گر گیا عَیْنَایَ بن گیا، اَلدُّمُوْعَ یہ جمع ہے دَمْعٌ کی بمعنی آنکھ کا آنسو، لِتَجْمُدَا صیغہ تثنیہ مؤنث غائب امر غائب معروف از باب نصر بمعنی تا کہ وہ دونوں آنکھیں خشک ہو جائیں۔

شعر کا مطلب: شعر کا مطلب یہ ہے کہ میں تم سے دوری چاہونگا تا کہ تم مجھ سے قریب ہو جاؤ اور میری آنکھیں آنسو بہاتی ہیں تا کہ وہ خشک ہو جائیں۔

محل استشھاد: شاعر نے اس شعر میں دو کنائے استعمال کیے ہیں (۱) پہلا کنایہ یہ ہے کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہونا یہ حزن وغم سے کنایہ ہے جو محبوب کے فراق اور جدائی کے وقت مُحب کو ہوتا ہے شاعر کا مقصد آنکھوں سے آنسو جاری ہونے کی خبر دینا نہیں بلکہ اسکے لازم رنج وغم کی خبر دینا مقصود ہے یہ کنایہ بالکل درست ہے اور مشہور ومعروف ہے اس میں کسی طرح کی تعقید اور خلل نہیں ہے۔ (۲) دوسرا کنایہ جمود عین یعنی آنکھوں کا خشک ہونا کنایہ ہے فرحت وسرور کیطرف، یہ کنایہ درست نہیں کیونکہ جمود عین سے فرحت وسرور کیطرف ذہن منتقل نہیں ہوتا بلکہ جمود عین سے بخل دُموع کیطرف ذہن منتقل ہوتا ہے کہ اتنا زیادہ رویا کہ آنسو خشک ہو گئے، اب جمود عین سے فرحت وسرور کا کنایہ کرنا اسمیں تعقید معنوی ہے اور ملزوم جمود عین اور اسکے لازم فرحت وسرور کے درمیان متعدد وسائط ہیں، وہ اسطرح کہ اب شاعر یہ کہنا چاہتا ہے کہ اہل زمانہ کا یہ چلن ہو گیا ہے کہ وہ مطلوب ومقصود کے مخالف سمت چلا کرتے ہیں تا کہ انہیں مطلوب ومقصود حاصل ہو اس لئے میں اب طرز زمانہ پر محبوب کا قرب اور وصل چاہنے کی بجائے اسکا بعد اور فراق چاہونگا تا کہ مجھے اسکا قرب اور وصل حاصل ہو جائے، اور اسیطرح رنج وغم کی دعا کیا کرونگا تا کہ مسرّت اور سرور حاصل ہو جائے کیونکہ ''اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا'' اور ''فَاِنَّ الصَّبْرَ مِفْتَاحُ الْفَرَجِ'' اور ''لِكُلِّ بِدَايَةٍ نِهَايَةٌ'' کے اصول کے تحت میں محبوب کی دوری اور رنج وغم کیلئے دعا مانگتا ہوں تو اس دعا کے خلاف مجھے محبوب کا قرب اور مسرت وخوشی حاصل ہوگی جیسا کہ کسی شاعر نے بھی کہا ہے۔

ـ مانگا کریں گے اب سے دعا ہجرِ یار کی ☆ آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ

اور کسی اور شاعر نے خوب کہا ہے۔

ـ بُعد خانہ کا ہوں طالب تا کہ ہو جاؤں قریب ☆ رو رہا ہوں اسلئے تا کہ شادمانی ہو نصیب

اب مذکورہ کتاب کے شعر میں کتنے واسطوں کے بعد مقصود تک رسائی ہوتی ہے اسلئے یہ شعر فصاحت سے نکل کر تعقید معنوی کے پائے جانے کیوجہ سے غیر فصیح کلام میں داخل ہو گیا ہے۔

تعقید معنوی کی دیگر مثالیں: (۱) فُلَانٌ كَثِيرُ الرَّمَادِ، کہ فلاں آدمی زیادہ راکھ والا ہے یہ کنایہ ہے سخاوت اور مہمان نوازی سے، اب درمیان میں کئی واسطے ہیں اسلئے کہ راکھ اس شخص کی زیادہ ہوگی جسکے چولہے میں لکڑیاں زیادہ جلیں گی، اور لکڑیاں اسوقت زیادہ جلیں گی جب اسکے ہاں کھانا زیادہ پکتا ہوگا، اور کھانا اسوقت زیادہ پکے گا جب اسکے ہاں مہمان زیادہ آتے ہونگے اور مہمان زیادہ اس کے آتے ہونگے جو زیادہ سخی ہوگا اب یہاں کثرت وسائط سے مقصود تک رسائی ہوئی ہے۔ اردو میں تعقید معنوی کی مثالیں یہ ہیں۔

(۲) ۔ مگس کو باغ میں جانے نہ دینا ☆ کہ ناحق خون پروانے کا ہوگا

اب یہاں بھی بہت سارے واسطے ہیں پھر مقصود تک رسائی ہوتی ہے کہ شہد کی مکھیوں کو باغ میں جانے سے روکو، کیونکہ اگر وہ باغ میں جائیں گی تو پھولوں اور پھلوں کا رس چوس کر شہد کا چھتہ بنائیں گی، چھتے سے موم نکلے گا، پھر اس سے موم بتیاں بنائی جائیں گی، پھر جب لوگ موم بتیاں جلائینگے تو پروانہ آگ کا عاشق ہے تو پروانے اس موم بتی پر آکر گرینگے اور مریں گے اور انکا ناحق خون ہوگا، اب اس شعر میں تعقید معنوی پائی گئی ہے کہ مقصود آسانی سے ذہن میں نہیں آتا۔

(۳) ۔ میری لیلیٰ کو کردیا مجنوں ☆ اے سکندر میں تجھ کو کیا کوسوں

اس شعر میں بھی تعقید معنوی پائی جاتی ہے بہت سارے واسطوں سے مقصود تک رسائی ہوتی ہے، اس شعر کا مقصد یہ ہے کہ شاعر کا محبوب اور معشوق آئینہ میں اپنی تصویر دیکھ کر خود اپنا عاشق ہو گیا ہے اور یہ بات مشہور ہے کہ آئینہ کا ایجاد کرنے والا سکندر ہے لہذا شاعر سکندر سے شکوہ کرتا ہے کہ اے سکندر تو نے ایسی چیز کیوں ایجاد کی جس سے یہ مصیبت آئی کہ معشوق خود اپنے اوپر عاشق ہو گیا ہے، سکندر کا آئینہ ایجاد کرنا، معشوق کا آئینہ دیکھنا اور اپنا عاشق ہو جانا یہ چیزیں شعر میں موجود نہیں ہیں اسکی وجہ سے تعقید پائی گئی ہے۔

وَ فَصَاحَةُ الْمُتَكَلِّمِ مَلَكَةٌ يَقْتَدِرُ بِهَا عَلَى التَّعْبِيْرِ عَنِ الْمَقْصُوْدِ بِكَلَامٍ فَصِيْحٍ فِيْ اَيِّ غَرَضٍ كَانَ ۔ وَ الْبَلَاغَةُ فِى اللُّغَةِ اَلْوُصُوْلُ وَ الْاِنْتِهَاءُ يُقَالُ بَلَغَ فُلَانٌ مُرَادَهٗ اِذَا وَصَلَ اِلَيْهِ وَ بَلَغَ الرَّكْبُ الْمَدِيْنَةَ اِذَا انْتَهٰى اِلَيْهَا وَ تَقَعُ فِى الْاِصْطِلَاحِ وَصْفًا لِلْكَلَامِ وَ الْمُتَكَلِّمِ

ترجمہ: فصاحت متکلم ایک ایسا ملکہ ہے جسکی وجہ سے متکلم مقصود کو فصیح کلام کے ذریعے تعبیر کرنے پر قادر ہوتا ہے خواہ وہ جس غرض میں بھی ہو۔ بلاغت کے معنی لغت میں وصول اور انتہاء کے آتے ہیں جیسے بَلَغَ فُلَانٌ مُرَادَهٗ کہ فلاں شخص اپنی مراد کو پہنچ گیا جب وہ اس تک پہنچ جائے، اور "بَلَغَ الرَّكْبُ الْمَدِيْنَةَ" کہ قافلہ شہر پہنچ گیا کہ جب شہر پہنچ جائے اور اصطلاح میں بلاغت کلام اور متکلم کی صفت واقع ہوتی ہے۔

تجزیہ عبارت: مذکورہ عبارت میں صاحب کتاب نے فصاحت متکلم کی تعریف کرنے کے بعد بلاغت کا لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کیا ہے۔

تشریح: قوله وَ فَصَاحَةُ الْمُتَكَلِّمِ مَلَكَةٌ الخ

فصاحت متکلم کی تعریف: فصاحت متکلم ایسا ملکہ اور استعداد ہے جسکے ذریعے متکلم کلام فصیح کیساتھ مقصود کو ادا کرنے پر قادر ہو خواہ وہ کلام جس غرض اور مقصد میں ہو، چاہے مدح ہو یا ذم یا کسی اور قبیل سے ہو۔

فوائد قیود: مصنفؒ نے فصاحت متکلم کی تعریف میں مَلَكَةٌ کہا تو ملکہ سے مراد ایسی کیفیت اور قوت ہے جو نفس میں راسخ ہو جسکی وجہ سے اپنے مافی الضمیر کا اظہار کلام فصیح کیساتھ جسطرح ادا کرنا چاہے کر سکے، چاہے وہ کسی کی مدح کرنا چاہتا ہو یا کسی کی مذمت، چاہے خوشی کی

حالت ہو یا رنج وتکلیف کی، ہر حال میں اپنے مقصود کا اظہار کلام فصیح کے ساتھ کر سکے، تو ملکہ سے وہ متکلم نکل گیا جسمیں کیفیت راسخہ نہ ہو بلکہ اتفاقاً کبھی اپنے مقصود کو کلام فصیح کے ساتھ ادا کرے تو وہ متکلم فصیح نہ ہوگا، مصنفؒ نے "یَقْتَدِرُ بِهَا عَلَى التَّعْبِيْرِ" کہہ کر اس بات کیطرف اشارہ کیا ہے کہ فصیح ہونے کیلئے ضروری ہے کہ اپنے مقصود کو کلام فصیح کیساتھ ادا کرنے پر قادر ہو اگرچہ بالفعل کلام فصیح نہ بول رہا ہو۔

مصنفؒ کا قول "بِكَلَامٍ فَصِيْحٍ" میں متکلم فصیح کیلئے ضروری ہے کہ لفظ فصیح کے ادا کرنے پر قادر ہو لیکن بکلام فصیح کی بجائے "بِلَفْظٍ فَصِيْحٍ" زیادہ بہتر ہے جیسا کہ صاحب تلخیص المفتاح نے کہا ہے تاکہ مفرد اور مرکب سب کو شامل ہو جائے، جب مصنفؒ نے "فِيْ اَيِّ غَرْضٍ كَانَ" کہا تو اس قید سے وہ متکلم خارج ہو گیا جو مخصوص مضامین میں کلام فصیح کیساتھ مقصود ادا کر سکتا ہو اور دیگر مضامین کو کلام فصیح کیساتھ ادا کرنے پر قادر نہ ہو، بلکہ متکلم فصیح وہ ہوگا جو ہر قسم کے مضامین کو کلام فصیح کیساتھ ادا کر سکتا ہو۔

<u>قوله وَ الْبَلَاغَةُ فِي اللُّغَةِ الْوُصُوْلُ الخ</u>

بلاغت کی لغوی تعریف: مصنفؒ فصاحت کی تعریف اور قسموں سے فارغ ہونے کے بعد اب یہاں سے بلاغت کی تعریف اور قسمیں بیان کرتے ہیں۔ بلاغت کا لغوی معنی وصول اور انتہا کے ہیں جیسے محاورہ میں کہا جاتا ہے بَلَغَ فُلَانٌ مُرَادَهٗ کہ فلاں آدمی اپنی مراد کو پہنچ گیا اور محاورہ میں کہا جاتا ہے بَلَغَ الرَّكْبُ الْمَدِيْنَةَ کہ قافلہ شہر تک پہنچ گیا۔

بلاغت کی اصطلاحی تعریف: اصطلاحاً بلاغت کیساتھ صرف کلام اور متکلم ہی متصف ہوتے ہیں جیسے هٰذَا كَلَامٌ بَلِيْغٌ کلمہ بلاغت کیساتھ متصف تو نہیں ہوتا یوں نہیں کہا جا سکتا هٰذِهٖ كَلِمَةٌ بَلِيْغَةٌ کیونکہ یہ اہل عرب سے مسموع نہیں ہے۔

فَبَلَاغَةُ الْكَلَامِ مُطَابَقَتُهٗ لِمُقْتَضَى الْحَالِ مَعَ فَصَاحَتِهٖ وَ الْحَالُ وَيُسَمّٰى

بِالْمَقَامِ هُوَ الْاَمْرُ الْحَامِلُ لِلْمُتَكَلِّمِ عَلٰى اَنْ يُّوْرِدَ عِبَارَتَهٗ عَلٰى صُوْرَةٍ مَخْصُوْصَةٍ وَالْمُقْتَضٰى وَيُسَمَّى الْاِعْتِبَارَ الْمُنَاسِبَ هُوَ الصُّوْرَةُ الْمَخْصُوْصَةُ الَّتِىْ تُوْرَدُ عَلَيْهَا الْعِبَارَةُ مَثَلًا اَلْمَدْحُ حَالٌ يَدْعُوْ لِاِيْرَادِ الْعِبَارَةِ عَلٰى صُوْرَةِ الْاِطْنَابِ وَ ذَكَاءُ الْمُخَاطَبِ حَالٌ يَدْعُوْ لِاِيْرَادِهَا عَلٰى صُوْرَةِ الْاِيْجَازِ فَكُلٌّ مِّنَ الْمَدْحِ وَ الذَّكَاءِ حَالٌ وَ كُلٌّ مِّنَ الْاِطْنَابِ وَ الْاِيْجَازِ مُقْتَضٰى وَ اِيْرَادُ الْكَلَامِ عَلٰى صُوْرَةِ الْاِطْنَابِ وَ الْاِيْجَازِ مُطَابَقَةٌ لِلْمُقْتَضٰى وَ بَلَاغَةُ الْمُتَكَلِّمِ مَلَكَةٌ يَقْتَدِرُ بِهَا عَلَى التَّعْبِيْرِ عَنِ الْمَقْصُوْدِ بِكَلَامٍ بَلِيْغٍ فِىْ اَىِّ غَرَضٍ كَانَ.

ترجمہ: پس بلاغت کلام یہ ہے کہ کلام کا مقتضائے حال کے مطابق ہونا اسکے فصیح ہونے کے ساتھ ساتھ، اور حال جسکا نام مقام بھی رکھا جاتا ہے وہ ایسا امر ہے جو متکلم کو اس بات پر برانگیختہ کرتا ہے کہ وہ اپنی عبارت ایک مخصوص صورت پر لائے اور مقتضی جسکا نام اعتبار مناسب بھی رکھا جاتا ہے وہی صورت مخصوصہ ہے جس پر عبارت لائی جاتی ہے مثلاً مدح ایک حال ہے جو تقاضا کرتا ہے کہ عبارت کو اطناب کی صورت پر لایا جائے اور مخاطب کا ذہین ہونا یہ ایک حال ہے جو چاہتا ہے کہ عبارت اختصار کی صورت میں لائی جائے،

پس مدح اور ذکاوت میں سے ہر ایک حال ہے اور اطناب اور ایجاز میں سے ہر ایک مقتضی ہے اور کلام کا اطناب اور اختصار کی صورت میں لانا مقتضائے حال کی مطابقت ہے، اور بلاغت متکلم ایک ایسا ملکہ ہے جسکی وجہ سے متکلم اپنے مقصود کو جس غرض میں چاہے کلام بلیغ کے ساتھ ادا کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔

تجزیہ عبارت: مذکورہ عبارت میں مصنفؒ نے بلاغت کلام کی تعریف کرنے کے بعد حال اور مقتضائے حال کی مثال کے ساتھ وضاحت کی ہے اور ساتھ بلاغت متکلم کی

تعریف بیان کی ہے۔

تشریح: قولہ فَبَلَاغَةُ الْكَلَامِ مُطَابَقَتُهُ لِمُقْتَضَى الْحَالِ الخ

بلاغت کلام کی تعریف: مصنفؒ بلاغت کی لغوی تعریف کرنے کے بعد اب یہاں سے بلاغت کلام کی اصطلاحی تعریف کرر ہے ہیں، کہ بلاغت کلام یہ ہے کہ کلام مقتضائے حال کے مطابق ہو اور ساتھ ساتھ کلام فصیح بھی ہو، یعنی بلاغت کلام کے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے ایک کلام کا مقتضائے حال کے مطابق ہونا دوسرا کلام کا فصیح کلمات سے مرکب ہونا، لہذا کلام بلیغ کیلئے ضروری ہے کہ کلمہ میں تنافر حروف اور مخالفت قیاس اور غرابت نہ ہو اور کلام میں تنافر کلمات اور ضعف تالیف اور تعقید نہ ہو، ان چھ چیزوں سے کلام اگر خالی ہوگا تو کلام فصیح ہوگا پھر وہ کلام اگر مقتضائے حال کے مطابق ہوگا تو کلام بلیغ ہوگا۔

قولہ وَالْحَالُ وَيُسَمَّى بِالْمَقَامِ الخ

حال کی تعریف: بلاغت کلام کی تعریف جن چیزوں پر مشتمل ہے (۱) حال (۲) مقتضائے حال (۳) مطابقت مقتضائے حال،

حال جسکا نام مقام بھی ہے وہ ایسا امر ہے جو متکلم کو اس بات پر ابھارتا ہے کہ وہ اپنے اس کلام میں جسکے ذریعے وہ اصل مراد ادا کرنا چاہتا ہے کسی بھی خصوصیت اور نکتہ کا اعتبار کرے، مثلاً مخاطب کا قیام زید سے منکر ہونا یہ انکار نفس الامر میں اس بات کا داعی ہے کہ متکلم اپنی کلام میں جس کے ذریعے اپنی مراد ادا کرنا چاہتا ہے تاکید لائے تاکہ مخاطب کا انکار ختم ہو جائے لہذا انکار مخاطب یہ حال ہے۔

قولہ وَالْمُقْتَضٰى وَيُسَمَّى الْاِعْتِبَارَ الْمُنَاسَبَ الخ

مقتضائے حال اور مطابقتِ مقتضائے حال کی تعریف:

مقتضائے حال جسکا نام اعتبار مناسب بھی ہے وہی صورت مخصوصہ ہے جس پر متکلم کی عبارت لائی جاتی ہے یعنی مخاطب کا قیامِ زید سے انکار کرنا یہ حال ہے یہ خصوصیت کا تقاضا کرتا ہے کہ کلام میں تاکید کا اعتبار کیا جائے لہذا تاکید کا اعتبار کرنا مقتضی حال ہے اور مخاطب جو قیام زید کا منکر ہے اس کے سامنے کلام کو مؤکد لانا یہ مطابقت مقتضی الحال ہے مثال کے طور پر عمرو، قیام زید کا منکر ہے یہ منکر ہونا حال ہے یہ تاکید کو چاہتا ہے تاکید کو چاہنا یہ مقتضی حال ہے پھر عمرو کے سامنے جو قیام زید کا منکر تھا کلام مؤکد لائیں اور یوں کہیں اِنَّ زَیْدًا قَائِمٌ تو عمرو کے سامنے کلام مؤکد لانا یہ مطابق مقتضائے حال ہے۔

قولہ مثلاً اَلْمَدْحُ حَالٌ یَدْعُوْ لِاِیْرَادِ الْعِبَارَةِ الخ

حال اور مقتضائے حال اور مطابقتِ مقتضائے حال کی مثال سے وضاحت:

یہاں سے مصنفؒ حال اور مقتضائے حال اور مطابقت مقتضائے حال کی مثال سے وضاحت فرما رہے ہیں مثلاً مقام مدح حال ہے اور یہ چاہتا ہے اطناب کو تو یہ مقتضائے حال ہے، کیونکہ جب کسی کی تعریف کی جاتی ہے تو عام طور پر غلو کیا جاتا ہے جسکی وجہ سے کلام لمبا ہو جاتا ہے، اور کلام کو بصورت اطناب لانا یہ مطابقت مقتضائے حال ہے اسی طرح مخاطب کی ذکاوت اور ذہانت ایک حال ہے اور یہ چاہتا ہے ایجاز اور اختصار کو، کیونکہ مخاطب جب ذہین ہو تو مختصر کلام سے بھی سمجھ جاتا ہے، یہ اختصار اور ایجاز کا تقاضا کرنا مقتضائے حال ہے اور کلام کا ذکی مخاطب کے سامنے اختصار کے ساتھ لانا یہ مطابقت مقتضائے حال ہے۔

قولہ وَبَلَاغَةُ الْمُتَكَلِّمِ مَلَكَةٌ الخ

بلاغتِ متکلم کی تعریف: بلاغت ایک ایسا ملکہ اور مہارت ہے جسکے ذریعے متکلم کلام بلیغ کے ساتھ اپنے مقصود کو بیان کرنے پر قادر ہو خواہ کلام کسی بھی غرض میں کیوں نہ ہو، چاہے مدح ہو یا ذم یا کسی اور قبیل سے ہو، یعنی متکلم بلیغ وہ ہے کہ جسکو ایسا ملکہ اور مہارت حاصل ہو کہ وہ جس غرض میں بھی کلام کرنا چاہے تو وہ کر سکے، اگر کسی متکلم نے اتفاقاً بغیر ملکہ اور مہارت کے بلیغ کلام کی ہو تو وہ متکلم بلیغ نہ ہوگا۔

فائدہ: متکلم فصیح اور بلیغ کے درمیان نسبت عموم خصوص مطلق کی ہے بلیغ خاص مطلق ہے اور فصیح عام مطلق ہے، لہذا ہر بلیغ کیلئے فصیح ہونا ضروری ہے جیسے ہر انسان کیلئے حیوان کا ہونا ضروری ہے اور ہر فصیح کا بلیغ ہونا ضروری نہیں جیسے ہر حیوان کا انسان ہونا ضروری نہیں جیسے بقر و غنم وحمار، حیوان تو ہیں لیکن انسان نہیں، اسی طرح ہر فصیح کیلئے بلیغ ہونا ضروری نہیں، ہوسکتا ہے کہ متکلم اپنے مقصود کو کلام فصیح سے تعبیر کرنے کی قدرت تو رکھتا ہو لیکن مقتضی حال کے مطابق کلام لانے کی قدرت نہ رکھتا ہو۔

وَ يُعْرَفُ التَّنَافُرُ بِالذَّوْقِ وَ مُخَالَفَةُ الْقِيَاسِ بِالصَّرْفِ وَ ضُعْفُ التَّأْلِيْفِ وَ التَّعْقِيْدُ اللَّفْظِيُّ بِالنَّحْوِ وَ الْغَرَابَةُ بِكَثْرَةِ الْإِطِّلَاعِ عَلٰى كَلَامِ الْعَرَبِ وَ التَّعْقِيْدُ الْمَعْنَوِيُّ بِالْبَيَانِ وَ الْاَحْوَالُ وَ مُقْتَضَيَاتُهَا بِالْمَعَانِيْ فَوَجَبَ عَلٰى طَالِبِ الْبَلَاغَةِ مَعْرِفَةُ اللُّغَةِ وَ الصَّرْفِ وَ النَّحْوِ وَ الْمَعَانِيْ وَ الْبَيَانِ مَعَ كَوْنِهٖ سَلِيْمَ الذَّوْقِ كَثِيْرَ الْاِطِّلَاعِ عَلٰى كَلَامِ الْعَرَبِ۔

ترجمہ: اور تنافر پہچانا جاتا ہے ذوق کے ذریعہ اور مخالفۃ قیاس علم صرف کے ذریعہ اور ضعف تالیف اور تعقید لفظی علم نحو کے ذریعہ اور غرابت پہچانی جاتی ہے کلام عرب پر کثرت اطلاع ہونے سے اور تعقید معنوی علم بیان کے ذریعہ اور احوال اور احوال کے مقتضیات علم معانی کے

ذریعہ پہچانے جاتے ہیں، پس علم معانی کے طالب پر واجب ہے کہ وہ لغت، صرف، نحو، معانی اور بیان کو پہچانے اور ساتھ ہی وہ شخص ذوق سلیم بھی رکھتا ہو اور کلام عرب پر اسکی معلومات کثیر ہوں۔

تجزیہ عبارت: مذکورہ عبارت میں مصنفؒ نے ان اسباب کو ذکر کیا ہے جو فصاحت کیلئے مضر ہیں اور ان اسباب کو پہچاننے کیلئے جن علوم کی ضرورت پڑتی ہے انکو سیکھنا ضروری ہے اور اسکو واضح کیا ہے کہ علم بلاغت کے حصول کیلئے مذکورہ علوم کی معرفت ضروری ہے۔

تشریح: قوله وَ يُعْرَفُ التَّنَافُرُ بِالذَّوْقِ الخ

مخل بالفصاحۃ اشیاء کی پہچان کا طریقہ

وہ اسباب جو فصاحت کیلئے مخل اور مضر ہیں وہ یہ ہیں (۱) تنافر حروف. یہ ذوق سلیم کے ذریعے پہچانا جاتا ہے، ذوق سلیم ایک ایسی قوت اور ملکہ ہے جسکے ذریعے انسان کلام کے لطائف اور کلام کی خوبیوں اور کلام کے نقائص کا ادراک کر لیتا ہے (۲) مخالفۃ القیاس. یہ علم صرف کے ذریعے پہچانی جاتی ہے کہ فلاں کلمہ علم صرف کے کونسے قانون کے خلاف ہے (۳) ضعف تالیف اور تعقید لفظی کی پہچان علم نحو کے ذریعے حاصل ہوتی ہے کہ یہ کلام علم نحو کے فلاں قانون کے خلاف ہے۔

(۴) غرابت کی پہچان کلام عرب پر کثرت کیساتھ اطلاع حاصل ہونے سے ہوتی ہے کہ لغت عرب پر اسکو خوب مہارت حاصل ہو تا کہ مانوسۃ الاستعمال اور غیر مانوسۃ الاستعمال کلمات میں فرق کر سکے۔ (۵) تعقید معنوی کی پہچان علم بیان کے ذریعے ہوتی ہے کیونکہ علم بیان کے ذریعے سے فرق معلوم کیا جائے گا کہ کونسی کلام تعقید معنوی سے خالی ہے اور کونسی کلام تعقید معنوی پر مشتمل ہے۔

(۶) احوال اور احوال کے مقتضیات کی معرفت علم معانی کے ذریعے حاصل ہوتی ہے کہ لفظ عربی کے احوال پہچان کر لفظ کو مقتضائے حال کے مطابق کیا جائے گا۔

قوله فَوَجَبَ عَلٰى طَالِبِ الْبَلَاغَةِ الخ

طالب بلاغت کے لئے ضروری علوم

یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں جو فن بلاغت کا طالب اور متعلم ہے اسپر واجب اور ضروری ہے کہ وہ لغت، صرف، نحو، علم معانی اور علم بیان کو جانے اور ساتھ ساتھ وہ شخص ذوق سلیم اور کلام عرب پر واقفیت بھی رکھتا ہو جب ان مذکورہ علوم کا حامل ہوگا تو پھر علم بلاغت کو صحیح طریقہ سے حاصل کر سکے گا۔

اعتراض: یہاں پر اعتراض ہوتا ہے کہ مصنفؒ نے علم معانی اور علم بیان کو تو ذکر کیا ہے علم بدیع کا ذکر کیوں نہیں کیا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علم بدیع کی ضرورت نہیں ہے حالانکہ کلام کو خوبصورت بنانے اور مزین و آراستہ کرنے کے طریقے علم بدیع ہی سے معلوم ہوتے ہیں۔

جواب: (۱) بہت سے علماء بلاغت، علم بیان اور علم بدیع کو علم بیان کہتے ہیں اور علم معانی کو علم معانی ہی کہتے ہیں لہذا علم بیان کے ضمن میں علم بدیع داخل ہے اسلئے مصنفؒ نے اختصار کی غرض سے علم معانی اور علم بیان کا ذکر کر دیا اور علم بدیع کو ذکر نہیں کیا۔

جواب: (۲) یہ ہے کہ علم بدیع کے تمام قواعد علم معانی اور علم بیان پر موقوف ہیں لہذا علم معانی اور علم بیان بمنزلہ موقوف علیہ کے ہے اور علم بدیع بمنزلہ موقوف کے تو مصنفؒ نے موقوف علیہ کو ذکر کر دیا اور موقوف کو امر مستحسن اور غیر ضروری سمجھ کر حذف کر دیا۔

تم بحث المقدمۃ بحمد اللہ تعالیٰ

محمد اصغر علی فاضل دار العلوم فیصل آباد، فاضل عربی

استاذ جامعہ اسلامیہ عربیہ مدنی ٹاؤن ورحمانیہ چوک غلام محمد آباد فیصل آباد

علم المعانی

هُوَ عِلْمٌ يُعْرَفُ بِهٖ اَحْوَالُ اللَّفْظِ الْعَرَبِيِّ الَّتِىْ بِهَا يُطَابِقُ مُقْتَضَى الْحَالِ فَتَخْتَلِفُ صُوَرُ الْكَلَامِ لِاِخْتِلَافِ الْاَحْوَالِ مِثَالُ ذَالِكَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى "وَاِنَّا لَا نَدْرِىْ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِى الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا" فَاِنَّ مَاقَبْلَ اَمْ صُوْرَةٌ مِّنَ الْكَلَامِ تُخَالِفُ صُوْرَةَ مَابَعْدَهَا لِاَنَّ الْاُوْلٰى فِيْهَا فِعْلُ الْاِرَادَةِ مَبْنِىٌّ لِلْمَجْهُوْلِ، وَ الثَّانِيَةَ فِيْهَا فِعْلُ الْاِرَادَةِ مَبْنِىٌّ لِلْمَعْلُوْمِ وَالْحَالُ الدَّاعِىْ لِذَالِكَ نِسْبَةُ الْخَيْرِ اِلَيْهِ سُبْحَانَهٗ فِى الثَّانِيَةِ وَ مَنْعُ نِسْبَةِ الشَّرِّ اِلَيْهِ فِى الْاُوْلٰى وَ يَنْحَصِرُ الْكَلَامُ عَلٰى هٰذَا الْعِلْمِ فِىْ ثَمَانِيَةِ اَبْوَابٍ وَ خَاتِمَةٍ

ترجمہ: علم معانی

علم معانی وہ علم ہے جسکی وجہ سے لفظ عربی کے وہ احوال پہچانے جاتے ہیں جنکی وجہ سے لفظ مقتضی حال کے مطابق ہوتا ہے پس کلام کی صورتیں مختلف ہوتی ہیں احوال کے مختلف ہونے کی وجہ سے، مثال اسکی اللہ تعالی کے قول "اور بیشک ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ شر کا ارادہ کیا گیا ہے یا انکے ساتھ انکے رب نے ہدایت دینے کا ارادہ کیا ہے" اس آیت مبارکہ میں اَمْ سے پہلے جو کلام کی صورت ہے وہ اَمْ کے بعد کی صورت کے بالکل مختلف ہے اسلئے کہ پہلی صورت میں فعل ارادہ فعل مجہول ہے اور دوسری صورت میں فعل ارادہ فعل معروف ہے، اور وہ حال جو اس اختلاف پر داعی ہے وہ دوسرے جملہ میں خیر کی نسبت اللہ تعالی کی طرف کرنا ہے اور پہلے جملہ میں شر کی نسبت کو اللہ تعالی کیطرف سے روکنا ہے اور منحصر ہوتا ہے کلام اس علم پر آٹھ بابوں اور ایک خاتمہ میں۔

تجزیہ عبارت: صاحب کتاب نے مذکورہ عبارت میں علم معانی کی تعریف کرنے کے بعد اس بات کو مثال کیساتھ واضح کیا ہے کہ کلام کی صورتیں احوال کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف ہوتی ہیں اور ساتھ اس بات کو بیان کیا ہے کہ علم معانی آٹھ بابوں اور ایک خاتمہ پر منحصر ہے۔

تشریح: قوله عِلْمُ الْمَعَانِیْ هُوَ عِلْمٌ یُعْرَفُ بِهٖ الخ

علم معانی کی تعریف: مصنفؒ مقدمہ سے فارغ ہونے کے بعد اب یہاں سے فن اول علم معانی کو بیان فرمار ہے ہیں سب سے پہلے علم معانی کی تعریف کرر ہے ہیں، کہ علم معانی وہ علم ہے جسکی وجہ سے لفظِ عربی کے وہ احوال جانے اور پہچانے جاتے ہیں جنکی وجہ سے لفظ عربی مقتضائے حال کے مطابق ہوتا ہے۔

فوائد قیود: مصنفؒ کے قول هُوَ عِلْمٌ سے مراد وہ ملکہ اور کیفیت راسخہ ہے جسکی وجہ سے انسان ادراکات جزئیہ پر قادر ہوتا ہے اور مصنفؒ نے اَحْوَالُ اللَّفْظِ الْعَرَبِیِّ اسلئے کہا کیونکہ یہ فن لفظِ عربی کے احوال کو پہچاننے کیلئے وضع کیا گیا ہے اور جب مصنفؒ نے اَلَّتِیْ بِهَا یُطَابِقُ مُقْتَضَی الْحَالِ کہا تو اس سے علم بیان نکل گیا کیونکہ علم بیان میں تشبیہ، مجاز اور کنایہ سے بحث کی جاتی ہے اس حیثیت سے بحث نہیں کی جاتی کہ لفظ مقتضی الحال کے مطابق ہو جائے اور اس سے محسّنات بدیعہ یعنی تجنیس اور ترصیع بھی علم معانی کی تعریف سے خارج ہوگئیں کیونکہ محسّنات بدیعہ کا اعتبار مطابقت مقتضی الحال کی رعایت کے بعد ہوتا ہے۔

اعتراض: جب فن بلاغت تین علوم پر مشتمل ہے (۱) علم معانی (۲) علم بیان (۳) علم بدیع تو مصنفؒ نے علم معانی کو علم بیان پر مقدم کیوں کیا مقدم کرنے کی وجہ کیا ہے؟

جواب: علم معانی کو علم بیان پر اسلئے مقدم کیا کہ علم معانی بمنزلہ مفرد کے ہے اور علم بیان بمنزلہ مرکب کے، تو مفرد مقدم ہوتا ہے مرکب پر اسلئے مصنفؒ نے علم معانی کو علم بیان پر مقدم کر دیا۔

قولہ فَتَخْتَلِفُ صُوَرُ الْكَلَامِ لِاخْتِلَافِ الْاَحْوَالِ الخ

کلام کی مختلف صورتیں باعتبار احوال کے

یہاں سے مصنفؒ اس مسئلہ کو بیان کر رہے ہیں کہ کلام کی تمام صورتیں احوال کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف ہونگی مثلاً اگر مخاطب خالی الذہن ہے تو اسکے لئے کلام بغیر تاکید کے زَیْدٌ قَائِمٌ کہا جائے گا، اگر مخاطب متردد ہے تو اسکے لئے کلام کی صورت پہلی سے مختلف ہوگی ایک تاکید کے ساتھ اِنَّ زَیْدًا قَائِمٌ کہا جائے گا اور اگر مخاطب منکر ہو تو اسکے لئے کلام کی صورت اور مختلف ہو جائے گی اور دو تاکیدوں کیساتھ اِنَّ زَیْدًا لَقَائِمٌ کہا جائے گا مصنفؒ نے اسکی مثال قرآن پاک سے دی ہے "وَ اِنَّا لَا نَدْرِیْ اَ شَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِھِمْ رَبُّھُمْ رَشَدًا" اس آیت مبارکہ میں اَمْ سے پہلے جو کلام کی صورت ہے وہ اَمْ کے بعد کی صورت کے بالکل مختلف ہے اسلئے کہ یہاں فعل ارادہ دو جگہ استعمال ہوا ہے، پہلی صورت میں بصیغہ مجہول اُرِیْدَ اور دوسری صورت میں بصیغہ معروف اَرَادَ استعمال ہوا ہے پہلی صورت میں حال اس امر کا داعی تھا کہ فعل ارادہ کو بصیغہ مجہول لایا جائے تا کہ شر کی نسبت اللہ تعالیٰ کیطرف کرنے سے بے ادبی نہ ہو اور دوسری صورت میں حال اس امر کا داعی تھا کہ فعل ارادہ کو بصیغہ معروف لایا جائے تا کہ خیر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو جسمیں رعایت ادب ہے، ان امور کی رعایت سوائے علم معانی کے کسی اور علم سے نہیں ہوسکتی۔

قولہ وَ یَنْحَصِرُ الْكَلَامُ عَلٰی ھٰذَا الْعِلْمِ الخ

محتویاتِ علم المعانی

یہاں سے مصنفؒ علم معانی کے مضامین کی ترتیب بتا رہے ہیں کہ علم معانی آٹھ ابواب

اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے جنکی ترتیب یوں ہے (۱) پہلا باب خبر اور انشاء کے بیان میں (۲) دوسرا باب ذکر اور حذف کے بیان میں (۳) تیسرا باب تقدیم اور تاخیر کے بیان میں (۴) چوتھا باب اسم معرفہ اور اسم نکرہ لانے کے بیان میں (۵) پانچواں باب اطلاق اور تقیید کے بیان میں (۶) چھٹا باب قصر کے بیان میں (۷) ساتواں باب وصل اور فصل کے بیان میں (۸) آٹھواں باب ایجاز، اطناب اور مساوات کے بیان میں، اور علم معانی کے آخر میں ایک خاتمہ کا ذکر ہے۔

اَلْبَابُ الْاَوَّلُ فِی الْخَبَرِ وَ الْاِنْشَآءِ

كُلُّ كَلَامٍ فَهُوَ اِمَّا خَبَرٌ اَوْ اِنْشَاءٌ وَ الْخَبَرُ مَا يَصِحُّ اَنْ يُّقَالَ لِقَائِلِهٖ اِنَّهٗ صَادِقٌ فِيْهِ اَوْ كَاذِبٌ كَسَافَرَ مُحَمَّدٌ وَ عَلِيٌّ مُقِيْمٌ وَ الْاِنْشَاءُ مَا لَا يَصِحُّ اَنْ يُّقَالَ لِقَائِلِ ذٰلِكَ كَسَافِرْ يَا مُحَمَّدُ وَ اَقِمْ يَا عَلِيُّ وَ الْمُرَادُ بِصِدْقِ الْخَبَرِ مُطَابَقَتُهٗ لِلْوَاقِعِ وَ بِكِذْبِهٖ عَدَمُ مُطَابَقَتِهٖ لَهٗ فَجُمْلَةُ عَلِيٌّ مُقِيْمٌ اِنْ كَانَتِ النِّسْبَةُ الْمَفْهُوْمَةُ مِنْهَا مُطَابِقَةً لِمَا فِي الْخَارِجِ فَصِدْقٌ وَ اِلَّا فَكِذْبٌ وَ لِكُلِّ جُمْلَةٍ رُكْنَانِ مَحْكُوْمٌ عَلَيْهِ وَ مَحْكُوْمٌ بِهٖ وَ يُسَمَّى الْاَوَّلُ مُسْنَدًا اِلَيْهِ كَالْفَاعِلِ وَ نَائِبِهٖ وَ الْمُبْتَدَاءِ الَّذِيْ لَهٗ خَبَرٌ وَ يُسَمَّى الثَّانِيْ مُسْنَدًا كَالْفِعْلِ وَ الْمُبْتَدَآءِ الْمُكْتَفِيْ بِمَرْفُوْعِهٖ

ترجمہ: پہلا باب خبر اور انشاء کے بیان میں

ہر کلام خبر ہوگا یا انشاء اور خبر وہ کلام ہے جس کے کہنے والے کو یہ کہنا صحیح ہو کہ وہ اس کلام میں سچا ہے یا جھوٹا ہے جیسے محمد نے سفر کیا اور علی مقیم ہے۔ اور انشاء وہ کلام ہے جسکے کہنے والے کو یہ کہنا صحیح نہ ہو یعنی سچا ہے یا جھوٹا جیسے اے محمد تو سفر کر، اور اے علی تو قیام کر اور صدق خبر سے مراد یہ ہے کہ وہ خبر واقع کے مطابق ہو اور کذب خبر سے مراد یہ ہے کہ وہ واقع کے مطابق نہ ہو تو جملہ عَلِيٌّ مُقِيْمٌ سے جو نسبت مفہوم ہوتی ہے اگر وہ خارج کے مطابق ہو تو صادق ورنہ کاذب، اور جملہ کے دو رکن ہوتے ہیں محکوم علیہ اور محکوم بہ اور پہلے کا نام رکھا جاتا ہے مسند الیہ جیسے فاعل اور نائب فاعل اور

وہ مبتدا جسکی کوئی خبر ہو اور دوسرے کا نام رکھا جاتا ہے مسند جیسے فعل اور وہ مبتدا جو اپنے مرفوع پر اکتفا کرنے والا ہو۔

تجزیہ عبارت: مذکورہ عبارت میں مصنفؒ خبر اور انشاء کی تعریف کی ہے اور ساتھ ساتھ صدق خبر اور کذب خبر کو ذکر کیا ہے اور اس بات کو واضح کیا ہے کہ ہر جملہ کیلئے دو رکن ہوتے ہیں یعنی محکوم علیہ اور محکوم بہ۔

تشریح: قوله كُلُّ كَلَامٍ فَهُوَ إِمَّا خَبَرٌ أَوْ إِنْشَاءٌ وَالْخَبَرُ مَا يَصِحُّ الخ

یہاں مصنفؒ خبر کی تعریف فرما رہے ہیں کہ انسان جو بھی کلام کرتا ہے یا تو خبر کی قبیل سے ہوگا یا انشاء کی قبیل سے، خبر اس کلام کو کہتے ہیں کہ جس کے قائل کو سچا یا جھوٹا کہا جا سکے جیسے سَافَرَ خَالِدٌ اور زَيْدٌ مُقِيمٌ اب یہ دونوں ایسی خبریں ہیں جو صدق اور کذب دونوں کا احتمال رکھتی ہیں اگر یہ خبر نفس الامر کے مطابق ہے تو صادق ورنہ کاذب اسی طرح متکلم کو بھی صادق اور کاذب کہنا صحیح ہے اگر اس نے درست خبر دی ہے اور وہ نفس الامر کے مطابق ہے تو وہ صادق ہے ورنہ کاذب ہے۔

فائدہ:

صدق خبر اور کذب خبر میں اختلاف:

جمہور کا مذہب: جمہور کے نزدیک صدق خبر یہ ہے کہ جملہ میں جو نسبت ہے جیسے زَيْدٌ قَائِمٌ اگر واقع اور نفس الامر کے مطابق ہے تو یہ صدقِ خبر ہے اگر واقع اور نفس الامر کے مطابق نہیں تو یہ کذب خبر ہے۔

نظام معتزلی کا مذہب: نظام معتزلی کے نزدیک خبر اگر مخبر کے اعتقاد کے مطابق ہو

اگر چہ مخبر کا اعتقاد غلط ہی کیوں نہ ہو تو یہ صدق خبر ہے اور اگر خبر مخبر کے اعتقاد کے مطابق نہ ہو تو یہ کذب خبر ہے جیسے اگر کسی نے کہا اَلسَّمَاءُ تَحْتَنَا اور وہ آسمان کے نیچے ہونے کا اعتقاد بھی رکھتا ہے تو یہ صدق خبر کہلائے گا اگر چہ اسکا اعتقاد غلط اور واقع کے خلاف ہے لیکن جمہور کے نزدیک یہ خبر کاذب ہے کیونکہ واقع کے خلاف ہے۔

جاحظ کا مذہب: جاحظ کے نزدیک خبر اگر واقع کے مطابق ہو اور مخبر اس بات کا اعتقاد بھی رکھتا ہو کہ یہ خبر واقع کے مطابق ہے تو یہ صدقِ خبر ہے۔

اگر خبر واقع کے مطابق نہ ہو اور ساتھ مخبر کا اعتقاد بھی ہو کہ یہ خبر واقع کے مطابق نہیں ہے تو یہ کذبِ خبر ہے، جاحظ کے نزدیک ان دونوں قسموں کے علاوہ کچھ صورتیں ایسی ہیں جو نہ صدق خبر میں داخل ہیں اور نہ کذبِ خبر میں، جیسے کسی نے کہا اَلسَّمَاءُ فَوْقَنَا یہ خبر واقع کے مطابق ہے اور مخبر کا آسمان کے اوپر ہونے کا اعتقاد بھی ہو تو یہ صدقِ خبر ہے، اگر اس نے اَلسَّمَاءُ فَوْقَنَا کہا لیکن اسکا اعتقاد آسمان کے نیچے ہونے کا ہے تو یہ خبر کاذب ہوگی اگر چہ اَلسَّمَاءُ فَوْقَنَا والی خبر نفس الامر اور واقع کے مطابق ہی ہے لیکن اسکے اعتقاد کے مطابق نہیں اسلئے یہ خبر کاذب ہوگی۔

<u>قولہ: وَالْإِنْشَاءُ مَالَا يَصِحُّ الخ</u>

انشاء کی تعریف: یہاں سے مصنف انشاء کی تعریف فرمارہے ہیں کلام انشائی وہ ہے کہ جسکے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہنا صحیح نہ ہو، یا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھ لیں کہ کلام انشائی اسے کہتے ہیں جس سے کسی قسم کی طلب مقصود ہو سَافِرْ يَا خَالِدُ اے خالد تو سفر کر اور اَقُمْ يا زَيْدُ اے زید تو کھڑا ہو۔

چونکہ کلام انشائی میں مخاطب سے کسی مطلوب کے وجود کا مطالبہ کیا جاتا ہے جیسے ”اِضْرِبْ خَالِدًا“ تو خالد کو مار تو سامع جواب میں متکلم کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ تو سچا ہے یا جھوٹا کیونکہ انشاء میں متکلم کو صدق یا کذب کے ساتھ متصف کرنا صحیح نہیں۔

قوله وَ الْمُرَادُ بِصِدْقِ الْخَبَرِ الخ

صدقِ خبر اور کذبِ خبر سے مراد: صدق خبر سے مراد یہ ہے کہ وہ خبر واقع اور خارج کے مطابق ہو اور کذب خبر سے مراد یہ ہے کہ وہ خبر واقع اور خارج کے مطابق نہ ہو جیسے عَلِیٌّ مُقِیْمٌ یہ ایک جملہ ہے اس میں اقامت کا ثبوت علی کیلئے ہے اگر یہ نسبت خارج کے مطابق ہو تو اسکو صدق خبر کہیں گے، اگر یہ نسبت خارج کے مطابق نہ ہو تو اسکو کذب خبر کہیں گے۔

قوله وَلِكُلِّ جُمْلَةٍ رُكْنَانِ الخ

جملے کے اجزاء

یہاں مصنفؒ فرما رہے ہیں کہ ہر جملے کے دو رکن ہوتے ہیں خواہ وہ جملہ خبریہ ہو یا انشائیہ، ان میں ایک محکوم علیہ ہوتا ہے اور دوسرا محکوم بہ، محکوم علیہ سے مراد جس پر حکم لگایا گیا ہو اور محکوم بہ سے مراد جس کا حکم لگایا گیا ہو۔ محکوم علیہ کا نام مسند الیہ رکھا جاتا ہے جیسے جملہ میں فاعل اور نائب فاعل اور وہ مبتداء جسکی کوئی خبر ہو، اور محکوم بہ کا نام مسند رکھا جاتا ہے جیسے جملہ میں فعل اور وہ مبتداء جس میں اسکے مرفوع پر ہی اکتفا کیا گیا ہو یعنی وہ صفت کا صیغہ جو حرف نفی یا حرف استفہام کے بعد واقع ہو اور اسم ظاہر کو رفع دے جیسے مَا قَائِمٌ الزَّيْدَانِ اور أَقَائِمٌ الزَّيْدَانِ یہ مبتداء کی قسم ثانی ہے اور مسند ہے۔

اَلْكَلَامُ عَلَى الْخَبَرِ

اَلْخَبَرُ اَمَّا اَنْ يَكُوْنَ جُمْلَةً فِعْلِيَةً اَوْ اِسْمِيَةً فَالْاُوْلٰى مَوْضُوْعَةٌ لِاِفَادَةِ الْحُدُوْثِ فِىْ زَمَنٍ مَخْصُوْصٍ مَعَ الْاِخْتِصَارِ وَ قَدْ تُفِيْدُ الْاِسْتِمْرَارَ التَّجَدُّدِيَّ بِالْقَرَائِنِ اِذَا كَانَ الْفِعْلُ مُضَارِعًا كَقَوْلِ طَرِيْفٍ

اَوَ كُلَّمَا وَرَدَتْ عُكَاظَ قَبِيْلَةٌ ☆ بَعَثُوْا اِلَيَّ عَرِيْفَهُمْ يَتَوَسَّمُ

وَ الثَّانِيَةُ مَوْضُوْعَةٌ لِمُجَرَّدِ ثُبُوْتِ الْمُسْنَدِ لِلْمُسْنَدِ اِلَيْهِ نَحْوُ اَلشَّمْسُ مُضِيْئَةٌ وَ

قَدْ تُفِيْدُ الْاِسْتِمْرَارَ بِالْقَرَائِنِ اِذَا لَمْ يَكُنْ فِىْ خَبَرِهَا فِعْلٌ نَحْوُ اَلْعِلْمُ نَافِعٌ وَ الْاَصْلُ فِى الْخَبَرِ اَنْ يُلْقٰى لِاِفَادَةِ الْمُخَاطَبِ الْحُكْمَ الَّتِىْ تَضَمَّنَهُ الْجُمْلَةُ كَمَا فِىْ قَوْلِنَا حَضَرَ الْاَمِيْرُ اَوْ لِاِفَادَةِ اَنَّ الْمُتَكَلِّمَ عَالِمٌ بِهٖ نَحْوُ اَنْتَ حَضَرْتَ اَمْسِ وَ يُسَمَّى الْحُكْمُ فَائِدَةَ الْخَبَرِ وَ كَوْنُ الْمُتَكَلِّمِ عَالِمًا بِهٖ لَازِمَ الْفَائِدَةِ

ترجمہ: خبر کے متعلق بحث

خبر یا تو جملہ فعلیہ ہوگی یا جملہ اسمیہ پس پہلا یعنی جملہ فعلیہ وضع کیا گیا ہے کہ فائدہ دے حدوث فعل کا زمانہ مخصوص میں اختصار کیساتھ، اور کبھی استمرار تجددی کا فائدہ دیتا ہے قرائن کیساتھ جبکہ فعل اس جملہ میں مضارع ہو جیسا کہ طریف شاعر کا قول۔ کیا جب بازار عکاظ میں کوئی قبیلہ وارد ہوتا ہے تو وہ اپنے مشہور ومعروف سردار کو میرے پاس بھیجتا ہے جو مجھے بغور دیکھتا رہتا ہے۔ اور دوسرا جملہ یعنی اسمیہ اسلئے وضع کیا گیا ہے کہ مسند کا ثبوت ہے مسند الیہ کیلئے جیسے اَلشَّمْسُ مُضِيْئَةٌ کہ سورج روشن ہے اور کبھی جملہ اسمیہ فائدہ دیتا ہے استمرار کا قرائن کیساتھ جبکہ اس جملہ اسمیہ کی خبر میں کوئی فعل نہ ہو جیسے اَلْعِلْمُ نَافِعٌ کہ علم نفع بخش ہے۔ اور خبر میں اصل یہ ہے کہ خبر لائی جاتی ہے کہ مخاطب کو حکم کا فائدہ دینے کیلئے جس حکم پر جملہ مشتمل ہوتا ہے جیسے ہمارے قول میں حَضَرَ الْاَمِيْرُ یا خبر کو لایا جاتا ہے اس بات کا فائدہ دینے کیلئے کہ متکلم بھی اس خبر کو جانتا ہے جیسے اَنْتَ حَضَرْتَ اَمْسِ کہ تو کل گذشتہ حاضر ہوا اور نام رکھا جاتا ہے اس حکم کا فائدۃ الخبر اور متکلم کا اس خبر کو جاننے والا ہونا لازم فائدۃ الخبر ہے۔

تجزیہ عبارت: مذکورہ عبارت میں صاحب کتاب نے خبر کی دو قسمیں جملہ فعلیہ اور جملہ اسمیہ بیان کرنے کے بعد ان دونوں کے مختلف فوائد بیان کیے ہیں اور ساتھ فائدۃ الخبر اور لازم فائدۃ الخبر کو بیان کیا ہے۔

قولہ اَلْخَبَرُ اِمَّا اَنْ يَّكُوْنَ جُمْلَةً فِعْلِيَّةً الخ

خبر کی دو قسمیں: یہاں سے مصنفؒ خبر کی دو قسمیں بیان کرتے ہیں یا تو خبر جملہ فعلیہ ہوگی یا جملہ اسمیہ، پہلی قسم جملہ فعلیہ اختصار کیساتھ فائدہ دیتا ہے حدوث فعل کا زمانہ مخصوص یعنی ماضی، حال، استقبال میں یعنی جملہ فعلیہ اس غرض کیلئے وضع کیا گیا ہے کہ مختصر طور پر خاص زمانہ میں کسی چیز کے ظاہر ہونے کا فائدہ دے جیسے ضَرَبَ زَیْدٌ، مصنفؒ کے قول مع اختصار یہ احتراز ہے اس مثال سے زَیْدٌ قَائِمٌ الْاٰنَ اَوْ اَمْسِ اَوْ غَدًا اگرچہ اس مثال میں تینوں زمانوں پر دلالت ہے لیکن دوسری چیز کو ملانے کیوجہ سے ہے بخلاف فعل کے کہ وہ ماضی، حال، مستقبل پر بغیر دوسری چیز کے ملانے کے دلالت کرتا ہے۔

قولہ وَ قَدْ تُفِیْدُ الْاِسْتِمْرَارَ التَّجَدُّدِیَّ مع

کبھی فعل استمرار تجددی کا فائدہ دیتا ہے

کبھی فعل قرینہ کی بنا پر استمرار تجددی کا فائدہ دیتا ہے جبکہ اس جملہ میں مضارع ہو، استمرار تجددی کا مطلب ہے کہ فعل تھوڑا تھوڑا ہمیشہ پیدا ہو رہا ہے جیسے طریف شاعر کے قول میں

شعر اَوَ کُلَّمَا وَرَدَتْ عُکَاظَ قَبِیْلَةٌ ☆ بَعَثُوْا اِلَیَّ عَرِیْفَهُمْ یَتَوَسَّمُ

شعر کی تشریح: اَوَ کُلَّمَا وَرَدَتْ میں ہمزہ استفہام تقریری ہے اور واؤ عاطفہ ہے اور اسکا معطوف علیہ مقدر ہے ای اَحَضَرَتِ الْعَرَبُ فِیْ عُکَاظِ وَ کُلَّمَا وَرَدَتْ کیا جب کوئی قبیلہ بازار عکاظ میں اترے گا۔

عکاظ یہ نخلہ اور طائف کے درمیان ایک مشہور بازار ہے یہ بازار ذیقعدہ میں لگتا تھا اسلئے ہر شخص مطمئن ہو کر اسمیں شریک ہوتا تھا فصحاء عرب اسمیں فخریہ اشعار کہا کرتے تھے لیکن شعراء عرب چہرے پر نقاب ڈال لیتے تھے تا کہ کوئی پہچان نہ لے لیکن عرب کا یہ مشہور شاعر طریف بن تمیم عنبری بغیر نقاب کے ہی چلتا تھا یہ طریف کچھ عرصہ قبل شراحیل شیبانی کو قتل کر چکا تھا جب طریف بن تمیم میلہ عکاظ

میں آیا تو شراحیل کا بیٹا حصیصہ انتقام کی فکر میں تھا اور اس نے لوگوں سے کہہ رکھا تھا کہ جب طریف نظر آئے تو مجھے بتانا لوگوں نے اشارہ سے بتا دیا۔

تو شراحیل کا بیٹا حصیصہ جب طریف کے پاس سے گذرتا تو غور سے دیکھتا طریف نے پوچھا کہ آپ غور سے کیوں دیکھتے ہیں اسنے جواباً کہا تا کہ میں اچھی طرح پہچان لوں میں نے اللہ تعالی سے وعدہ کیا ہوا ہے جب طریف مجھے مل جائے گا تو یا تو وہ زندہ رہیگا یا میں زندہ رہونگا اس وقت طریف بن تمیم عنبری نے اشعار کہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔

عَـرِيْـفَهُـمْ عریف قوم کے اس سردار اور نمائندے کو کہا جاتا ہے جو قوم کی سرداری اور نمائندگی میں مشہور ہو گیا ہو، يَتَـوَسَّـمُ صیغہ واحد مذکر غائب بحث اثبات فعل مضارع معروف جسکا معنی کسی چیز کو فراست سے معلوم کر لینا اور کسی چیز کی صورت دیکھ کر حقیقت کو پہچان لینا۔

شعر کا مطلب: کیا جب بھی بازار عکاظ میں کوئی قبیلہ فروکش ہوتا ہے تو اس قبیلے والے میرے پاس کسی ایسے نمائندے کو بھیجتے ہیں جو اپنی فراست سے مجھے پہچان سکتا ہو۔

محل استشہاد: يَتَوَسَّمُ یہ جملہ فعلیہ تجدد اور استمرار پر دلالت کرتا ہے قرینہ کے پائے جانے کی وجہ سے، کہ بازار میں بار بار لوگوں کے چہرے کو دیکھ کر فراست سے پہچان لیتا ہے استمرار و تجدد کا مطلب یہ کہ فعل تھوڑا تھوڑا مسلسل پیدا ہو رہا ہے کہ وہ مجھے بغور دیکھتا رہتا ہے۔

<u>قوله وَالثَّانِيَةُ مَوْضُوْعَةٌ لِمُجَرَّدِ الخ</u>

دوسری قسم جملہ اسمیہ اور اس کا فائدہ: خبر کی دوسری قسم جملہ اسمیہ ہے یہ محض اسلئے وضع کیا گیا ہے جو اس بات کو بتلائے کہ مسند، مسند الیہ کیلئے ثابت ہے اسمیں تجدد اور استمرار کا فائدہ مطلوب نہیں ہوتا بلکہ اسم کی وضع ثبوت الشئی لشئی ہوتی ہے جیسے اَلشَّمْسُ مُضِيْئَةٌ کہ سورج روشن ہے اس جملہ میں روشنی کا ثبوت سورج کیلئے کیا گیا ہے۔

کبھی جملہ اسمیہ قرائن سے استمرار کا فائدہ دیتا ہے کہ کام شروع ہو گیا ہے اور ابھی تک جاری ہے بشرطیکہ اسکی خبر میں فعل نہ ہو کیونکہ فعل تجدد اور حدوث پر دلالت کرتا ہے جو استمرار کے منافی ہے۔ جیسے اَلْعِلْمُ نَافِعٌ کہ علم نفع بخش ہے تجربہ اور مشاھدہ سے بات معلوم ہوتی ہے کہ علم ہمیشہ کیلئے نافع ہے۔

قولہ وَالْاَصْلُ فِی الْخَبَرِ اَنْ یُّلْقٰی الخ

فائدۃ الخبر اور لازم فائدۃ الخبر : مخبر کی غرض اپنی خبر سے اصل میں دو چیزیں مقصود ہوتی ہیں۔

(۱) **افادہ حکم للمخاطب** : کہ مخبر اپنی خبر سے مخاطب کو حکم کا فائدہ پہچانا چاہتا ہے جس کو مخاطب جانتا نہیں جیسے حَضَرَ الْاَمِیْرُ کہ اس جملے میں متکلم کا مقصود مخاطب کو امیر کی حاضری کی اطلاع دینا ہے اس خبر کا نام فائدۃ الخبر ہے۔

(۲) **لازم افادہ حکم** : کہ مخبر اپنی خبر سے مخاطب کو یہ بتانا چاہتا ہے کہ جس طرح تم اس خبر کو جانتے ہو میں بھی اس خبر کو جانتا ہوں جیسے اَنْتَ حَضَرْتَ اَمْسِ کہ تو گذشتہ کل حاضر ہوا تھا اس جملہ میں مخبر مخاطب کو اپنی واقفیت اور معلومات بتانا چاہتا ہے کہ مخبر کو مخاطب کی حاضری کا علم ہے، اور جیسے حافظ قرآن سے کہا جائے قَدْ حَفِظْتَ الْقُرْاٰنَ اس جملہ میں مخاطب کو حفظ قرآن کی خبر دینا مقصود نہیں کیونکہ وہ تو پہلے ہی جانتا ہے کہ میں حافظ قرآن ہوں بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ مجھے بھی تمہارے حافظ قرآن ہونے کی خبر معلم ہے اس خبر کا نام لازم فائدہ ہے۔

وَقَدْ یُلْقَی الْخَبَرُ لِاَغْرَاضٍ اُخْرٰی

(۱) كَالْاِسْتِرْحَامِ فِیْ قَوْلِ مُوْسٰی علیہ السّلام رَبِّ اِنِّیْ لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ (۲) وَ اِظْهَارِ الضُّعْفِ فِیْ قَوْلِ زَكَرِیَّا علیہ السّلام رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ (۳) وَ اِظْهَارِ التَّحَسُّرِ فِیْ قَوْلِ اِمْرَاَةِ عِمْرَانَ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰی وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ

بِمَا وَضَعَتْ (٤) وَاِظْهَارِ الْفَرَحِ بِمُقْبَلٍ وَالشَّمَاتَةِ بِمُدْبِرٍ فِیْ قَوْلِكَ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ (٥) وَ اِظْهَارِ السُّرُوْرِ فِیْ قَوْلِكَ اَخَذْتُ جَآئِزَةَ التَّقَدُّمِ لِمَنْ يُعْلَمُ ذٰلِكَ (٦) وَ التَّوبِيْخِ فِیْ قَوْلِكَ لِلْعَاثِرِ اَلشَّمْسُ طَالِعَةٌ

اَضْرُبُ الْخَبَرِ حَيْثُ كَانَ قَصْدُ الْمُخْبِرِ بِخَبَرِهٖ اِفَادَةَ الْمُخَاطَبِ يَنْبَغِیْ اَنْ يُّقْتَصِرَ مِنَ الْكَلَامِ عَلٰی قَدْرِ الْحَاجَةِ حَذَرًا مِّنَ اللَّغْوِ فَاِنْ كَانَ الْمُخَاطَبُ خَالِیَ الذِّهْنِ مِنَ الْحُكْمِ اُلْقِیَ اِلَيْهِ الْخَبَرُ مُجَرَّدًا عَنِ التَّاكِيْدِ نَحْوُ اَخُوْكَ قَادِمٌ وَ اِنْ كَانَ مُتَرَدِّدًا فِيْهِ طَالِبًا لِمَعْرِفَتِهٖ حَسُنَ تَوْكِيْدُهٗ نَحْوُ اِنَّ اَخَاكَ قَادِمٌ وَ اِنْ كَانَ مُنْكِرًا وَجَبَ تَوْكِيْدُهٗ بِمُؤَكِّدٍ اَوْ بِمُؤَكِّدَيْنِ اَوْ اَكْثَرَ حَسْبَ دَرَجَةِ الْاِنْكَارِ نَحْوُ اِنَّ اَخَاكَ قَادِمٌ اَوْ اِنَّهٗ لَقَادِمٌ اَوْ وَاللّٰهِ اِنَّهٗ لَقَادِمٌ فَالْخَبَرُ بِالنِّسْبَةِ لِخُلُوِّهٖ مِنَ التَّوْكِيْدِ وَ اِشْتِمَالِهٖ عَلَيْهِ ثَلَاثَةُ اَضْرُبٍ كَمَا رَاَيْتَ وَ يُسَمَّی الضَّرْبُ الْاَوَّلُ اِبْتِدَائِيًّا وَ الثَّانِیْ طَلَبِيًّا وَ الثَّالِثُ اِنْكَارِيًّا وَ يَكُوْنُ التَّوْكِيْدُ بِاِنَّ وَ اَنَّ وَ لَامِ الْاِبْتِدَآءِ وَ اَحْرُفِ التَّنْبِيْهِ وَ الْقَسَمِ وَ نُوْنَیِ التَّوْكِيْدِ وَ الْحُرُوْفِ الزَّائِدَةِ وَ التَّكْرِيْرِ وَ قَدْ وَاَمَّا الشَّرْطِيَّةِ۔

ترجمہ: اور کبھی خبر لائی جاتی ہے دوسری اغراض کیلئے (۱) جیسے رحم طلب کرنا، حضرت موسیٰؑ کے قول میں ''اے میرے رب جو خیر تو میرے پاس بھیجے میں اسکا محتاج ہوں''۔ (۲) اظہار کمزوری کیلئے جیسے ''ذکریا کا قول اے میرے رب میری ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں''۔ (۳) اظہار حسرت اور افسوس کیلئے جیسے زوجہ عمرانؑ کا قول ''اے میرے رب میں نے تو اسے بچی جنا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ زیادہ بہتر جانتے ہیں جو اسنے جنا تھا''۔ (۴) کسی محبوب چیز کی آمد پر اظہار فرحت اور کسی مبغوض چیز کے جانے پر اظہار مسرت کیلئے جیسے ''حق آ گیا اور باطل چلا گیا''۔ (۵) صرف اظہار خوشی کیلئے جیسے تیرا قول کہ میں نے درجہ اول میں آنے کا انعام حاصل کیا ہے اس شخص کو مخاطب کر کے جو پہلے ہی سے

اسے جانتا ہو۔(۶) ڈانٹ پلانے کیلئے جیسے تیرا قول پھسلنے والے کیلئے اَلشَّمْسُ طَالِعَةٌ۔

اقسام خبر۔ جب مخبر کا ارادہ اپنی خبر سے مخاطب کو خبر کا فائدہ پہچانا ہو تو مناسب ہے کہ بقدر ضرورت کلام پر اکتفا کرے لغو سے بچتے ہوئے، اگر مخاطب حکم سے خالی الذہن ہو تو اسکے سامنے ایسی خبر لائی جائے جو تاکید سے خالی ہو جیسے اَخُوْكَ قَادِمٌ، اگر وہ حکم کے متعلق تردد اور شک میں ہو اسکی معرفت کا طالب ہو تو تاکید لانا مستحسن ہوگا جیسے اِنَّ اَخَاكَ قَادِمٌ، اگر وہ حکم کا منکر ہو تو درجات انکار کے مطابق ایک تاکید یا دو تاکید یا اس سے زیادہ تاکیدوں کا لانا واجب ہوگا جیسے اِنَّ اَخَاكَ قَادِمٌ یا اِنَّهٗ لَقَادِمٌ یا وَاللّٰه اِنَّهٗ لَقَادِمٌ، پس خبر اس لحاظ سے کہ وہ تاکید سے خالی ہو یا اس تاکید پر مشتمل ہو تین قسموں میں منقسم ہے جیسے کہ آپ کو معلوم ہو چکا، پس پہلی قسم کا نام ابتدائی رکھا جاتا ہے اور دوسری کا نام طلبی اور تیسری کا نام انکاری، اور تاکید ہوتی ہے اِنَّ اور اَنَّ اور لام ابتداء اور حروف تنبیہ اور حروف قسم اور دونوں نونِ تاکید اور حروف زائدہ اور تکرار لفظ اور قَدْ اور اَمَّا شرطیہ کے ساتھ۔

تجزیہ عبارت: مذکورہ عبارت میں مصنفؒ نے افادہ حکم للمخاطب اور لازم فائدہ حکم کے علاوہ خبر کے دوسرے فوائد بتائے ہیں اور کلام ابتدائی، طلبی اور انکاری کو واضح کیا ہے اور تاکید کے کلمات بیان کیے ہیں۔

تشریح: قولہ وَقَدْ يُلْقَى الْخَبَرُ لِاَغْرَاضٍ اُخْرٰى الخ

خبر کا دیگر اغراض کیلئے استعمال ہونا

مخبر کی خبر سے مقصودِ حقیقی صرف دو چیزیں ہوتی ہیں (۱) افادۂ حکم للمخاطب (۲) لازم افادۂ حکم، کبھی ان دونوں غرضوں کے علاوہ دوسری اغراض کیلئے بھی کلام خبری استعمال ہوتا ہے مگر یہ مجاز کے اعتبار سے ہے حقیقتاً نہیں۔

(۱) **غرض اول :** شفقت اور مہربانی طلب کرنا جیسے قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حکائی قول ہے رَبِّ اِنِّیْ لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ "اے میرے رب جو خیر تو میرے پاس بھیجے میں اسکا محتاج اور طالب ہوں" اس قول سے نہ تو فائدہ خبر مراد لے سکتے ہیں کیونکہ اس قول کے مخاطب اللہ تعالیٰ ہیں جو ظاہر اور باطن کو جانتے ہیں۔ اسلئے اللہ تعالیٰ کو خبر دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا، اور نہ ہی لازم فائدہ خبر مراد ہوسکتا ہے کہ حضرت موسیٰ کا یہ بھی مقصد نہیں کہ میں بھی اس خبر کو جانتا ہوں بلکہ یہ کلام اللہ تعالیٰ سے رحم و کرم مانگنے کیلئے لائی گئی ہے۔

(۲) **غرض ثانی :** اپنی کمزوری اور ناتوانی کے اظہار کے لئے جیسے قرآن مجید میں حضرت زکریاؑ کا قول ہے رَبِّ اِنِّیْ وَھَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ "اے میرے رب میری ہڈیاں کمزور ہوچکی ہیں" اس خبر سے فائدۃ الخبر اور لازم فائدۃ الخبر دونوں مراد نہیں ہوسکتے بلکہ اسمیں اپنی کمزوری اور عاجزی کا بیان ہے۔

(۳) **غرض ثالث:** کبھی خبر اظہار حسرت اور اظہار افسوس کیلئے لائی جاتی ہے جیسے زوجہ عمران کا قول رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُھَا اُنْثٰی وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ اے میرے رب میں نے تو اسے بچی جنا ہے اور اللہ تعالیٰ زیادہ بہتر جانتے ہیں جو اسنے جنا تھا اس قول میں اپنی نذر کے پورا نہ ہونے پر غم و حزن کا اظہار ہے کیونکہ اسنے بیٹا پیدا ہونے کی نذر مانی تھی مگر بیٹی پیدا ہوئی۔

(۴) **غرض رابع :** کبھی خبر محبوب چیز کی آمد پر اظہار فرحت کیلئے اور مبغوض چیز کے جانے پر اظہار مسرت کیلئے لائی جاتی ہے جیسے رب العزت کا ارشاد ہے جَآءَ الْحَقُّ وَ زَھَقَ الْبَاطِلُ "کہ حق آگیا اور باطل چلا گیا" اس آیت میں اسلام کی آمد پر مسرت اور شرک و باطل کے ختم ہونے پر خوشی کا اظہار ہے۔

(۵) **غرض خامس:** کبھی خبر صرف خوشی کے اظہار کیلئے لائی جاتی ہے جیسے اَخَذْتُ جَائِزَۃَ التَّقَدُّمِ کہ میں نے درجہ اول میں آنے کا انعام حاصل کیا ہے اس شخص کو مخاطب کر کے جو تمہارے اس انعام کو پہلے ہی سے جانتا ہو اس خبر کا مقصد اپنی خوشی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

(۶) **غرض سادس:** کبھی خبر ڈانٹنے اور جھڑکنے کیلئے لائی جاتی ہے جیسے تیرا قول پھسلنے والے شخص کو اَلشَّمْسُ طَالِعَۃٌ کہ سورج نکلا ہوا ہے۔

قولہ اَضْرُبُ الْخَبَرِ حَیْثُ کَانَ قَصْدُ الْمُخْبِرِ الخ

مخبر بقدر ضرورت کلام کرے، لغو سے بچتے ہوئے

جب مخبر کا ارادہ اپنی خبر سے مخاطب کو فائدہ پہچانا ہو تو ضروری ہے کہ بقدر ضرورت کلام پر اکتفا کرے یعنی مخاطب کی ضرورت سے کلام نہ زیادہ ہو نہ کم، مخاطب کی رعایت کرتے ہوئے کلام کرے لغو سے بچتے ہوئے۔

باعتبار حالاتِ مخاطب، کلام کی تین صورتیں

(۱) **کلام ابتدائی:** اگر مخاطب خالی الذہن ہو اور مخاطب حکم کے وجود یا عدم کا کوئی اعتقاد نہ رکھتا ہو تو اس وقت متکلم اپنی کلام کو بغیر تاکید کے ذکر کرے گا ایسی کلام کو کلام ابتدائی کہتے ہیں جیسے اَخُوْکَ قَادِمٌ تیرا بھائی آیا ہوا ہے۔

(۲) **کلام طلبی:** اگر مخاطب کا ذہن حکم کے متعلق تردد اور شک میں ہو اور اسکی معرفت کا طالب اور ازالۂ شک کا متمنی ہو تو ایسی حالت میں کلام کو مؤکد ذکر کرنا مستحسن ہوگا تاکہ مخاطب کا تردد اور شک زائل ہو جائے جیسے اِنَّ اَخَاکَ قَادِمٌ کہ بیشک تیرا بھائی آیا ہوا ہے۔

(۲) **کلام انکاری:** اگر مخاطب حکم کا منکر ہو تو اب متکلم کیلئے واجب ہے کہ بحسب انکار تاکید لائے تا کہ مخاطب کا انکار ختم ہو جائے اگر صرف انکار ہے تو ایک تاکید جیسے اِنَّ اَخَاكَ قَادِمٌ اسمیں ایک تاکید اِنَّ کے ذریعے ہے، اگر انکار اوسط درجہ کا ہے تو دو تاکیدیں لائے جیسے اِنَّهٗ لَقَادِمٌ اسمیں دو تاکیدیں ہیں اِنَّ اور لام تاکید، اگر انکار انتہائی درجہ کا ہو تو تین تاکیدیں لائے تا کہ اسکا انتہائی درجہ کا انکار ختم ہو جائے جیسے وَ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَقَادِمٌ اسمیں تین تاکیدیں ہیں، قسم اور اِنَّ اور لام تاکید۔

قوله وَ يَكُوْنَ التَّوْكِيْدُ بِاِنَّ وَ اَنَّ الخ

کلماتِ تاکید: کلام کو مؤکد کرنے کے بہت سے کلمات ہیں۔

(۱) **اِنَّ مکسورہ** یہ حروف مشبہ بالفعل میں سے ہے جسکے اندر تحقیق والا معنی پایا جاتا ہے جیسے اِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ۔

(۲) **اَنَّ مفتوحہ** یہ حروف مشبہ بالفعل میں سے ہے جسکے اندر تحقیق والا معنی پایا جاتا ہے جو مفید للتاکید ہے جیسے اَنَّ زَيْدًا قَائِمٌ۔

(۳) **حروف تنبیہ** یہ وہ حروف جسکے ذریعے مخاطب کو بیدار کیا جاتا ہے تا کہ اسکی غفلت دور ہو جائے اور وہ تین ہیں اَلَا، اَمَا، هَا، یہ تینوں جملہ کے شروع میں آتے ہیں خواہ جملہ اسمیہ ہو یا فعلیہ، البتہ هَا یہ مفردات میں سے اسم اشارہ پر داخل ہوتا ہے جیسے هٰذَا، انکی مثالیں اَلَا زَيْدٌ قَائِمٌ، اَمَا عَمْرٌو نَائِمٌ، هَا اَنَا حَاضِرٌ۔

(۴) **حروف قسم** جسکے ذریعے قسم اٹھائی جاتی ہے وہ یہ ہیں واؤ قسم جیسے وَ اللّٰهِ اِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ اور تاء قسم جیسے تَاللّٰهِ لَزَيْدٌ قَائِمٌ۔

(۵) **نونین تاکید** تاکید کے دونوں نون یعنی نون ثقیلہ جیسے اِضْرِبَنَّ اور نون خفیفہ جیسے اِضْرِبَنْ۔

(۶) **حروف زائد** یہ وہ حروف ہیں کہ انکو اگر کلام میں سے حذف کر دیا جائے تو معنی میں کوئی خلل پیدا نہ ہو وہ آٹھ ہیں اِنْ، اَنْ، مَا، لَا، مِنْ، کاف، با، لام۔

(۷) **تکرار** یعنی جب لفظ تکرار کیساتھ ذکر کیا جائے تو یہ مفید للتاکید ہوتا ہے یا تکرار اسناد ہو جیسے زَیْدٌ ضَرَبَ هُوَ یا تکرار جملہ ہو جیسے زَیْدٌ ضَرَبَ زَیْدٌ ضَرَبَ

(۸) **لفظ قد** یہ لفظ قَدْ تاکید کا معنی اس وقت دیتا ہے جب یہ معنی اثبات اور تحقیق پر دلالت کرے جیسے قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ اگر اسکے اندر تقلیل کا معنی ہو تو پھر مفید للتاکید نہیں ہوگا جیسے قَدْ یَصْدُقُ الْكَذُوْبُ کہ کبھی جھوٹا بھی سچ بول دیتا ہے۔

(۹) **امّا شرطیہ** یہ بھی تفسیر اور تاکید کیلئے آتا ہے جیسے قرآن پاک میں ہے وَ اَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ۔

اَلْكَلَامُ عَلَى الْاِنْشَاءِ

اَلْاِنْشَآءُ اِمَّا طَلَبِیٌّ اَوْ غَیْرُ طَلَبِیٍّ فَالطَّلَبِیُّ مَا یَسْتَدْعِیْ مَطْلُوْبًا غَیْرَ حَاصِلٍ وَقْتَ الطَّلَبِ وَ غَیْرُ الطَّلَبِیِّ مَا لَیْسَ كَذٰلِكَ وَ الْاَوَّلُ یَكُوْنُ بِخَمْسَةِ اَشْیَآءَ اَلْاَمْرُ وَ النَّهْیُ وَ الْاِسْتِفْهَامُ وَ التَّمَنِّیْ وَ النِّدَآءُ اَمَّا الْاَمْرُ فَهُوَ طَلَبُ الْفِعْلِ عَلٰی وَجْهِ الْاِسْتِعْلَآءِ وَ لَهٗ اَرْبَعُ صِیَغٍ فِعْلُ الْاَمْرِ نَحْوُ خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ وَ الْمُضَارِعُ الْمَقْرُوْنُ بِاللَّامِ نَحْوُ لِیُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ وَ اِسْمُ فِعْلِ الْاَمْرِ نَحْوُ حَیَّ

عَلَى الْفَلَاحِ وَ الْمَصْدَرُ الزَّآئِدُ عَنْ فِعْلِ الْاَمْرِ نَحْوُ سَعْيًا فِي الْخَيْرِ وَ قَدْ تَخْرُجُ صِيَغُ الْاَمْرِ عَنْ مَعْنَاهَا الْاَصْلِيِّ اِلٰى مَعَانٍ اُخَرَ تُفْهَمُ مِنْ سِيَاقِ الْكَلَامِ وَ قَرَآئِنِ الْاَحْوَالِ. (۱)كَالدُّعَآءِ نَحْوُ اَوْزِعْنِيْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ (۲)وَ الْاِلْتِمَاسِ كَقَوْلِكَ لِمَنْ يُسَاوِيْكَ اَعْطِنِي الْكِتَابَ (۳)وَالتَّمَنِّيْ نَحْوُ

اَلَا اَيُّهَا اللَّيْلُ الطَّوِيْلُ اَلَا انْجَلِيْ ☆ بِصُبْحٍ وَمَا الْاِصْبَاحُ مِنْكَ بِاَمْثَلِ

(۴)وَ الْاِرْشَادِ نَحْوُ اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰى اَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ وَ لْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ (۵)وَ التَّهْدِيْدِ نَحْوُ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ (۶)وَ التَّعْجِيْزِ نَحْوُ

يَا لَبَكْرُ اُنْشُرُوْا لِيْ كُلَيْبًا ☆ يَا لَبَكْرُ اَيْنَ اَيْنَ الْفِرَارُ

(۷)وَ الْاِهَانَةِ نَحْوُ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا (۸)وَ الْاِبَاحَةِ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا (۹)وَ الْاِمْتِنَانِ نَحْوُ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ (۱۰)وَ التَّخْيِيْرِ نَحْوُ خُذْ هٰذَا اَوْ ذَاكَ (۱۱)وَ التَّسْوِيَةِ نَحْوُ اِصْبِرُوْا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا (۱۲)وَ الْاِكْرَامِ نَحْوُ وَادْخُلُوْهَا بِسَلَامٍ اٰمِنِيْنَ.

ترجمہ: کلام انشائی کی بحث

کلام انشائی یا طلبی ہوگی یا غیر طلبی پس طلبی وہ کلام ہے جو ایسے مطلوب کو چاہتا ہو جو طلب کے وقت حاصل نہ ہو اور غیر طلبی وہ ہے جو اسطرح حاصل نہ ہو اور پہلی قسم پانچ چیزوں سے حاصل ہوتی ہے(۱) امر (۲) نہی (۳) استفہام (۴) تمنی (۵) نداء، امر پس وہ طلب کرنا ہے فعل کو بڑائی کے طریقہ پر، امر کیلئے چار صیغے ہیں فعل امر جیسے ''مظبوطی سے کتاب پکڑ''، اور فعل مضارع جو لام کیساتھ متصل ہو جیسے ''چاہیے کہ خرچ کرے وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق'' اور اسم فعل جیسے ''آؤ فلاح کی طرف'' اور وہ مصدر جو فعل امر کے قائم مقام ہو جیسے ''بھلائی کے کام میں کوشش کر'' اور کبھی نکالا جاتا ہے امر کے صیغہ کو اپنے اصلی معنی سے ہٹ کر دوسرے معنوں کیطرف اور وہ دوسرے معنی سیاق کلام اور احوال کے قرائن سے سمجھے جاتے ہیں۔ امر کے صیغے اپنے اصلی معنی سے ہٹ کر مندرجہ ذیل معنوں

میں استعمال ہوتے ہیں۔

(۱) جیسے دعا کے معنی میں جیسے اے اللہ مجھے توفیق عطا فرما کہ میں تیری نعمت کا شکریہ ادا کروں۔ (۲) التماس کے معنی میں جیسے تیرا قول اپنے برابر والے کیلئے "مجھے کتاب دیجئے"۔ (۳) تمنا کیلئے جیسے "اے لمبی رات تو صبح بن کر روشن ہو جا اور صبح بھی تجھ سے بہتر نہیں"۔ (۴) رہنمائی کرنے کے معنی میں جیسے "جب تم آپس میں کسی وقت مقررہ تک قرض کا لین دین کرو تو تم اسکو لکھ لیا کرو اور چاہیے کہ لکھنے والا تمہارے درمیان انصاف کیساتھ"۔ (۵) اور تہدید یعنی دھمکی دینے کے معنی میں جیسے "کرو جو تم چاہو"۔ (۶) اور تعجیز یعنی کسی کو عاجز کر دینے کے معنی میں جیسے شاعر کے اس شعر میں "اے قبیلہ بکر تم زندہ کرو میرے لئے قبیلہ کلیب کو، اے قبیلہ بکر کہاں کہاں تم بھاگو گے"۔ (۷) اہانت یعنی ذلیل کرنے کے معنی میں جیسے "تم پتھر ہو جاؤ یا لوہا"۔ (۸) اباحت یعنی فعل کی اجازت دینے کے معنی میں جیسے "تم کھاؤ اور پیو"۔ (۹) امتنان یعنی احسان جتانے کے معنی میں جیسے "تم کھاؤ اس رزق سے جو اللہ تعالی نے تم کو دیا ہے"۔ (۱۰) تخییر یعنی اختیار دینے کے معنی میں جیسے "یہ لو یا وہ"۔ (۱۱) تسویہ یعنی دو چیزوں میں برابری کرنے کے معنی میں جیسے "تم صبر کرو یا نہ کرو"۔ (۱۲) اکرام یعنی تعظیم کرنے کے معنی میں جیسے "داخل ہو جایئے جنت میں امن اور سلامتی کیساتھ"۔

تجزیہ عبارت: مذکورہ عبارت میں صاحب کتاب نے انشاء کی دو قسمیں طلبی اور غیر طلبی بیان کرنے کے بعد طلبی کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں اور ساتھ امر کی تعریف کرنے کے بعد اسکے چار صیغے بیان کیے ہیں اور اس بات کو واضح کیا ہے کہ امر اپنے اصلی معنی سے ہٹ کر دوسرے کن کن معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

تشریح: قوله اَلْاِنْشَاءُ: اِمَّا طَلَبِيٌّ اَوْ غَيْرُ طَلَبِيٍّ الخ

انشاء کی دو قسمیں

(۱) **انشاء طلبی:** انشاء طلبی وہ ہے جس میں ایسے مطلوب کو طلب کیا جائے جو بوقت طلب حاصل نہ

ہو جیسے امر، نہی، تمنی وغیرہ۔

(۲) **انشاء غیر طلبی**: وہ ہے جسمیں کسی شے کی طلب نہ ہو اور متکلم کسی مطلوب کو نہ چاہتا ہو جیسے افعال مقاربہ، افعال مدح وذم، کلمات عقود اور جملہ قسم وغیرہ، اور انشاء طلبی پانچ چیزوں سے حاصل ہوتی ہے امر، نہی، استفہام، تمنی، نداء۔

قولہ لَمَّا الْاَمْرُ فَهُوَ طَلَبُ الْفِعْلِ الخ

امر کی تعریف اور اسکے چار صیغے

امر کہتے ہیں اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے دوسرے سے کسی کام کا مطالبہ کرنا خواہ وہ حقیقت میں بڑا ہو یا نہ ہو جیسے اِضْرِبْ زَیْدًا، یہ جمہور کے نزدیک امر صرف وجوب کیلئے آتا ہے مگر قرینہ کے پائے جانے کیوقت دوسرے معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں امر کیلئے چار قسم کے صیغے ہیں (۱) فعل امر جیسے خُذِ الْکِتَابَ بِقُوَّةٍ مضبوطی سے کتاب تھام لو۔ (۲) وہ فعل مضارع جو لام امر کیساتھ مقرون ہو جیسے لِیُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهٖ چاہیے کہ خرچ کرے وسعت والا اپنی وسعت کیمطابق۔ (۳) یا امر بصورت اسم فعل ہو یعنی وہ اسم جسمیں فعل کا معنی ہو جیسے حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ آؤ تم فلاح کیطرف اس مثال میں حَیَّ فعل کے معنی میں ہے۔ (۴) یا وہ مصدر جو فعل امر کے قائم مقام ہو جیسے سَعْیًا فِی الْخَیْرِ تو بھلائی کے کام میں کوشش کر اس مثال میں سَعْیًا فعل امر محذوف کے قائم مقام ہے اصل میں تھا اِسْعَ سَعْیًا فِی الْخَیْرِ۔

قولہ وَقَدْ تُخْرَجُ صِیَغُ الْاَمْرِ عَنْ مَعْنَاهَا الْاَصْلِیِّ الخ

صیغہ امر کا دیگر معنوں میں استعمال

کبھی کبھی امر کے صیغے اپنے اصلی معنی وجوب سے ہٹ کر دوسرے معنی کی طرف بھی

مستعمل ہوتے ہیں جو کلام کے سیاق سباق اور دوسرے احوال کی مناسبتوں سے پہچانے جاتے ہیں مصنفؒ نے امر کے صیغوں کو دوسرے معنی میں استعمال کرنے کی بارہ قسمیں ذکر کیں ہیں (۱) دعاء (۲) التماس (۳) تمنی (۴) ارشاد (۵) تہدید (۶) تعجیز (۷) اہانت (۸) اباحۃ (۹) امتنان (۱۰) تخییر (۱۱) تسویہ (۱۲) اکرام

صیغہ امر کا مجازاً استعمال

(۱) **دعاء**: امر کبھی دعاء کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے "اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ" اَوْزِعْ اگر چہ امر کا صیغہ ہے لیکن اس میں حکم نہیں بلکہ دعاء ہے اور دعاء میں اپنی عاجزی اور انکساری ہوتی ہے کہ اے میرے رب تو مجھے توفیق عطا فرما کہ میں تیری نعمت کا شکر ادا کروں۔

(۲) **التماس**: امر کبھی التماس کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے تو اپنے برابر والے سے کہے اَعْطِنِیَ الْکِتَابَ کہ مجھے کتاب دیجیے یہاں اَعْطِنِیْ میں امر التماس کیلئے ہے۔

(۳) **تمنی**: امر کبھی تمنا کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے جیسے امرءالقیس کے اس شعر میں

اَلا اَیُّھَا الَّلیْلُ الطَّوِیْلُ اَلا انْجَلِیْ ☆ بِصُبْحٍ وَّمَا الْاِصْبَاحُ مِنْکَ بِاَمْثَلِ

شعر کی تشریح: اِنْجَلِیْ واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے اَلطَّوِیْلُ کی مناسبت سے اِنْجَلِیْ میں یاء درست نہیں بلکہ یہ یاء اشباع کی ہے جو کسرہ کو کھینچ کر پڑھنے سے پیدا ہوتا ہے لیکن یہ یاء اشباع کی پڑھنے میں آئیگی لکھنے میں نہیں آئیگی۔

شعر کا مطلب: اے لمبی رات تو صبح بن کر روشن ہو جا (کاش تیری درازی ختم ہو جائے اور تو صبح بن کر روشن ہو جائے) اور صبح بھی تجھ سے بہتر اور افضل نہیں، کیونکہ پھر دن کو بھی انہی مصائب

شب یعنی فراق یار سے دوچار ہونا پڑیگا۔

محل استشہاد: اس شعر میں اِنْجَلِیْ ہے جو امر ہے اور تمنی کے معنی میں ہے تمنا میں ایسے فعل محبوب کی طلب ہوتی ہے جسکا حاصل ہونا ضروری نہیں کیونکہ مطلوب کبھی ممکن تو ہوتا ہے لیکن بعید الوقوع ہوتا ہے اور کبھی مطلوب محال ہوتا ہے۔

(۴) **ارشاد:** امر کبھی ارشاد یعنی رہنمائی کرنے کیلئے استعمال ہوتا ہے تا کہ آئندہ معاملات درست ہوں اور آپس میں جھگڑا فساد پیدا نہ ہو جیسے اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْهُ وَ لْیَکْتُبْ بَّیْنَکُمْ کَاتِبٌ بِالْعَدْلِ "جب تم آپس میں ادھار کا معاملہ کیا کرو کسی وقت مقررہ تک تو اس کو لکھ لیا کرو اور چاہیے کہ لکھے تمہارے درمیان کوئی کاتب انصاف کے ساتھ" اس آیت میں امر ارشاد کیلئے ہے بعض نے ارشاد کو ندب میں شمار کیا ہے اور بعض نے اسطرح فرق کیا ہے کہ ندب اخروی مصالح کیلئے ہے اور ارشاد دنیوی مصالح کیلئے ہوتا ہے۔

(۵) **تھدید:** کبھی امر تھدید یعنی ڈرانے دھمکانے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ جو تمہارا جی چاہے کرو یہاں امر ڈرانے کیلئے ہے۔

(۶) **تعجیز:** کبھی امر مخاطب کو عاجز کر دینے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے جیسے اس شعر میں

یَا لَبَکْرٍ اُنْشُرُوْا لِیْ کُلَیْبًا ☆ یَا لَبَکْرٍ اَیْنَ اَیْنَ الْفِرَارُ

اے قبیلہ بکر! میرے لئے دوبارہ کلیب کو زندہ کرواے قبیلہ بکر تمہیں کہاں کہاں بھاگنا ہے کیونکہ قبیلہ بکر دوبارہ کلیب کو زندہ نہیں کر سکتا اس لئے جگہ جگہ بھاگ کر بچ بھی نہیں سکتا اس شعر میں اُنْشُرُوْا فعل امر اپنے اصلی معنی میں نہیں بلکہ عاجز کر دینے معنی میں مستعمل ہو رہا ہے۔

(۷) **اھانت:** کبھی امر ذلیل کر دینے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے جیسے کُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ

حَدِیْدًا کہ تم پتھر بن جاؤ یا لوہا، یہ دونوں چیزیں کفار کے بس میں نہیں بلکہ رب العزت کا امر ہے اور مقصود انکو ذلیل کرنا ہے۔

(۸) **اباحت**: کبھی امر اجازت دینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے کُلُوْا وَاشْرَبُوْا' کہ تم کھاؤ اور پیو، یہاں پر امر اجازت کے معنی میں ہے کہ مخلوق طالب اجازت تھی اس لئے اجازت مل گئی۔

(۹) **امتنان**: کبھی امر احسان جتلانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد کُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰهُ کہ کھاؤ اس رزق میں سے جو تم کو اللہ نے دیا ہے امتنان یہ بھی اباحت ہی ہے لیکن اس کے ساتھ احسان جتلانا پایا جارہا ہے۔

(۱۰) **تخییر**: کبھی امر تخییر کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے خُذْ هٰذَا اَوْ ذَاکَ '' کہ یہ لے لو یا وہ کہ دو چیزوں میں سے ایک کو اختیار کرلو، تخییر اور اباحت میں فرق یہ ہے کہ تخییر میں دو کاموں میں سے ایک کو اختیار کرنا ہوتا ہے دونوں کو جمع کرنا جائز نہیں ہوتا بخلاف اباحت کے کہ اس میں کام کرنے یا نہ کرنے کا مکمل اختیار ہوتا ہے کہ دونوں کاموں کو جمع کرنا بھی جائز ہوتا ہے اور دونوں کاموں کو نہ کرنا بھی ٹھیک ہوتا ہے۔

(۱۱) **تسویہ**: کبھی امر دو چیزوں میں برابری قائم کرنے کے معنی میں آتا ہے جیسے اِصْبِرُوْا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا،، کہ تم صبر کرو یا نہ کرو تمہارے لئے برابر ہے اب اس میں صبر کرانا مقصود نہیں بلکہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ صبر کرنا نہ کرنا یہ دونوں امر برابر ہیں۔

(۱۲) **اکرام**: کبھی امر اکرام کرنے اور عزت کرنے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے جیسے اُدْخُلُوْهَا بِسَلَامٍ اٰمِنِیْنَ '' سلامتی اور امن کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ یہاں امر عزت کیلئے استعمال ہوا ہے کہ تشریف لے آیئے امن اور سلامتی کے ساتھ جنت میں۔

وَاَمَّا النَّهْیُ فَهُوَ طَلَبُ الْکَفِّ عَنِ الْفِعْلِ عَلٰی وَجْهِ الْاِسْتِعْلَاءِ وَ لَهٗ صِیْغَةٌ وَّاحِدَةٌ

وَهِيَ الْمُضَارِعُ مَعَ لَا النَّاهِيَةِ كَقَوْلِهِ تَعَالٰى وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا،، وَقَدْ تَخْرُجُ صِيْغَتُهُ عَنْ مَعْنَاهَا الْاَصْلِيِّ اِلٰى مَعَانٍ اُخَرَ تُفْهَمُ مِنَ الْمَقَامِ وَالسِّيَاقِ(۱) كَالدُّعَاءِ نَحْوُ لَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَاءَ (۲) وَالْاِلْتِمَاسِ كَقَوْلِكَ لِمَنْ يُسَاوِيْكَ لَا تَبْرَحْ مِنْ مَّكَانِكَ حَتّٰى اَرْجِعَ اِلَيْكَ(۳) وَالتَّمَنِّيْ نَحْوُ لَا تَطْلُعْ فِيْ قَوْلِهٖ

يَا لَيْلُ طُلْ يَا نَوْمُ زُلْ ☆ يَا صُبْحُ قِفْ لَا تَطْلُعْ

(۴) وَالتَّهْدِيْدُ كَقَوْلِكَ لِخَادِمِكَ لَا تُطِعْ اَمْرِيْ

ترجمہ: اور بہرحال نہی وہ فعل سے رکنے کو طلب کرنا ہے اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے اور اس نہی کیلئے ایک ہی صیغہ ہے اور وہ مضارع لائے نہی کے ساتھ جیسے اللہ کا فرمان ہے "تم زمین میں فساد برپا نہ کرو اسکی اصلاح کے بعد" اور کبھی نہی کا صیغہ اپنے اصلی معنی سے نکل کر دوسرے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے جو مقام اور سیاق کلام سے معلوم ہوتا ہے۔

(۱) دعاء کے معنی میں جیسے نہ تو خوش کر میری وجہ سے دشمنوں کو۔ (۲) التماس کے معنی میں جیسے تیرا قول اپنے برابر والے سے، تو اپنی جگہ سے نہ ہٹنا یہاں تک کہ میں تیری طرف لوٹ کے آجاؤں۔

(۳) اور تمنی کے معنی میں جیسے شاعر کے قول میں تو طلوع نہ ہو

اے رات تو لمبی ہو جا اے نیند تو اڑ جا ☆ اے صبح تو ٹھر جا اور تو طلوع نہ ہو

(۴) اور تہدید کے معنی میں جیسے تیرا قول اپنے خادم کیلئے اچھا تو میرا کہنا نہ مان۔

تجزیہ عبارت: مذکورہ عبارت میں مصنفؒ نے انشاء طلبی کی دوسری قسم نہی کو بیان کیا ہے اور ساتھ اس بات کو واضح کیا ہے کہ نہی اپنے اصلی معنی کے علاوہ دوسرے کن کن معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔

تشریح:

قولہ وَاَمَّا النَّهْيُ فَهُوَ طَلَبُ الْكَفِّ الخ

نہی کی تعریف

انشاء طلبی کی دوسری قسم نہی ہے اسکی تعریف یہ ہے کہ بطور استعلاء کے ترک فعل کو طلب کرنا جیسے لَا تَضْرِبْ زَيْدًا یعنی متکلم مخاطب کو فعل کے ترک کرنے کا حکم دے رہا ہے اور متکلم مخاطب کے مقابلہ میں اپنے آپکو بلند مرتبہ سمجھتا ہو اور مخاطب کو کم درجہ کا سمجھتا ہو اگر چہ حقیقت میں متکلم عالی درجہ نہ ہو۔

قوله وَلَهُ صِيْغَةٌ وَّاحِدَةٌ الخ

نہی کا صرف ایک ہی صیغہ ہے

نہی کیلئے صرف ایک ہی صیغہ مخصوص ہے اور وہ مضارع لائے نہی کے ساتھ ہے یعنی مضارع پر لائے نہی لگا دیا جائے تو نہی بن جاتا ہے جیسے وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا " کہ تم فساد برپا نہ کرو زمین میں اسکی اصلاح کے بعد، اس آیت میں متکلم اللہ تعالیٰ ہیں اور مخاطب فسادی لوگ ہیں اللہ تعالیٰ فساد کے فعل سے روک رہے ہیں اور جیسے رب العزت کا ارشاد ہے يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ " کہ اے ایمان والو تم شکار نہ کرو احرام کی حالت میں اور جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ " کہ تم یتیم کے مال کے قریب مت جاؤ مگر احسن طریقے سے۔

قوله وَقَدْ تُخْرِجُ صِيْغَتُهٗ الخ

صیغہ نہی کا دیگر معنوں میں استعمال

نہی کا صیغہ اپنے اصلی معنی کے علاوہ چار معنوں میں استعمال ہوتا ہے (۱) الدعاء (۲) التماس (۳) التمنی (۴) التھدید، صیغہ نہی کا ان دیگر معنوں میں استعمال ہونا یہ سیاق کلام اور طرز بیان سے معلوم ہوگا۔

(۱) **نہی دُعا کے معنی میں**: کبھی نہی دعا کے معنی میں استعمال ہوتی ہے جیسے حضرت ہارونؑ نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا لَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ نہ خوش کر تو میرے دشمنوں کو اب لَا تُشْمِتْ نہی کا صیغہ ہے اسمیں طلب ہے اور طلب میں عاجزی وانکساری ہوتی ہے تو اسمیں طلب کف ہے بدون الاستعلاء، اسی طرح قرآن پاک میں ہے رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَأْنَا اسی طرح دوسری جگہ ہے رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا ان دونوں آیتوں میں نہی دعا کے معنی میں ہے۔

(۲) **نہی التماس کے معنی میں**: کبھی نہی التماس کے معنی میں استعمال ہوتی ہے جیسا تیرا قول برابر والے کیلئے لَا تَبْرَحْ مِنْ مَّكَانِكَ حَتّٰى اَرْجِعَ اِلَيْكَ کہ تو اپنی جگہ سے نہ ہٹنا جب تک میں تیرے پاس لوٹ کر نہ آجاؤں اب لَا تَبْرَحْ نہی کا صیغہ ہے اس میں فعل سے رکنے کا حکم نہیں بلکہ ہم مرتبہ ہونے کی وجہ سے طلب اور التماس ہے لہذا صیغہ نہی اپنے اصلی معنی میں نہیں ہے۔

(۳) **نہی تمنی کے معنی میں**: کبھی نہی تمنی کے معنی میں استعمال ہوتی ہے جیسے شاعر کے اس شعر میں

یَا لَيْلُ طُلْ يَا نَوْمُ زُلْ ☆ يَاصُبْحُ قِفْ لَاتَطْلُعْ

شعر کی تشریح: لَيْلُ کی جمع لَيَالِیْ بمعنی رات طُلْ ازباب نصر، لمبا ہونا طُلْ امر حاضر کا صیغہ بمعنی تو لمبا ہوجا قِفْ ازباب ضرب ٹھہرنا، رکنا قِفْ امر حاضر بمعنی تو ٹھہر جا، لَا تَطْلُعْ ازباب نصر طلوع ہونا لَا تَطْلُعْ صیغہ واحد مذکر حاضر از نہی بمعنی تو طلوع نہ ہو۔

شعر کا مطلب: اے رات تو دراز ہو اے نیند تو زائل ہوجا، اے صبح تو ٹھہر جا طلوع نہ ہو۔

محل استشہاد: لَا تَطْلُعْ صیغہ نہی تمنی کے معنی میں ہے اس میں فعل سے رکنے کا حکم نہیں ہے

کیونکہ صبح میں مخاطب کی بات سننے کی صلاحیت نہیں ہے یہاں پر طلب کف صرف تمنا کی وجہ سے ہے اور تمنا میں مطلوب کا پایا جانا کوئی ضروری نہیں ہے، تو یہاں پر صیغہ نہی اپنے اصلی معنی سے نکل کر تمنا کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

(۴) **نہی تہدید کے معنی میں:** کبھی نہی تہدید اور ڈرانے دھمکانے کے معنی میں استعمال ہوتی ہے جیسے تو اپنے خادم سے کہے لَا تُطِعْ اَمْرِیْ کہ اچھا تو میری بات نہ مان، تو یہاں پر لَا تُطِعْ صیغہ نہی اپنے اصلی معنی میں نہیں بلکہ یہاں دھمکانا مقصود ہے۔

وَ اَمَّا الْاِسْتِفْهَامُ فَهُوَ طَلَبُ الْعِلْمِ بِشَیْءٍ وَ اَدَوَاتُهُ الْهَمْزَةُ وَ هَلْ وَ مَا وَمَنْ وَ مَتٰی وَ اِیَّانَ وَ كَیْفَ وَ اَیْنَ وَ اَنّٰی وَ كَمْ وَ اَیٌّ (۱) فَالْهَمْزَةُ لِطَلَبِ التَّصَوُّرِ اَوِ التَّصْدِیْقِ وَ التَّصَوُّرُ هُوَ اِدْرَاكُ الْمُفْرَدِ كَقَوْلِكَ اَ عَلِیٌّ مُسَافِرٌ اَمْ خَالِدٌ تَعْتَقِدَانِ السَّفَرَ حَصَلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَ لٰكِنْ تَطْلُبُ تَعْیِیْنَهٗ وَ لِذَا یُجَابُ بِالتَّعْیِیْنِ فَیُقَالُ عَلِیٌّ مَثَلًا وَ التَّصْدِیْقُ هُوَ اِدْرَاكُ النِّسْبَةِ نَحْوُ اَ سَافَرَ عَلِیٌّ تَسْتَفْهِمُ عَنْ حُصُوْلِ السَّفَرِ وَ عَدَمِهٖ وَ لِذَا یُجَابُ بِنَعَمْ اَوْ لَا وَ الْمَسْئُوْلُ عَنْهُ فِی التَّصَوُّرِ مَا یَلِی الْهَمْزَةَ وَیَكُوْنُ لَهٗ مُعَادِلٌ یُذْكَرُ بَعْدَ اَمْ وَتُسَمّٰی مُتَّصِلَةً فَتَقُوْلُ فِی الْاِسْتِفْهَامِ عَنِ الْمُسْنَدِ اِلَیْهِ اَ اَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا اَمْ یُوْسُفُ وَ عَنِ الْمُسْنَدِ اَ رَاغِبٌ اَنْتَ عَنِ الْاَمْرِ اَمْ رَاغِبٌ فِیْهِ وَ عَنِ الْمَفْعُوْلِ اَاِیَّایَ تَقْصُدُ اَمْ خَالِدًا وَ عَنِ الْحَالِ اَرَاكِبًا جِئْتَ اَمْ مَاشِیًا وَ عَنِ الظَّرْفِ اَیَوْمَ الْخَمِیْسِ قَدِمْتَ اَمْ یَوْمَ الْجُمُعَةِ وَ هٰكَذَا وَ قَدْ لَا یُذْكَرُ الْمُعَادِلُ نَحْوُ اَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنِ الْاَمْرِ اَاِیَّایَ تَقْصُدُ اَرَاكِبًا جِئْتَ اَیَوْمَ الْخَمِیْسِ قَدِمْتَ وَ الْمَسْئُوْلُ عَنْهُ فِی التَّصْدِیْقِ النِّسْبَةُ وَ لَا یَكُوْنُ لَهَا مُعَادِلٌ فَاِنْ جَآءَتْ اَمْ بَعْدَهَا قُدِّرَتْ مُنْقَطِعَةً وَ تَكُوْنُ بِمَعْنٰی بَلْ

ترجمہ: اور بہر حال استفہام پس وہ کسی چیز کے متعلق علم کو طلب کرنا ہے اور اسکے حروف

ہمزہ، ھل، ما، من، متی، ایان، کیف، این، انی، کم، اور ایّ ہیں پس ہمزہ طلب تصور یا طلب تصدیق کے لے آتا ہے اور تصور وہ مفرد کے ادراک کا نام ہے جیسے تیرا قول علی مسافر ہے یا خالد، جبکہ تو اعتقاد رکھتا ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک کے لئے سفر حاصل ہوا ہے لیکن تو اس ایک کی تعیین چاہتا ہے اس لئے جواب تعیین کے ساتھ دیا جائے گا تو جواب میں مثال کے طور پر کہا جائے گا علیؓ یعنی علی سفر پر ہے۔

اور تصدیق نسبت کے جاننے کا نام ہے جیسے ''کیا علی نے سفر کیا'' آپ سفر کے حصول یا عدم حصول کے بارے میں پوچھتے ہیں اسی لئے اسکا جواب نعم یا لا کیساتھ ہوگا۔

اور طلب تصور میں جسکے متعلق سوال ہوتا ہے وہی ہوتا ہے جو ہمزہ سے ملا ہوا ہوتا ہے اور اس تصور کے مقابل وہ ہوتا ہے جسکو ام کے بعد ذکر کیا جاتا ہے اور اسکا نام رکھا جاتا ہے ام متصلہ۔

پس تو مسند الیہ کے متعلق پوچھنا چاہتا ہے تو اس طرح کہے گا ''کیا تم نے یہ کام کیا یا یوسف نے'' اسی طرح مسند کے متعلق سوال ہو ''کیا تو اس کام سے اعراض کرتا ہے یا رغبت رکھتا ہے'' یا مفعول کے متعلق سوال ہو ''کیا تو خاص میرا قصد رکھتا ہے یا خالد کا'' اور حال کے بارے میں سوال ہو ''کیا تم سوار ہو کر آئے ہو یا پیادہ'' اور ظرف کے بارے میں سوال ہو ''کیا تم جمعرات کو آئے ہو یا جمعہ کے دن'' علی ھٰذا القیاس باقی معمولات کو بھی سمجھ لو۔

اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ معادل کا ذکر نہیں کیا جاتا جیسے کیا تم نے یہ کیا ہے، کیا تم اس کام سے اعراض کرتے ہو، کیا تم میرا ہی قصد کرتے ہو، کیا تم سوار ہو کر آئے ہو، کیا تم جمعرات کو آئے ہو۔ اور طلب تصدیق میں مسئول عنہ نسبت حکمیہ ہے اور اسکے لئے کوئی دوسری چیز معادل نہیں ہوتی لیکن اسکے بعد اگر اَم آجائے تو یہ اَم منقطعہ کہلائے گا اور بَلْ کے معنی میں ہوگا۔

تجزیہ عبارت: مذکورہ عبارت میں مصنفؒ نے حروف استفہام بیان کرنے کے بعد ہمزہ کے متعلق تفصیل بیان کی ہے کہ ہمزہ کو تصور یا تصدیق کی طلب کیلئے استعمال کرتے ہیں اور باقی حروف استفہام کو صرف تصور کی طلب کیلئے استعمال کرتے ہیں۔

تشریح: قوله وَاَمَّا الْاِسْتِفْهَامُ فَهُوَ طَلَبُ الْعِلْمِ بِشَيْئٍ الخ

استفہام کی تعریف اور حروف استفہام

انشاء طلبی کی پانچ قسمیں ہیں، امر، نہی کی بات ہو چکی اب یہاں سے مصنفؒ انشاء کی تیسری قسم استفہام کی بحث شروع کرتے ہیں، استفہام کہتے ہیں مخصوص حروف کے ذریعے کسی نامعلوم چیز کے متعلق علم کو طلب کرنا جیسے هَلْ جَآءَ زَيْدٌ کیا زید آیا ہے، استفہام کا دوسرا نام استخبار بھی ہے، بعض نے استخبار اور استفہام کے درمیان فرق بھی بیان کیا ہے کہ استفہام کہتے ہیں کسی چیز کے متعلق اول مرتبہ دریافت کرنا اور استخبار کہتے پہلی مرتبہ کلام سمجھ نہ آنے کی وجہ سے دوسری مرتبہ دریافت کرنا۔

حروف استفہام گیارہ ہیں (۱) ہمزہ (۲) هَل (۳) مَا (٤) مَنْ (٥) مَتىٰ (٦) ايان (٧) كيف (٨) اين (٩) انى (١٠) كم (١١) اَيّ

قوله فَالْهَمْزَةُ لِطَلَب التَّصَوُّرِ اَو التَّصْدِيْق الخ

ہمزہ طلب تصور یا طلب تصدیق کیلئے آتا ہے: یعنی ہمزہ کو، تصور کے استفہام اور تصدیق کے استفہام دونوں کیلئے استعمال کرتے ہیں اور باقی حروف استفہام صرف تصور کے استفہام کیلئے استعمال کرتے ہیں اور تصور مفرد کے جاننے کو کہتے ہیں جیسے ''اَعَلِيٌّ مُسَافِرٌ اَمْ خَالِدٌ'' متکلم یہ تو جانتا ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک مسافر ضرور ہے لیکن تعین نہیں کہ ان دونوں میں سے کون سفر پر ہے لہذا جواب تعیین کے ساتھ دیا جائے گا لہذا جواب میں کہا جائے گا ''عَلِيٌّ مُسَافِرٌ'' اور تصدیق نسبت تامہ خبریہ کے جاننے کا نام ہے جیسے ''اَسَافَرَ عَلِيٌّ'' اس جملہ میں سائل کو پوچھنا یہ مقصود ہے کہ کیا علی سے سفر کا حصول ہوا ہے یا نہیں یہاں سوال علی کے بارے میں نہیں ہے بلکہ سفر کے بارے میں ہے لہذا جواب نعم یا لا کے ساتھ دیا جائے گا۔

قولہ :وَالْمَسْئُولُ عَنْهُ فِي التَّصَوُّرِ مَا يَلِيَ الْهَمْزَةَ الخ

طلب تصور مسؤل عنہ وہ چیز ہوگی جو ہمزہ سے متصل ہوگی:

یعنی جب ہمزہ کے ساتھ استفہام ہوگا تو مسئول عنہ کیا چیز ہوگی تو اس کے بارے میں ضابطہ ہے کہ تصور میں مسئول عنہ وہ شی ہوگی جو ہمزہ سے متصل ہوگی اور اس تصور کے مقابل وہ ہوتا ہے جسکو اَم کے بعد ذکر کیا جاتا ہے اور اس اَم کا نام رکھا جاتا ہے اَم متصلہ، چنانچہ جب تجھ کو مسند الیہ کے متعلق پوچھنا ہوتا ہے تو اسطرح پوچھتے ہو''أأَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا أَمْ يُوْسُفُ'' کیا تم نے یہ کام کیا ہے یا یوسف نے، اس مثال میں اَنت مسند الیہ مسؤل عنہ ہے کیونکہ ہمزہ کے بعد واقع ہے اور اَم متصلہ کے بعد لفظ یوسف ہے اور یہ بھی مسند الیہ ہے اور یہ معادل ہے اَنت کا، اب یہاں متکلم کا مقصود تعیین ہے یعنی وہ یہ تو جانتا ہے کہ یہ کام تم دو میں سے کسی ایک نے کیا ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ وہ کون ہے، تو متکلم سوال کے ذریعے اسکی تعیین چاہتا ہے، اسی طرح مسند کے متعلق سوال ہو''أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنِ الْأَمْرِ أَمْ رَاغِبٌ فِيْهِ'' کیا تو اس کام سے اعراض کرتا ہے یا رغبت رکھتا ہے، اس مثال میں راغب مسند ہے اور سوال مسند کے بارے میں ہے اور اسکا مقابل راغب فیہ ہے اس لئے یہ اَم متصلہ ہے، اس طرح مفعول کے متعلق سوال''أَإِيَّايَ تَقْصُدُ أَمْ خَالِدًا'' کیا تم میرا ہی قصد کرتے ہو یا خالد کا، اس مثال میں ہمزہ استفہام کے بعد اِیَّایَ مفعول بہ ہے اور اسکے متعلق سوال ہے اور اِیَّایَ کے مقابل اَم کے بعد خَالِدًا ہے اور یہ دونوں مفعول بہ ہیں اس لئے یہ ام متصلہ ہے۔

اسی طرح حال کے متعلق سوال ہو أَرَاكِبًا جِئْتَ أَمْ مَاشِيًا کیا تو سوار ہو کر آیا ہے یا پیدل، اس مثال میں راکبا حال ہے اور اسی کے متعلق سوال ہے کہ سوار آیا ہے یا پیدل، اسطرح ظرف کے متعلق سوال ہو''أَيَوْمَ الْخَمِيْسِ قَدِمْتَ أَمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اس مثال میں ظرف یوم الخمیس ہے اور اسی ظرف کے متعلق سوال ہے کہ کیا تو جمعرات کے دن آیا ہے یا جمعہ کے دن، علیٰ ھذا القیاس باقی معمولات کو سمجھ لیں۔

اس طرح کبھی معادل یعنی مساوی ذکر نہیں کیا جاتا جیسے بالترتیب اوپر والی مثالیں أأَنْتَ

فَعَلْتَ اور اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنِ الْاَمْرِ ، اِيَّایَ تَقْصِدُ، اور اَرَاكِبًا جِئْتَ اور يَوْمَ الْخَمِيْسِ
ان مثالوں میں اَنْتَ اور اِيَّایَ اور رَاكِبًا اور يَوْمَ الْخَمِيْس کا معادل مذکور نہیں ہے۔

قوله وَ الْمَسْئُوْلُ عَنْهُ فِی التَّصْدِيْقِ النِّسْبَةُ

طلب تصدیق میں مسئول عنہ نسبت حکمیہ ہے: طلب تصدیق میں مسؤل عنہ یعنی جس کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے وہ نسبت حکمیہ ہوتی ہے کہ متکلم وقوع نسبت یا عدم وقوع نسبت سے سوال کرتا ہے اور اس نسبت کا معادل ذکر نہیں کیا جاتا کیونکہ اگر معادل ذکر کریں تو مقصود بدل جائے گا کیونکہ معادل وہاں آتا ہے جس جگہ وقوع کا علم تو ہو لیکن تعیین نہ ہو اور طلب تصدیق میں تو صرف وقوع نسبت یا عدم وقوع نسبت معلوم کرنا ہوتا ہے لیکن اگر اَمْ اسکے بعد آجائے تو یہ اَم منقطعہ کہلائے گا اور بَـــلْ کے معنی میں ہوگا اور اَمْ یہ بتلائے گا کہ کلام سابق میں غلطی واقع ہوئی ہے اس کا تدارک کیا جارہا ہے۔

(۲) وَ هَـلْ لِطَلَبِ التَّصْدِيْقِ فَقَطْ نَحْوُ هَلْ جَآءَ صَدِيْقُكَ وَ الْجَوَابُ نَعَمْ اَوْ لَا وَ لِذَا يَـمْتَـنِـعُ مَـعَهَـا ذِكْـرُ الْمَعَادِلِ فَلَا يُقَالُ هَلْ جَآءَ صَدِيْقُكَ اَمْ عَدُوُّكَ وَ هَلْ تُسَـمّٰـى بَسِيْطَةً اِنِ اسْتُفْهِمَ بِهَا عَنْ وُجُوْدِ شَیْءٍ فِیْ نَفْسِهٖ نَحْوُ هَلِ الْعُنْقَآءُ مَـوْجُـوْدَةٌ وَ مُرَكَّبَةً اِنِ اسْتُفْهِمَ بِهَا عَنْ وُجُوْدِ شَیْءٍ لِشَیْءٍ نَحْوُ هَلْ تَبِيْضُ الْعُنْقَآءُ اَوْ تُفَرِّخُ (۳) وَ مَـا يُـطْلَبُ بِهَا شَرْحُ الْاِسْمِ نَحْوُ مَا الْعَسْجَدُ اَوِ اللُّجَيْنُ اَوْ حَـقِيْـقَةُ الْمُسَـمّٰـى نَـحْوُ مَا الْاِنْسَانُ اَوْ حَالُ الْمَذْكُوْرِ مَعَهَا كَقَوْلِكَ لِقَادِمٍ عَلَيْكَ مَا اَنْتَ (۴) وَ مَنْ يُّطْلَبُ بِهَا تَعْيِيْنُ الْعُقَلَآءِ كَقَوْلِكَ مَنْ فَتَحَ مِصْرَ

(۵) وَ مَتٰـى يُطْلَبُ بِهَا تَعْيِيْنُ الزَّمَانِ مَاضِيًا كَانَ اَوْ مُسْتَقْبَلًا نَحْوُ مَتٰى جِئْتَ وَ مَتٰى تَذْهَبُ (۶) وَ اَيَّانَ يُطْلَبُ بِهَا تَعْيِيْنُ الزَّمَانِ الْمُسْتَقْبِلِ خَآصَّةً وَ تَكُوْنُ فِیْ مَوْضَعِ التَّهْوِيْلِ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰی ''يَسْئَلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ''

(۷)وَ كَيْفَ يُطْلَبُ بِهَا تَعْيِيْنُ الْحَالِ نَحْوُ كَيْفَ اَنْتَ (۸)وَ اَيْنَ يُطْلَبُ بِهَا تَعْيِيْنُ الْمَكَانِ نَحْوُ اَيْنَ تَذْهَبُ (۹) وَ اَنّٰى تَكُوْنُ بِمَعْنٰى كَيْفَ نَحْوُ اَنّٰى يُحْيِىْ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بِمَعْنٰى مِنْ اَيْنَ نَحْوُ يَا مَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا وَ بِمَعْنٰى مَتٰى نَحْوُ زُرْ اَنّٰى شِئْتَ (۱۰)وَ كَمْ يُطْلَبُ بِهَا تَعْيِيْنُ عَدَدٍ مُبْهَمٍ نَحْوُ كَمْ لَبِثْتُمْ (۱۱)وَ اَىٌّ يُطْلَبُ بِهَا تَمْيِيْزُ اَحَدِ الْمُشَارَكَيْنِ فِىْ اَمْرٍ يَّعُمُّهَا نَحْوُ "اَىُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا" وَ يُسْئَلُ بِهَا عَنِ الزَّمَانِ وَ الْمَكَانِ وَ الْحَالِ وَ الْعَدَدِ وَ الْعَاقِلِ وَ غَيْرِهٖ حَسْبَ مَا تُضَافُ اِلَيْهِ.

ترجمہ: (۲)اور ھَلْ صرف تصدیق کی طلب کیلئے آتا ہے جیسے کیا تیرا دوست آیا؟ تو اسکا جواب نَعَمْ یالَا کیساتھ ہوگا اسی لئے ھَلْ کیساتھ معادل کا ذکر کرنا ممتنع ہے پس نہیں کہا جائے گا ھَلْ جَآءَ صَدِيْقُكَ اَمْ عَدُوُّكَ اور ھَلْ کا نام رکھا جاتا ہے بسیطہ اگر اسکے ذریعے سوال کیا جائے کسی شے کے فی نفسہ وجود کا، جیسے ھَلِ الْعُنْقَآءُ مَوْجُوْدَةٌ ،اور ھل مرکبہ نام رکھا جاتا ہے اگر سوال کیا جائے اسکے ساتھ کسی شے کے وجود کا دوسری شے کیلئے جیسے ھَلْ تَبِيْضُ الْعُنْقَآءُ اَوْ تُفَرِّخُ ۔

(۳)اور مَا اسکے ذریعے اسم کی شرح طلب کیجاتی ہے جیسے مَاالْعَسْجِدُ اَوِ اللُّجَيْنُ عسجد کیا چیز ہے اور لجین کیا چیز ہے یا اسکے ذریعے مسمی کی حقیقت طلب کی جاتی ہے جیسے مَاالْاِنْسَانُ انسان کی حقیقت کیا ہے یا مَا کیساتھ اسکی حالت معلوم کی جاتی ہے جو مَا کیساتھ مذکور ہو جیسے تیرا قول آنے والے کیلئے مَا اَنْتَ یعنی تو اپنا حال بتا عالم ہے یا جاہل۔

(۴)اور مَنْ کے ذریعے عقلاء کا تعین طلب کیا جاتا ہے جیسے تیرا قول مَنْ فَتَحَ مِصْرَ.

(۵)اور مَتٰى اس کے ذریعے زمانہ کی تعیین مطلوب ہوتی ہے خواہ وہ ماضی ہو یا مستقبل جیسے مَتٰى جِئْتَ اور مَتٰى تَذْهَبُ.

(۶)اور اَيَّانَ کے ذریعے خاص طور پر زمانہ مستقبل کی تعیین طلب کی جاتی ہے اور اَيَّانَ ہیبت ناک

جگہوں میں استعمال ہوتا ہے جیسے اللہ تعالی کا قول یَسْئَلُ اَیَّانَ یَوْمُ الْقِیٰمَۃِ کہ وہ سوال کرتا ہے کہ قیامت کب ہوگی؟

(۷) اور کَیْفَ کے ذریعے حال کی تعیین طلب کی جاتی ہے جیسے کَیْفَ اَنْتَ تیری حالت کیسی ہے؟

(۸) اور اَیْنَ کے ذریعے مکان کی تعیین طلب کی جاتی ہے جیسے اَیْنَ تَذْھَبُ تو کونسی جگہ جائے گا؟

(۹) اور اَنّٰی کبھی کَیْفَ کے معنی میں ہوتا ہے جیسے اَنّٰی یُحْیِیْ ھٰذِہِ اللّٰہُ بَعْدَ مَوْتِھَا کہ اللہ اسکو اسکے مرنے کے بعد کیسے زندہ کریگا؟ اور اَنّٰی کبھی مِنْ اَیْنَ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے یَا مَرْیَمُ اَنّٰی لَکِ ھٰذَا اے مریم تمہارے لئے بے موسم پھل کہاں سے آتے ہیں؟ اور اَنّٰی کبھی مَتٰی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے زُرْ اَنّٰی شِئْتَ کہ تو جب چاہے زیارت کر۔

(۱۰) اور کَمْ اسکے ذریعے عدد مبہم کی تعیین طلب کیجاتی ہے جیسے کَمْ لَبِثْتُمْ کہ تم کتنے دن ٹھہرے ہو؟

(۱۱) اور اَیٌّ کے ذریعے طلب کیا جاتا ہے کسی امر عام میں شریک دو چیزوں میں سے ایک چیز کی تمیز کو جیسے "اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ خَیْرٌ مُّقَامًا" کہ دو فریقوں میں سے کونسا فریق از روئے مقام کے بہتر ہے اور اَیٌّ کے ذریعے سوال کیا جاتا ہے زمانہ کا، مکان کا، حال کا، عدد کا، عاقل کا اور غیر عاقل کا اسکے مطابق جس کی طرف اَیٌّ کی اضافت کی گئی ہو۔

تجزیہ عبارت: مذکورہ عبارت میں مصنفؒ نے حروف استفہام میں سے ھَلْ، مَا، مَنْ، مَتٰی، اَیَّانَ، کَیْفَ، اَیْنَ، اَنّٰی، کَمْ اور اَیٌّ کے متعلق تفصیل بیان کی ہے۔

تشریح: قولہ وَھَلْ لِطَلَبِ التَّصْدِیْقِ فَقَطْ الخ

(۳) ھل طلب تصدیق کیلئے آتا ہے

حروف استفہام میں سے دوسرا حرف ھَلْ ہے اور یہ صرف تصدیق کی طلب کیلئے آتا ہے جیسے ھَلْ جَاءَ صَدِیْقُکَ کیا تیرا دوست آیا ہے تو اسکا جواب نَعَمْ یا لَا کے ساتھ ہوگا، ھل

استفہامیہ چونکہ طلب تصدیق کیلئے آتا ہے اسلئے ھل کیساتھ معادل کا ذکر ممتنع ہوگا لہذا هَلْ جَاءَ صَدِيْقُكَ اَمْ عَدُوُّكَ کہنا صحیح نہ ہوگا۔

قوله وَ هَلْ تُسَمّٰى بَسِيْطَةً الخ

ھل بسیطہ اور مرکبہ

ھل کی دو قسمیں ہیں (۱) ھل بسیطہ (۲) ھل مرکبہ

(۱) **ھل بسیطہ**: اسے کہتے ہیں کہ اسکے ذریعے صرف کسی شے کے وجود کے متعلق سوال کیا جائے یعنی اس میں مقصود یہ ہوتا ہے کہ هَلْ کا مابعد خارج میں موجود ہے یا نہیں جیسے هَلِ الْعُنَقَاءُ مَوْجُوْدَةٌ ھل بسیطہ کی پہچان یہ ہے کہ جس کلام میں ھل بسیطہ ہو تو اسکا محمول افعال عامہ میں سے کوئی فعل ہوگا افعال عامہ چار ہیں کون است و حصول است و وجود است و ثبوت۔

(۲) **ھل مرکبہ**: اسے کہتے ہیں کہ اسکے ذریعے سے ایک چیز کا ثبوت دوسری چیز کیلئے ہونا دریافت کیا گیا ہو هَلْ تَبِيْضُ الْعُنَقَاءُ اَوْ تُفَرِّخُ کیا عنقاء انڈے دیتی ہے یا بچے، ھل مرکبہ میں سائل کو هَلْ کے مدخول کے وجود یا عدم وجود کا تو علم ہے لیکن اسکی کسی صفت خاص کا حال معلوم کرنا چاہتا ہے مذکورہ مثال میں سائل کو وجود عنقاء کا تو علم ہے لیکن اسکی صفت خاص کو جاننا چاہتا ہے کہ آیا عنقاء انڈے دیتی ہے یا بچے، ھل مرکبہ کی پہچان یہ ہے کہ جس جملہ میں ھل مرکبہ ہوگا اسکا محمول افعال خاصہ میں سے ہوگا اور وہ یہ ہیں اکل، شرب، قیام، قعود اور نوم وغیرہ۔

قوله وَمَا يُطْلَبُ بِهَا شَرْحُ الْاِسْمِ الخ

(۳) ما شارحہ اور ما حقیقیہ

یہاں سے مصنفؒ حروف استفہام میں سے تیسرے حرف ما استفہامیہ کے متعلق بیان

کرتے ہیں کہ ما استفہامیہ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) ما شارحۃ (۲) ما حقیقیۃ

ما شارحۃ کی تعریف: اسے کہتے ہیں جسکے ذریعے کسی اسم کی شرح طلب کیجائے یعنی جس سے کلمہ کے مفہوم لغوی یا اصطلاحی کی اجمالی شرح مطلوب ہو لہذا مَا کا جواب وہ دیا جائیگا جو مطلوبہ چیز سے زیادہ مشہور ہو مَا الْعَسْجَدُ اَوِ اللُّجَیْنُ کہ عسجد او لجین کیا چیز ہے تو اسکا جواب مشہور لفظ سے دیا جائے گا یوں کہا جائے "اَلْعَسْجَدُ هُوَ الذَّهَبِ" کہ عسجد وہ سونا ہے "اَللُّجَیْنُ هُوَ الْفِضَّةِ" کہ لجین چاندی ہے۔

ما حقیقیۃ کی تعریف: ماحقیقیۃ اسکو کہتے ہیں کہ اسکے ذریعے مسمّٰی کی ماہیت اور حقیقت معلوم کی جائے تو جواب میں ذاتیات کو لایا جائے گا یعنی جنس، نوع اور فصل کو جیسے سائل کہے مَا الْاِنْسَانُ کہ انسان کی حقیقت و ماہیت کیا ہے تو جواب میں حَیَوَانٌ نَاطِقٌ کہا جائے گا۔

اور کبھی مَا کے ذریعے مسمّٰی کی حقیقت و ماہیت کے علاوہ اسکی خاص صفت اور حالت بھی معلوم کی جاتی ہے جیسے نامعلوم آنے والے آدمی سے پوچھا جائے مَا اَنْتَ یعنی تو اپنا حال بتا اَیُ عَالِمٌ اَوْ جَاهِلٌ تو یہاں صفت خاص معلوم کرنا مقصود ہے حقیقت و ماہیت معلوم کرنا مقصود نہیں لہذا اسکا جواب تعیین وصف کے ساتھ دیا جائے گا مثلاً یوں کہا جائے گا اَنَا عَالِمٌ۔

قوله وَمَنْ یُطْلَبُ بِهَا تَعْیِیْنُ الْعُقَلَاءِ الخ

(۴) مَنْ کے ذریعے ذوی العقول کی تعیین مقصود ہوتی ہے

یہاں سے مصنفؒ حروف استفہام میں سے چوتھے حرف مَنْ کو بیان کر رہے ہیں کہ مَنْ کے ذریعے اکثر طور پر ذوی العقول کی تعیین باعتبار اشخاص مطلوب ہوتی ہے جیسے مَنْ فَتَحَ مِصْرَ تو اسکا جواب معین شخص کے ساتھ دیا جائیگا اور جواب میں کہا جائے گا عمرو بن العاصؓ

اور کبھی مَنْ کے ذریعے جنس کی تعیین مقصود ہوتی ہے جیسے تو کہے مَنْ جِبْرَآئِیْلُ کہ جبرائیل انسان، جن اور فرشتہ میں سے کونسی جنس ہے تو جواب میں کہا جائیگا ھُوَ مَلَکٌ متعین جنس کیساتھ۔

قولہ وَ مَتٰی یُطْلَبُ بِھَا تَعْیِیْنُ الزَّمَانِ الخ

(۵) مَتٰی کے ذریعے زمانے کی تعیین مطلوب ہوتی ہے

یہاں سے مصنفؒ حروف استفہام میں سے پانچویں حرف مَتٰی کو بیان کررہے ہیں کہ مَتٰی کے ذریعے صرف زمانے کی تعیین مطلوب ہوتی ہے خواہ زمانہ ماضی ہو جیسے مَتٰی جِئْتَ تو جواب میں کہا جائے گا صَبَاحًا ،خواہ زمانہ مستقبل ہو جیسے مَتٰی تَذْھَبُ تو جواب میں کہا جائے گا بَعْدَ اُسْبُوْعٍ۔

قولہ وَاَیَّانَ یُطْلَبُ بِھَا تَعْیِیْنُ الزَّمَانِ الْمُسْتَقْبِلِ الخ

(۶) اَیَّانَ کے ذریعے زمانہ مستقبل کی تعیین مطلوب ہوتی ہے

یہاں سے مصنفؒ حروف استفہام میں سے چھٹے حرف اَیَّانَ کو بیان کررہے ہیں کہ اَیَّانَ کے ذریعے خاص طور پر زمانہ مستقبل کی تعیین مقصود ہوتی ہے اور اَیَّانَ کسی ہیبت ناک اور عظیم الشان موقع پر استعمال ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول یَسْئَلُ اَیَّانَ یَوْمُ الْقِیٰمَۃِ کہ وہ سوال کرتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہوگا۔

قولہ وَ کَیْفَ یُطْلَبُ بِھَا الخ

(۷) کَیْفَ کے ذریعے حال کی تعیین مقصود ہوتی ہے

یہاں سے صاحب کتاب حروف استفہام میں سے ساتویں کَیْفَ کو بیان کررہے ہیں کہ کَیْفَ کے ذریعے حال کی تعیین دریافت کیجاتی ہے جیسے کَیْفَ اَنْتَ کہ تم کس حال سے متصف ہو صَحِیْحٌ اَمْ سَقِیْمٌ کہ تندرست ہو یا بیمار، یا کَیْفَ حالت دریافت کرنے کیلئے آتا ہے کَیْفَ

جِئْتَ اَیْ رَاکِبًا اَوْ مَاشِیًا کہ تم کسطرح آئے ہو سوار یا پیدل۔

قولہ وَ اَیْنَ یُطْلَبُ بِھَا الخ

(۸) اَیْنَ کے ذریعے مکان کی تعیین مطلوب ہوتی ہے

یہاں سے مصنفؒ حروف استفہام میں سے آٹھویں حرف اَیْنَ کو بیان کررہے ہیں کہ اَیْنَ کے ذریعے مکان کی تعیین دریافت کی جاتی ہے جیسے اَیْنَ تَذْھَبُ، تو کہاں جائے گا یا تم کس جگہ جاؤ گے تو جواب میں کہا جائے گا کہ اِلٰی مَسْجِدٍ۔

قولہ وَ اَنّٰی تَکُوْنُ بِمَعْنٰی کَیْفَ الخ

(۹) اَنّٰی تین معنوں میں استعمال ہوتا

یہاں سے صاحب کتاب نے حروف استفہام میں سے نویں حرف اَنّٰی کو بیان کررہے ہیں کہ اَنّٰی تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے (۱) اَنّٰی کَیْفَ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے لیکن اسکے بعد فعل کا ہونا ضروری ہے چاہے فعل مضارع ہو جیسے اَنّٰی یُحْیِیْ ھٰذِہِ اللّٰہُ بَعْدَ مَوْتِھَا چاہے فعل ماضی ہو جیسے فَأْتُوا حَرْثَکُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ اَیْ عَلٰی اَیِّ حَالٍ شِئْتُمْ کہ جس حال میں تم چاہو لیٹ کر، بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر (۲) کبھی اَنّٰی مِنْ اَیْنَ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے ''یَا مَرْیَمُ اَنّٰی لَكِ ھٰذَا'' اے مریم کہاں سے تیرے پاس یہ بے موسم پھل آیا ہے (۳) کبھی اَنّٰی مَتٰی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے زُرْنِیْ اَنّٰی شِئْتَ کہ جب تیرا جی چاہے میری زیارت کر۔

قولہ وَ کَمْ یُطْلَبُ بِھَا الخ

(۱۰) کَمْ کے ذریعے عدد مبہم کی تعیین مقصود ہوتی ہے

یہاں سے صاحب دروس البلاغہ حروف استفہام میں سے دسویں حرف کَمْ کو بیان کر رہے ہیں کہ کَمْ کے ذریعے عدد مبہم کی تعیین مقصود ہوتی ہے جیسے کَمْ لَبِثْتُمْ کہ کس قدر تم ٹھہرے

مراد یہ ہے کہ کتنے برس یا کتنے دن یا کتنے گھنٹے تم ٹھہرے، کبھی کَــمْ کے ذریعے سوال کرنے سے مقصود عدد کی تعیین مراد نہیں ہوتی بلکہ ڈانٹ ڈپٹ مقصود ہوتی ہے جیسے کَمْ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ کہ کتنی ہم نے ان کو واضح نشانیاں دیں اس آیت میں اگر چہ لفظ کَــمْ سے عدد کا سوال کیا ہے لیکن حقیقت میں عدد کا سوال مقصود نہیں بلکہ زجر اور توبیخ مقصود ہے۔

قوله وَاَیٌّ یُطْلَبُ بِهَا الخ

(۱۱) اَیٌّ کے ذریعے کسی امر عام میں شریک دو چیزوں میں سے ایک کی تعیین مقصود ہوتی ہے

یہاں سے صاحب کتاب حروف استفہام میں سے گیارھویں حرف اَیٌّ کو بیان کر رہے ہیں کہ اَیٌّ کے ذریعے ایسی دو یا کئی چیزوں میں سے ایک کی تمیز مقصود ہوتی ہے جو کسی ایک شے میں باہم شریک ہوں جیسے اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ خَیْرٌ مَّقَامًا کہ ہر دو فریق میں سے مرتبہ اور مقام کے اعتبار سے کونسا بہتر ہے اور کبھی اَیٌّ کے ذریعے زمان، مکان، حال، عدد، عاقل اور غیر عاقل میں سے حسب اضافت سب کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے یعنی جس وقت امورِ مذکورہ میں سے کسی امر کیطرف اَیٌّ مضاف ہوگا اس وقت وہی امر متعین ہوگا اور اسی کے متعلق سوال ہوگا۔

وَقَدْ تَخْرُجُ اَلْفَاظُ الْاِسْتِفْهَامِ عَنْ مَعْنَاهَا الْاَصْلِیِّ لِمَعَانٍ اُخَرَ تُفْهَمُ مِنْ سِیَاقِ الْكَلَامِ

(۱) كَالتَّسْوِيَةِ نَحْوُ "سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ" (۲) وَالنَّفْيِ نَحْوُ "هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ" (۳) وَالْاِنْكَارِ نَحْوُ "اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ" "اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ" (٤) وَالْاَمْرِ نَحْوُ "فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ" وَنَحْوُ "ءَاَسْلَمْتُمْ" بِمَعْنٰى اِنْتَهُوْا وَ اَسْلِمُوْا (٥) وَالنَّهْيِ "اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ"

(۶) وَالتَّشْوِيْقِ نَحْوُ "هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ"

(۷) وَالتَّعْظِيْمِ نَحْوُ "مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ"

(۸) وَالتَّحْقِيْرِ نَحْوُ اَهٰذَا الَّذِيْ مَدَحْتَهٗ كَثِيْرًا

(۹) وَالتَّهَكُّمِ نَحْوُ اَعَقْلُكَ يُسَوِّغُ لَكَ اَنْ تَفْعَلَ كَذَا

(۱۰) وَالتَّعَجُّبِ نَحْوُ "مَا لِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ"

(۱۱) وَالتَّنْبِيْهِ عَلَى الضَّلَالِ نَحْوُ "فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ"

(۱۲) وَالْوَعِيْدِ نَحْوُ اَتَفْعَلُ كَذَا وَقَدْ اَحْسَنْتُ اِلَيْكَ

ترجمہ: اور کبھی نکالا جاتا ہے الفاظ استفہام کو اپنے اصلی معنی سے دوسرے معنی کی طرف وہ معنی کلام کے سیاق وسباق سے سمجھا جاتا ہے۔

(۱) تسویہ کے معنی یعنی برابری کے معنی میں جیسے "برابر ہے ان پر آپ انکو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں"۔

(۲) نفی کے معنی میں جیسے "نہیں احسان کا بدلہ مگر احسان"۔

(۳) انکار کے معنی میں جیسے "کیا تم اللہ کے علاوہ کو پکارتے ہو" "کیا اللہ اپنے بندے کیلئے کافی نہیں"۔

(۴) امر کے معنی میں جیسے "کیا تم باز آنے والے ہو" اور جیسے "کیا تم اسلام لے آئے ہو" بمعنی تم اسلام لے آؤ اور باز آجاؤ۔

(۵) نہی کے معنی میں "کیا تم ان سے ڈرتے ہو پس اللہ زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو"۔

(۶) رغبت اور شوق دلانے کے معنی میں جیسے "کیا تم کو ایسی تجارت بتاؤں جو تم کو دردناک عذاب سے نجات دے"۔

(۷) تعظیم کے معنی میں جیسے "کون ہے شخص جو سفارش کرے اللہ تعالیٰ کے ہاں بجز اسکی اجازت کے"۔

(۸) تحقیر کے معنی میں جیسے، کیا یہ وہی شخص ہے جسکی تو بہت تعریف کرتا ہے۔

(۹) مذاق اڑانے کے معنی میں جیسے، کیا تیری عقل اجازت دیتی ہے تجھے کہ تو ایسا کرے۔

(۱۰) تعجب کے معنی میں کہ "اس رسول کو کیا ہو گیا کہ یہ تو کھانا کھاتا ہے اور بازار میں چلتا ہے"۔

(۱۱) گمراہی پر تنبیہ کرنے کے معنی میں جیسے کہ، تم کدھر جارہے ہو۔

(۱۲) وعید کے معنی میں، جیسے تو ایسا کرے گا حالانکہ میں تجھ پر احسان کر چکا ہوں۔

تجزیہ عبارت: مذکورہ عبارت میں صاحب دروس البلاغہ نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ کبھی حروف استفہام اپنے اصلی معنی سے نکل کر دوسرے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں جو سیاق کلام سے سمجھے جاتے ہیں۔

تشریح: وَقَدْ تُخْرَجُ اَلْفَاظُ الْاِسْتِفْهَامِ الخ

حروف استفہام کا اپنے اصلی معنی سے نکل کر دوسرے معنی میں استعمال ہونا

مصنفؒ حروف استفہام کے معنی بیان کرنے کے بعد اس بات کو بیان کررہے ہیں کہ کبھی کلمات استفہام اپنے اصلی معنی سے نکل کر دوسرے مندرجہ ذیل معنوں میں مستعمل ہوتے ہیں۔

(۱) **تسویہ کے معنی:** کبھی حروف استفہام میں سے ہمزہ اور اَمْ اپنے اصلی معنی استفہام سے نکل کر تسویہ یعنی برابری کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں جیسے قرآن پاک میں ہے سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ ، کہ ان کیلئے برابر ہے آپ ان کو عذاب سے ڈرائیں یا نہ ڈرائیں اس آیت میں ہمزہ اور اَمْ اصلی معنی استفہام میں استعمال نہیں ہوئے بلکہ تسویہ کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔

(۲) **نفی کے معنی:** کبھی حروف استفہام میں سے ھَلْ اپنے اصلی معنی استفہام سے نکل کر نفی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے ھَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانِ کہ نہیں ہے بدلہ احسان کا سوائے احسان کے اس آیت میں ھَلْ استفہامیہ نفی کے معنی میں ہے۔

(۳) **انکار کے معنی میں:** کبھی حروف استفہام میں سے ہمزہ انکار کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے اَغَیْرَ اللّٰہِ تَدْعُوْنَ ، کیا تم اللہ کے علاوہ کو پکارتے ہو اس آیت میں اَغَیْرَ اللّٰہِ میں ہمزہ، اصلی معنی استفہام سے نکل کر انکار کے معنی میں استعمال ہوا ہے کہ تم اللہ کے غیر کی پرستش نہ کرو اسی طرح اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کیا اللہ اپنے بندے کیلئے کافی نہیں ہے اس آیت میں ہمزہ استفہام انکاری، کلمہ نفی پر داخل ہے اور قاعدہ ہے کہ نفی پر نفی داخل ہو تو اثبات کا فائدہ دیتی ہے تو معنی ہوگا اللہ اپنے بندے کیلئے کافی ہے۔

(۴) **امر کے معنی:** حروف استفہام میں سے ہمزہ اور ھل اپنے اصلی معنی استفہام سے نکل کر امر کے معنی میں استعمال ہو رہے ہیں فَھَلْ اَنْتُمْ مُنْتَھُوْنَ کیا تم باز آنے والے ہو اس آیت میں ھَلْ امر کے معنی میں ہے کہ تم باز آجاؤ اور دوسری آیت میں ہے ءَاَسْلَمْتُمْ کیا تم اسلام لے آئے ہو اس مثال میں ہمزہ استفہام امر کے معنی میں ہے کہ تم اسلام لے آؤ۔

(۵) **نہی کے معنی میں:** کبھی حروف استفہام میں سے ہمزہ نہی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے اَتَخْشَوْنَھُمْ فَاللّٰہُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْہُ کیا تم ان لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ اللہ زیادہ حق دار ہیں کہ تم اس سے ڈرو اس آیت میں اَتَخْشَوْنَھُمْ میں ہمزہ نہی کے معنی میں ہے تو معنی ہوگا کہ تم ان لوگوں سے نہ ڈرو بلکہ اللہ سے ڈرو۔

(۶) **رغبت اور شوق دلانے کے معنی میں:** کبھی حروف استفہام میں سے

ھَـلْ اپنے اصلی معنی سے نکل کر رغبت اور شوق دلانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے قرآن پاک میں ہے ھَـلْ اَدُلُّـكُـمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ، کیا میں تمہیں ایسی تجارت نہ بتاؤں جو تمہیں ایک دردناک عذاب سے بچائے ،اس آیت مبارکہ میں ھَـلْ اَدُلُّـكُـمْ میں ھَلْ استفہام کیلئے نہیں بلکہ رغبت اور شوق دلانے کے معنی میں ہے۔

(۷) **تعظیم کے معنی میں:** کبھی حروف استفہام میں سے مَـنْ اپنے اصلی معنی استفہام سے نکل کر تعظیم کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے قرآن پاک میں ہے مَنْ ذَا الَّـذِیْ يَشْـفَـعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ، کون ہے ایسا جو اللہ کے سامنے کسی کی سفارش کرے مگر اسکی اجازت سے ،اس آیت مَـنْ ذَا الَّـذِیْ میں مَـنْ تعظیم کیلئے ہے اور استفہام بمعنی نفی کے ہے اور مقصود یہاں پر اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرنا ہے کہ کون ہے ایسا جو اللہ رب العزت کے سامنے کسی کی سفارش کرے یعنی کوئی بھی نہیں ،تو یہاں تعظیم کلمہ استفہام کے مدخول کی نہیں بلکہ استفہام کے متعلق یعنی رب العزت کی تعظیم کرنا مقصود ہے۔

(۸) **تحقیر کے معنی میں:** کبھی حروف استفہام میں سے ہمزہ اپنے استفہام کے معنی سے نکل کر حقارت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے اَھٰـذَا الَّذِیْ مَدَحْتَهٗ كَثِيْرًا کیا یہ وہی شخص ہے کہ جسکی تو نے بہت تعریف کی ہے اس مثال اَھٰذَا الَّذِیْ میں ہمزہ مشار الیہ کی حقارت بیان کرنے کیلئے لایا گیا ہے۔

(۹) **استہزاء کے معنی میں:** کبھی حروف استفہام میں سے ہمزہ اپنے اصلی معنی سے نکل کر استہزاء اور تمسخر کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے اَعَـقْـلُكَ يُسَـوِّغُ لَكَ اَنْ تَـفْـعَلَ كَذَا کیا تیری عقل تجھے اجازت دیتی ہے کہ تو ایسا کرے اس مثال اَعَـقْلُكَ میں ہمزہ استفہام کیلئے نہیں کہ یہ پوچھنا مقصود نہیں کہ تیری عقل اجازت دیتی ہے یا نہیں بلکہ مذاق اور استہزاء مقصود ہے کہ تیری

عقل کا یہی تقاضا ہے کہ تو ایسا کرے۔

(۱۰) **تعجب کے معنی میں**: کبھی حروف استفہام میں سے مَا اپنے اصلی معنی استفہام میں سے نکل کر تعجب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے قرآن پاک میں ہے مَا لِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِىْ فِى الْاَسْوَاقِ اس رسول کو کیا ہو گیا کہ عام لوگوں کی طرح کھاتا پیتا ہے اور بازاروں میں بھی چلتا پھرتا ہے اس مثال مَا لِهٰذَا الرَّسُوْلِ میں مَا استفہام کے معنی میں نہیں بلکہ تعجب کے اظہار کیلئے ہے جب کافروں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ دوسرے لوگوں کی طرح کھاتے پیتے اور بازار میں بھی چلتے پھرتے ہیں تو انکو تعجب ہوا کہ یہ رسول کیسے ہو سکتا ہے کہ اسکے ساتھ تو بشری تقاضے ہیں کیونکہ وہ رسول کو بشری تقاضوں سے پاک سمجھتے تھے۔

(۱۱) **گمراہی پر تنبیہ کے معنی میں**: کبھی حروف استفہام میں سے اَیْنَ اپنے اصلی معنی استفہام سے نکل کر غلطی اور گمراہی پر تنبیہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے فَاَیْنَ تَذْهَبُوْنَ کہ تم کدھر کو جا رہے ہو اس مثال فَاَیْنَ تَذْهَبُوْنَ میں اَیْنَ سے استفہام مقصود نہیں بلکہ غلطی اور گمراہی پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ کہاں گمراہیوں میں بھٹکتے جا رہے ہو خیال کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے راہ نجات کفر نہیں بلکہ اسلام ہے۔

(۱۲) **وعید اور دھمکی کے معنی میں**: کبھی حروف استفہام میں سے ہمزہ اپنے اصلی معنی استفہام سے نکل کر ڈرانے اور دھمکانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے اَتَفْعَلُ كَذَا وَقَدْ اَحْسَنْتُ اِلَيْكَ، کہ تو میرے ساتھ ایسا کرتا ہے حالانکہ میں تجھ پر احسان کر چکا ہوں اس مثال اَتَفْعَلُ كَذَا میں ہمزہ استفہام کیلئے نہیں بلکہ وعید اور دھمکی کے معنی میں ہے کہ میں نے تجھ پر احسان کیا اور تو یہ کر رہا ہے پھر نتیجہ کا خیال کر لینا یعنی سوء مکافات پر زجر ہے۔

وَ اَمَّا التَّمَنِّیْ فَهُوَ طَلَبُ شَیْءٍ مَّحْبُوْبٍ لَا یُرْجٰی حُصُوْلُهٗ لِکَوْنِهٖ مُسْتَحِیْلًا اَوْ بَعِیْدَ الْوُقُوْعِ کَقَوْلِهٖ

اَلَا لَیْتَ الشَّبَابَ یَعُوْدُ یَوْمًا ☆ فَاُخْبِرَهٗ بِمَا فَعَلَ الْمَشِیْبُ

وَقَوْلِ الْمُعْسِرِ لَیْتَ لِیْ اَلْفَ دِیْنَارٍ وَ اِذَا کَانَ الْاَمْرُ مُتَوَقَّعَ الْحُصُوْلِ فَاِنَّ تَرَقُّبَهٗ یُسَمّٰی تَرَجِّیًا وَ یُعَبَّرُ عَنْهُ بِعَسٰی اَوْ لَعَلَّ نَحْوُ لَعَلَّ اللّٰهَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا وَ لِلتَّمَنِّیْ اَرْبَعُ اَدَوَاتٍ وَاحِدَةٌ اَصْلِیَّةٌ وَ هِیَ لَیْتَ وَ ثَلٰثَةٌ غَیْرُ اَصْلِیَّةٍ وَ هِیَ هَلْ نَحْوُ ''فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَیَشْفَعُوْا لَنَا'' وَ لَوْ ''نَحْوُ فَلَوْ اَنَّ لَنَا کَرَّةً فَنَکُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ'' وَ لَعَلَّ نَحْوُ قَوْلِهٖ

اَسِرْبَ الْقَطَا هَلْ مَنْ یُّعِیْرُ جَنَاحَهٗ ☆ لَعَلِّیْ اِلٰی مَنْ قَدْ هَوِیْتُ اَطِیْرُ

وَ لِاسْتِعْمَالِ هٰذِهِ الْاَدَوَاتِ فِی التَّمَنِّیْ یُنْصَبُ الْمُضَارِعُ الْوَاقِعُ فِیْ جَوَابِهَا

وَ اَمَّا النِّدَآءُ فَهُوَ طَلَبُ الْاِقْبَالِ بِحَرْفٍ نَائِبٍ مَنَابَ اَدْعُوْ وَاَدَوَاتُهٗ ثَمَانِیَةٌ یَا وَ الْهَمْزَةُ وَ اَیْ وَ ا وَ آیْ وَاَیَا وَ هَیَا وَ وَا فَالْهَمْزَةُ وَاَیْ لِلْقَرِیْبِ وَغَیْرُهُمَا لِلْبَعِیْدِ وَ قَدْ یُنَزَّلُ الْبَعِیْدُ مَنْزِلَةَ الْقَرِیْبِ فَیُنَادٰی بِالْهَمْزَةِ وَ اَیْ اِشَارَةً اِلٰی اَنَّهٗ لِشِدَّةِ اِسْتِحْضَارِهٖ فِیْ ذِهْنِ الْمُتَکَلِّمِ صَارَ کَالْحَاضِرِ مَعَهٗ کَقَوْلِ الشَّاعِرِ

اَسُکَّانَ نَعْمَانِ الْاَرَاکِ تَیَقَّنُوْا ☆ بِاَنَّکُمْ فِیْ رَبْعِ قَلْبِیْ سُکَّانُ

ترجمہ: بہر حال تمنی وہ ایسی محبوب چیز کے طلب کرنے کو کہتے ہیں جسکے حصول کی امید نہ ہوا سکے محال ہونے یا اسکے بعید الوقوع ہونے کیوجہ سے، جیسے شاعر کا قول ہے'' کاش کہ میری جوانی کسی دن لوٹ آتی تو میں اسے بتاتا جو بڑھاپے نے میرے ساتھ کیا ہے'' اور جیسے تنگ دست کا قول'' کاش کہ میرے پاس ہزار دینار ہوتے'' اگر وہ امر مطلوب متوقع حصول ہوتو اسکا انتظار ترجی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور اسکی تعبیر لَعَلَّ اور عسٰی کیساتھ کی جائے گی جیسے امید ہے کہ اللہ تعالی اسکے بعد کوئی صورت پیدا کردے، اور تمنا کیلئے چار حروف ہیں ایک اصلی ہے اور وہ لَیْتَ ہے

اور تین غیر اصلی ہیں ایک هَلْ ہے جیسے ''اے کاش ہمارے لئے سفارش کرنے والے ہوتے کہ وہ ہماری سفارش کرتے'' اور لَوْ ہے جیسے ''اے کاش کہ ہمارے لئے دنیا میں لوٹنا ہوتا تو ہم مؤمنوں میں سے ہوتے'' اور لَعَلَّ ہے جیسے شاعر کے قول میں

''اے قطا کے جھنڈ کیا کوئی ہے جو اپنا پر عاریۃً دے دے، تا کہ میں اسکے پاس اڑ کر پہنچ جاؤں جس سے میں محبت کرتا ہوں'' اور تمنی میں ان کلمات کے استعمال کی وجہ سے مضارع کو نصب دیا جاتا ہے جو مضارع واقع ہوا انکے جواب میں، اور بہر حال ندا پس وہ توجہ کو طلب کرنا ایسے حروف کے ذریعے جو اُدْعُو کے قائم مقام ہو اور اس کے آٹھ حروف ہیں یا، ہمزہ، ای، ا، آی، ایا، ھیا، وا، پس ہمزہ اور اَیْ قریب کیلئے ہیں اور ان دونوں کے علاوہ بعید کیلئے ہیں اور کبھی اتارا جاتا ہے بعید کو بمنزلہ قریب پس ندا دی جاتی ہے ہمزہ اور ای کے ساتھ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ منادٰی متکلم کے ذہن میں اسقدر گھر کر گیا ہے کہ وہ بعید ہونے کے باوجود ایسے ہو گیا ہے کہ متکلم کے سامنے موجود ہے جیسے شاعر کا قول ہے ''اے نعمان اراک کے رہنے والو تم یقین کر لو کہ تم میرے دل کی گہرائی میں رہتے ہو''

تجزیہ عبارت: مذکورہ عبارت میں مصنفؒ نے انشاء طلبی کی قسموں میں سے تمنی اور ندا کو ذکر کیا ہے اور انکی تفصیل ذکر کی ہے۔

تشریح: قوله وَ اَمَّا التَّمَنِّیْ فَهُوَ طَلَبُ شَیْءٍ مَّحْبُوْبٍ الخ

تمنی کی تعریف

صاحب کتاب یہاں سے انشاء طلبی کی چوتھی قسم تمنی کو بیان کر رہے ہیں تمنی کا معنی خواہش کرنا، امید کرنا اور اصطلاح میں تمنی کہتے ہیں کسی ایسی مرغوب اور محبوب چیز کو طلب کرنا جس کے ملنے کی امید نہ ہو بلکہ محض طمع اور لالچ کی بنا پر طلب کر رہا ہو یا تو اسکا حصول محال اور ناممکن ہو

جیسے شاعر کے قول میں،

شعر اَلَا لَیْتَ الشَّبَابَ یَعُوْدُ یَوْمًا ☆ فَاُخْبِرُهُ بِمَا فَعَلَ الْمَشِیْبُ

شعر کی تشریح: لَیْتَ تمنی کے لئے مستعمل ہے شَبَابُ از باب ضرب، بمعنی جوان ہونا، یَعُوْدُ صیغہ واحد مذکر غائب مضارع معروف از باب نصر بمعنی لوٹنا، فَاُخْبِرُهُ صیغہ واحد متکلم مضارع معروف از باب افعال بمعنی خبر دینا، مَشِیْبُ مصدر میمی از باب ضرب بمعنی بالوں کا سفید ہونا، بوڑھا ہونا۔

شعر کا مطلب: اے کاش کہ میری جوانی کسی دن لوٹ آتی تو میں اسے ان تمام واقعات سے مطلع کرتا جو بڑھاپے نے میرے ساتھ برتے ہیں۔

محل استشہاد: اس شعر میں محل استشہاد اَلَا لَیْتَ الشَّبَابَ یَعُوْدُ ہے کاش کہ جوانی لوٹ آتی جوانی کے زمانہ کا عقلاً واپس آنا محال ہے صرف تمنا ہو رہی ہے۔

یا ایسی چیز کی تمنا کرنا جسکا وقوع خارج میں بعید ہو جیسے کوئی فقیر اور تنگ دست کہے لَیْتَ لِیْ اَلْفَ دِیْنَارٍ کاش میرے پاس ہزار دینار ہوتے، یہاں مطلوب کا وقوع عادۃً مشکل ہے کیونکہ عادۃً فقیروں اور تنگ دستوں کے پاس اتنی زیادہ رقم بہت کم جمع ہوتی ہے اب فقیر کیلئے ہزار دینار کا حصول محال تو نہیں البتہ بعید الوقوع ضرور ہے۔

قولہ وَاِذَا کَانَ الْاَمْرُ مُتَوَقَّعُ الْحُصُوْلِ الخ

ترجی کی تعریف

اگر امر مطلوب و مرغوب متوقع الحصول ہو اور عقلاً یا عادۃً محال نہ ہو تو اس مطلوب کی طلب کو ترجی کہتے ہیں اسوقت شے مطلوب کو ایسے کلمات سے ظاہر کیا جائے گا جو ترجی پر دلالت

کرتے ہوں اور ادوات ترجی دو ہیں (۱) عَسٰی (۲) لَعَلَّ۔ لعل کی مثال لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَالِكَ اَمْرًا توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی دوسری صورت پیدا کردے اور عسٰی کی مثال عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ توقع ہے کہ اللہ فتح کو لے آئیں۔

تمنی اور ترجی میں فرق: تمنی کا استعمال ممکن اور ناممکن دونوں قسموں میں ہوتا ہے جیسے لَيْتَ الشَّبَابَ يَعُوْدُ کاش کہ جوانی واپس آجائے اب جوانی کا واپس آنا ناممکن ہے، ترجی کا استعمال صرف ممکن چیزوں میں ہوتا ہے جیسے لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَالِكَ اَمْرًا امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس واقعہ کے بعد کوئی دوسری صورت پیدا کردے، اب دوسری صورت کا پیدا ہونا ممکن ہے لیکن لَعَلَّ الشَّبَابَ يَعُوْدُ نہیں کہہ سکتے کیونکہ لَعَلَّ ممکن چیزوں کیلئے آتا ہے اور جوانی کا لوٹنا ممکن نہیں اس لئے لَيْتَ الشَّبَابَ يَعُوْدُ کہیں گے کیونکہ تمنا ناممکن چیز کی بھی ہوسکتی ہے۔

قوله وَ لِلتَّمَنِّیْ اَرْبَعُ اَدَوَاتٍ الخ

ادوات تمنی

یہاں مصنفؒ تمنی کی تعریف کرنے کے بعد اب تمنی کے حروف کو ذکر کر رہے ہیں تمنی کیلئے چار حروف استعمال ہوتے ہیں ایک اصلی ہے اور وہ لَيْتَ ہے اور یہ تمنا کیلئے استعمال ہوتا ہے جیسے لَيْتَ الشَّبَابَ يَعُوْدُ اور تین غیر اصلی ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) هَلْ (۲) لَوْ (۳) لَعَلَّ، یہ تینوں تمنی کیلئے مجازاً استعمال ہوتے ہیں، کیونکہ هَلْ اصل میں استفہام کے لئے موضوع ہے اور تمنا کیلئے مجازاً استعمال ہوتا ہے جیسے کفار کہیں گے "فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَا" اے کاش! ہمارے لئے سفارش کرنے والے ہوتے کہ وہ ہماری سفارش کرتے، یہاں پر هَلْ استفہام کیلئے نہیں بلکہ تمنا کیلئے ہے، کیونکہ تمنا کرنے والوں کو یہ بات معلوم ہے کہ ہمارے لئے کوئی سفارشی نہیں ہے۔

اسی طرح لَوْ اصل میں حرف شرط ہے تمنا کیلئے مجازاً استعمال ہوتا ہے جیسے فَلَوْ اَنَّ

لَنَا كَرَّةً فَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ، کہ مجرم لوگ تمنا کریں گے کہ کاش ہمیں دنیا میں دوبارہ آنا نصیب ہوتا تو ہم ایمان لے آتے تو اس آیت میں کلمہ لَوْ معنی شرط میں استعمال نہیں ہوا بلکہ تمنا میں استعمال ہوا ہے اسی طرح لَعَلَّ کا حقیقی معنی ترجی ہے لیکن ترجی کے علاوہ مجازاً تمنا میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے اس شعر میں،

شعر　اَسِرْبَ الْقَطَا هَلْ مَنْ يُّعِيْرُ جَنَاحَهُ ☆ لَعَلِّيْ اِلٰى مَنْ قَدْ هَوِيْتُ اَطِيْرُ

شعر کی تشریح: سِرْبٌ کی جمع اَسْرَابٌ آتی ہے بمعنی جماعت، ریوڑ اور جھنڈ، قَطَا ایک پرندہ ہے جو کبوتر کے مشابہ ہوتا ہے، يُعِيْرُ صیغہ واحد مذکر غائب مضارع معروف از باب افعال بمعنی عاریت پر دینا، جَنَاحٌ کی جمع اَجْنِحَةٌ بمعنی پر اور بازو، هَوِيْتُ صیغہ واحد مذکر و مؤنث متکلم بحث اثبات فعل ماضی معروف از باب سمع بمعنی محبت کرنا، خواہش کرنا، اَطِيْرُ صیغہ واحد مذکر و مؤنث متکلم مضارع معروف از باب ضرب بمعنی اڑنا۔

شعر کا مطلب: اے قطا کے غول اور جھنڈ کیا ہے کوئی جو اپنے پر مجھے عاریۃً دیدے، توقع ہے کہ میں اس شخص کے پاس اڑ کر چلا جاؤں جس سے میں محبت کرتا ہوں۔

محل استشھاد: اس میں محل استشھاد لَعَلِّيْ اِلٰى مَنْ قَدْهَوِيْتُ اَطِيْرُ ہے کہ اس میں لَعَلِّيْ جو تمنا کے لئے استعمال ہوا کہ شاید میں اپنے محبوب کی طرف اڑ کر جاسکوں۔

قوله وَلِاسْتِعْمَالِ هٰذِهِ الْاَدَوَاتِ الخ

ان حروف کی تمنا کیلئے استعمال ہونے کی علامت

یہاں سے مصنفؒ ایک فائدہ بیان کررہے ہیں کہ یہ حروف هَلْ، لَوْ ، لَعَلَّ تمنا کیلئے استعمال ہونے کی علامت یہ ہے کہ فعل مضارع جو انکے جواب میں واقع ہوتا ہے وہ منصوب ہوتا ہے تو

معلوم ہوا کہ ھَلْ کو استفہام کے معنی سے اور لَوْ کو شرط کے معنی سے اور لَعَلَّ کو ترجی کے معنی سے نکال کر مجازاً تمنا کے معنی میں استعمال کیا ہے ورنہ فعل مضارع جو انکے جواب میں آیا ہے وہ منصوب نہ ہوتا کیونکہ لَوْ شرط کے معنی میں ہوتا تو فعل مضارع اسکے جواب میں مجزوم ہوتا منصوب نہ ہوتا۔

قوله وَاَمَّا النِّدَآءُ فَهُوَ طَلَبُ الْاِقْبَالِ الخ

ندا کی تعریف

یہاں سے مصنفؒ انشاء طلبی کی پانچویں قسم ندا کو ذکر کر رہے ہیں ندا کہتے ہیں مخاطب کی توجہ کو طلب کیا جائے ایسے حرف ندا کے ذریعے جو اَدْعُوْ کے قائم مقام ہو اور وہ حرف ندا چاہے لفظاً ہو جیسے یَا زَیْدُ یہ اَدْعُوْ زَیْدًا کے قائم مقام ہے اَدْعُوْ فعل کو حذف کر کے یا حرف ندا کو اَدْعُوْ کے قائم مقام کر دیا ہے، چاہے حرف ندا تقدیراً ہو جیسے یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا اصل میں تھا یَا یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا یہاں پر یا حرف ندا تقدیراً ہے، حروف ندا آٹھ ہیں (۱) یَا (۲) ہمزہ (۳) اَیْ (٤) اٰ (٥) آیْ (٦) اَیَا (٧) هَیَا (٨) وَا، ان آٹھ حروف ندا میں سے ہمزہ اور اَیْ ندا قریب کیلئے استعمال ہوتے ہیں اور ان دو کے علاوہ باقی اصل وضع کے اعتبار سے ندا بعید کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔

قوله وَ قَدْ یُنَزَّلُ الْبَعِیْدُ مَنْزِلَةَ الْقَرِیْبِ الخ

کبھی ندا بعید کو بمنزلہ ندا قریب کے سمجھا جاتا ہے

فائدہ: یہاں سے مصنفؒ ایک فائدہ بیان کر رہے ہیں کہ کبھی منادی بعید ہوتا ہے لیکن وہ ذہن متکلم میں اسقدر گھر کر گیا ہوتا ہے اور اسقدر متحضر فی الذہن ہوتا ہے کہ متکلم اسکو حاضر اور قریب سمجھ کر ہمزہ اور ای کے ساتھ ندا دیتا ہے جو قریب کیلئے استعمال ہوتے ہیں جیسے شاعر کے قول میں

شعر اَسُكَّانُ نُعْمَانِ الْاِرَاكِ تَيَقَّنُوْا ☆ بِاَنَّكُمْ فِىْ رَبْعِ قَلْبِىْ سُكَّانُ

شعر کی تشریح: نُعْمَانِ الْاَرَاكِ میدان عرفات اور طائف کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے اس جگہ پر شجر اراک یعنی پیلو کے درخت کثرت سے پائے جاتے ہیں اور اس درخت سے مسواک بنتی ہے اس وجہ سے اس وادی کے ایک حصے کا نام اراک پڑ گیا، تَيَقَّنُوْا صیغہ جمع مذکر حاضر بحث امر حاضر معروف از باب تفعّل بمعنی یقین کرنا، رَبْعٌ کی جمع رُبُوْعٌ آتی ہے بمعنی منزل، مکان، سُكَّانٌ یہ سَاكِنٌ کی جمع ہے بمعنی رہنے والے جیسے حُسَّادٌ یہ حَاسِدٌ کی جمع ہے۔

شعر کا مطلب: اے نعمان اراک کے رہنے والو! تم یقین کرلو کہ تم نعمان اراک میں نہیں رہتے بلکہ تم میرے دل کی گہرائی میں رہتے ہو یعنی تمہاری اصل جگہ میرا دل ہے نعمان اراک نہیں۔

محل استشهاد: اس شعر میں محل استشہاد اَسُكَّانُ نُعْمَانِ الْاَرَاكِ ہے اس شعر میں ندا ہمزہ قریب سے دی گئی ہے حالانکہ وادی نعمان اور وہاں کے رہنے والے شاعر سے دور ہیں، شاعر اس بات پر متنبہ کرنا چاہتا ہے کہ نعمان وادی میں رہنے والے میرے دل میں بستے ہیں۔

وَ قَدْ يُنَزَّلُ الْقَرِيْبُ مَنْزِلَةَ الْبَعِيْدِ فَيُنَادٰى بِاَحَدِ الْحُرُوْفِ الْمَوْضُوْعَةِ لَهٗ اِشَارَةً اِلٰى اَنَّ الْمُنَادٰى عَظِيْمُ الشَّانِ رَفِيْعُ الْمَرْتَبَةِ حَتّٰى كَانَ بُعْدُ دَرَجَتِهٖ فِى الْعَظْمِ عَنْ دَرَجَةِ الْمُتَكَلِّمِ بُعْدًا فِى الْمُسَافَةِ كَقَوْلِكَ اَيَا مَوْلَاىَ وَ اَنْتَ مَعَهٗ اَوْ اِشَارَةً اِلٰى اِنْحِطَاطِ دَرَجَتِهٖ كَقَوْلِكَ اَيَا هٰذَا لِمَنْ هُوَ مَعَكَ اَوْ اِشَارَةً اِلٰى اَنَّ السَّامِعَ غَافِلٌ لِنَحْوِ نَوْمٍ اَوْ ذُهُوْلٍ كَاَنَّهٗ غَيْرُ حَاضِرٍ فِى الْمَجْلِسِ كَقَوْلِكَ لِلسَّاهِىْ اَيَا فُلَانُ وَ قَدْ تُخْرَجُ اَلْفَاظُ النِّدَآءِ عَنْ مَعْنَاهَا الْاَصْلِىِّ لِمَعَانٍ اُخَرَ تُفْهَمُ مِنَ الْقَرَآئِنِ (۱) كَالْاِغْرَآءِ نَحْوُ قَوْلِكَ لِمَنْ اَقْبَلَ يَتَظَلَّمُ يَا مَظْلُوْمُ (۲) وَ الزَّجْرِ نَحْوُ

لَفُؤادِیْ مَتَی الْمَتَابُ اَلَمَّا ☆ تَصْحُ وَ الشَّیْبُ فَوْقَ رَاْسِیْ اَلَمَّا

(۳)وَ التَّحَیُّرِ وَ التَّضَجُّرِ نَحْوُ "اَیَا مَنَازِلَ سَلْمٰی اَیْنَ سَلْمَاكِ" وَ یُکْثَرُ هٰذَا فِیْ نِدَآءِ الْاَطْلَالِ وَ الْمَطَایَا وَنَحْوِ هَا (۴)وَ التَّحَسُّرِ وَ التَّوَجُّعِ کَقَوْلِهٖ

اَیَا قَبْرَ مَعْنٍ کَیْفَ وَارَیْتَ جُوْدَهٗ ☆ وَ قَدْ کَانَ مِنْهُ الْبَرُّ وَ الْبَحْرُ مُتْرَعًا

(۵)وَ التَّذْکِیْرِ نَحْوُ

اَیَا مَنْزِلَیْ سَلْمٰی سَلَامٌ عَلَیْکُمَا ☆ هَلِ الْاَزْمُنُ اللَّاتِیْ مَضَیْنَ رَوَاجِعُ

وَ غَیْرُ الطَّلَبِیِّ یَکُوْنُ بِالتَّعَجُّبِ وَ الْقَسَمِ وَ صِیَغِ الْعُقُوْدِ کَبِعْتُ وَ اِشْتَرَیْتُ وَ یَکُوْنُ بِغَیْرِ ذٰلِكَ وَ اَنْوَاعُ الْاِنْشَآءِ غَیْرِ الطَّلَبِیِّ لَیْسَتْ مِنْ مَّبَاحِثِ عِلْمِ الْمَعَانِیْ فَلِذَا ضَرَبْنَا صَفْحًا عَنْهَا۔

ترجمہ: اور کبھی منادی قریب کو، منادی بعید کی جگہ اتارا جاتا ہے اور اسے ان حروف میں سے کسی ایک کے ذریعے پکارتے ہیں جو منادی بعید کیلئے موضوع ہیں اس بات کیطرف اشارہ کرنے کیلئے کہ منادی عظیم الشان ہے بلند مرتبے والا ہے گویا کہ عظمت اور بڑائی میں اسکا مرتبہ متکلم کے مرتبہ سے اتنا ہی دور ہے جتنی کہ مسافت، جیسے تیرا قول اَیَا مَوْلَایَ اے میرے مولا ایسے شخص سے جسکے پاس ہی تم موجود ہو، یا کسی امر کیطرف اشارہ کرنے کیلئے کہ منادی کا مرتبہ گرا ہوا ہے جیسے تیرا قول "اَیَا هٰذَا" اپنے ساتھ والے سے خطاب کرتے ہوئے، یا اس بات کیطرف اشارہ کرنے کیلئے کہ سامع غافل ہے نیند یا ذہنی پریشانی کی وجہ سے گویا کہ وہ مجلس سے غیر حاضر ہے جیسے تیرا قول نسیان والے کیلئے "اَیَا فُلَانُ" اور کبھی حرف ندا اپنے اصلی معنی سے نکل کر دوسرے معنوں میں بھی استعمال ہوتے ہیں جو قرائن سے سمجھے جاتے ہیں (۱) جیسے ابھارنے کے معنی میں جیسے تیرا قول اس شخص کیلئے جو تیرے پاس اپنی مظلومیت کا حال بیان کرے "او مظلوم" (۲) ڈانٹنے کے معنی میں جیسے "اے میرے دل جب توبہ کا وقت آ جائے تو ہوش میں آ جانا، اور بڑھاپا تو میرے سر پر آ پڑا ہے"۔ (۳) حیرت اور بے چینی کے اظہار کیلئے "اے سلمی کی قیام گا ہو!

تمہاری سلمٰی کہاں ہے" اور یہ معنی زیادہ تر ٹیلوں سواریوں اور ان جیسی چیزوں کو پکارنے کے مواقع پر پائے جاتے ہیں (۴) حسرت اور درد کو ظاہر کرنے کیلئے جیسے کہ شاعر کے قول میں "اے معن کی قبر! کیسے تو نے چھپالیا اسکی سخاوت کو اور تحقیق اسکی سخاوت سے خشکی اور تری مالا مال تھی"۔ (۵) اور یادتازہ کرنے کیلئے جیسے "اے سلمٰی کی دونوں قیام گاہو! تم پر سلام ہو، ذرا مجھے یہ بتاؤ، کیا وہ زمانے جو گذر چکے ہیں واپس لوٹ آنے والے ہیں"۔

اور انشاء کی دوسری قسم غیر طلبی تعجب، قسم اور کلمات عقود جیسے بِعْتُ وَ اِشْتَرَیْتُ سے حاصل ہوتی ہے اور اسکے علاوہ دوسری چیزوں سے بھی حاصل ہوتی ہے اور انشاء غیر طلبی کی قسمیں علمِ معانی کی مباحث میں سے نہیں ہیں اسی لئے ہم نے انکو بالکل چھوڑ دیا ہے۔

تجزیہ عبارت: مذکورہ عبارت میں مصنفؒ نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ مختلف اغراض کی خاطر منادی قریب کو منادی بعید خیال کر کے حرف ندا بعید کے ذریعے ندا دی جاتی ہے اور ساتھ اس بات کو بیان کیا ہے کہ کبھی الفاظ ندا اپنے اصلی معنی کے علاوہ دوسرے معنوں میں بھی استعمال ہوتے ہیں جو قرائن سے سمجھے جاتے ہیں۔

تشریح: قولہ وَ قَدْ یُنَزَّلُ الْقَرِیْبُ مَنْزِلَةَ الْبَعِیْدِ الخ

منادی قریب کو بعید خیال کر کے ندا بعید سے پکارتے ہیں

یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ کبھی منادی قریب کو منادی بعید کے مقام پر رکھ کر اسے ان حروف کے ذریعے پکارتے ہیں جو ندا بعید کیلئے موضوع ہیں اس سے مقصود اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے کہ منادی اسقدر عظیم اور بلند مرتبہ ہے گویا کہ متکلم کے درجے سے اسکی عظمت اور بڑائی کے درجے کی اتنی ہی بلندی ہے جتنی کہ مسافت میں دوری، جیسے تو اپنے قریب کے ساتھی سے کہے أَیَا مَوْلَایَ اے میرے مولی اب یہاں پر "أَیَا" جو منادی بعید کیلئے موضوع

ہے منادی قریب کیلئے استعمال کیا گیا ہے اور منادی قریب کو بمنزلہ منادی بعید کے قرار دیا گیا ہے اظہار مرتبہ کیلئے، اور کبھی منادی قریب کو منادی بعید کی جگہ اسلئے رکھتے ہیں کہ اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے کہ منادی کا مرتبہ گھٹیا اور گرا ہوا ہے جیسے تم اپنے ساتھ والے سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہو اَیَا ھٰذَا اے یہ۔

اور کبھی منادی قریب کو منادی بعید کی جگہ پر اسلئے رکھتے ہیں کہ اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ سامع غافل ہے نیند یا ذہنی پریشانی کی وجہ سے گویا وہ مجلس میں موجود ہونے کے باوجود غیر حاضر ہے جیسے تم ایسے شخص سے یوں کہو جو نسیان اور غفلت میں مبتلا ہے اَیَا فُلَانُ۔

قولہ وَ قَدْ تَخْرُجُ اَلْفَاظُ النِّدَآءِ الخ

کبھی الفاظ ندا اپنے اصلی معنی کے علاوہ دوسرے معنوں میں بھی استعمال ہوتے ہیں

یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ کبھی حرف ندا اپنے اصلی معنی سے نکل کر بطور مجاز دوسرے معانی میں بھی استعمال ہوتے ہیں جو قرائن سے سمجھے جاتے ہیں مجازی معنی درج ذیل ہیں۔

(۱) **اغراء کے معنی میں:** کبھی حرف ندا اپنے اصلی معنی کے علاوہ ابھارنے اور ورغلانے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے جو آدمی تمہارے پاس اپنی مظلومیت کی داستان بیان کرے اسے کہا جائے ''یَا مَظْلُوْمُ'' اے مظلوم یہاں پر ندا سے حقیقی معنی بلانا مقصود نہیں ہے بلکہ مظلوم کو ظالم کیخلاف برانگیختہ کرنا مقصود ہے تا کہ مظلوم اپنی مظلومیت کا پورا حال بیان کر سکے۔

(۲) **زجر کے معنی میں:** کبھی حرف ندا اپنے اصلی معنی کے علاوہ جھڑکنے اور ڈانٹنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے شاعر کے اس قول میں

شعر اَفُؤَادِیْ مَتَی الْمَتَابُ اَلَمَّا ☆ تَصْحُ وَ الشَّيْبُ فَوْقَ رَأْسِیْ اَلَمَّا

شعر کی تشریح: فُؤَادٌ کی جمع اَفْئِدَۃٌ آتی ہے بمعنی دل، مَتَابٌ از باب نصر یہ اسم ظرف کا صیغہ ہے بمعنی توبہ کا وقت، اَلَمَّ صیغہ واحد مذکر غائب بحث اثبات فعل ماضی معروف از باب افعال بمعنی قریب ہونا، تَصْحُ اصل میں تَصْحُوْ تھا متی کے جواب میں واقع ہونے کی وجہ سے حرف علت گر گیا، صیغہ واحد مذکر حاضر بحث اثبات فعل مضارع معروف از باب نصر بمعنی ہوش میں آنا، اَلشَّيْبُ بمعنی بڑھاپا، فَوْقَ رَأْسِیْ بمعنی میرے سر پر رَأْسٌ کی جمع رُؤُوْسٌ آتی ہے۔

شعر کا مطلب: شاعر اپنے دل کو مخاطب کر رہا ہے کہ اے میرے دل جب توبہ کا وقت آجائے تو ہوش میں آجانا اور بڑھاپا تو میرے سر پر اتر ہی چکا ہے اب ہوش کر لے اور اپنی غلطیوں سے توبہ کر لے۔

محل استشهاد: اَفُؤَادِیْ مَتَی الْمَتَابُ اَلَمَّا ہے اَفُؤَادِیْ میں ہمزہ حرف ندا ہے اور یہاں پر ندا کے حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ ندا سے مقصود ڈانٹنا اور ملامت کرنا ہے۔

(۳) **اظہار حیرت اور بیقراری کے معنی میں:** کبھی حرف ندا اپنے اصلی معنی کے علاوہ حیرت اور بے چینی کے اظہار کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے شاعر کے اس قول میں، پورا شعر یوں ہے۔

شعر اَیَا مَنَازِلَ سَلْمٰی اَیْنَ سَلْمَاكِ ☆ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ بَكَيْنَاهَا وَ بَكَيْنَاكِ

شعر کی تشریح: مَنَازِلَ جمع ہے مَنْزِلٌ کی بمعنی قیام گاہ، سلمٰی شاعر کی محبوبہ کا نام ہے بَكَيْنَا صیغہ جمع متکلم ماضی معروف از باب ضرب بمعنی ہم رو پڑے۔

شعر کا مطلب: شاعر کہہ رہا ہے کہ اے سلمی کی قیام گاہو! تمہاری سلمی کہاں ہے سلمی کو نہ پا کر ہم اسپر اور تم پر گریہ زاری کر رہے ہیں۔

محل استشہاد: اس شعر میں محل استشہاد اَیَا مَنَازِلُ سَلْمٰی ہے، یہاں پر حرف ندا اپنے حقیقی معنی میں نہیں ہے کیونکہ منازل میں قوت سماعت اور متوجہ ہونے کی صلاحیت نہیں ہے بلکہ اَیَا حرف ندا اپنی حسرت اور بے چینی کے اظہار کیلئے لایا گیا ہے، ندا کی یہ قسم زیادہ تر مکانوں، ٹیلوں اور سواریوں یا ان جیسی چیزوں کو پکارنے کیلئے استعمال ہوتی ہے جن میں قوت سماعت وغیرہ معدوم ہو مثلاً جمادات وحیوانات وغیرہ۔

(۲) اظہارِ حسرت اور درد کے معنی میں: کبھی حرف ندا اپنے اصلی معنی کے علاوہ حسرت، درد اور غم کو ظاہر کرنے کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے شاعر کے اس قول میں

شعر اَیَا قَبْرَ مَعْنٍ کَیْفَ وَارَیْتَ جُوْدَهٗ ☆ وَ قَدْ کَانَ مِنْهُ الْبَرُّ وَ الْبَحْرُ مُتْرَعًا

شعر کی تشریح: یہ شعر ہے حسین بن مطیر اسدی کا، یہ معن بن زائدہ شیبانی کی قبر سے شکوہ کر رہا ہے وَارَیْتَ صیغہ واحد مذکر حاضر بحث اثبات فعل ماضی معروف از باب مفاعلہ بمعنی چھپانا، جُوْدَهٗ بمعنی سخاوت، اَلْبَرُّ بمعنی خشکی، اَلْبَحْرُ اسکی جمع بِحَارٌ بمعنی سمندر اور تری، مُتْرَعًا صیغہ اسم مفعول از باب افعال بمعنی بھرا ہوا ہونا۔

شعر کا مطلب: اے معن کی قبر! افسوس ہے تو نے اسکی سخاوت کو کیسے چھپا لیا حالانکہ خشکی اور تری اسکی سخاوت سے بھرپور تھے اور ساری دنیا مالا مال تھی گویا اسکے دفن ہونے سے اسکی سخاوت بھی مدفون ہوگئی ہے جس سخاوت سے سارا جہان معمور تھا۔

محل استشہاد: اس شعر میں محل استشہاد أَيَا قَبْرَ مَعْنٍ ہے أَيَا حرف ندا قَبْرَ مَعْنٍ پر داخل ہے اور قبر میں نہ سننے کی صلاحیت ہے اور نہ جواب دینے کی اسلئے أَيَا حرف ندا اپنے اصلی معنی میں مستعمل نہیں ہے بلکہ قبر کو پکارنے سے مجازی معنی حسرت اور اپنے غم کا اظہار ہے۔

(۵) زمانہ ماضی کی یادوں کو تازہ کرنے کے معنی میں: کبھی حرف ندا اپنے اصلی معنی کے علاوہ زمانہ ماضی کی یادوں کو تازہ کرنے کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے یا گذرے ہوئے واقعات سے نصیحت قبول کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے شاعر کے اس قول میں

شعر أَيَا مَنْزِلَيْ سَلْمَى سَلَامٌ عَلَيْكُمَا ☆ هَلِ الْأَزْمُنُ اللَّاتِيْ مَضَيْنَ رَوَاجِعُ

شعر کی تشریح: مَنْزِلَيْ یہ منزل کا تثنیہ ہے اصل میں مَنْزِلَيْنِ تھا نون تثنیہ اضافت کیوجہ سے گر گیا بمعنی گھر، قیام گاہ، أَزْمُنُ یہ زَمَنٌ کی جمع ہے بمعنی زمانے اور واقعات، مَضَيْنَ صیغہ جمع مؤنث غائب بحث اثبات فعل ماضی معروف از باب ضرب بمعنی گذرنا، رَوَاجِـــعُ یہ جمع ہے رَاجِعَةٌ کی بمعنی لوٹنے والے۔

شعر کا مطلب: شاعر کو ایام گذشتہ میں محبوبہ کے گھروں سے جو الفت ہو گئی تھی اسکو یاد کر کے اپنے تاثرات کا اظہار کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اے سلمٰی کے دونوں مکانو! تم پر سلام ہو ذرا مجھے یہ بتاؤ کیا عیش وعشرت کے ایام جو گذر چکے ہیں وہ واپس ہونے والے ہیں۔

محل استشہاد: اس شعر میں محل استشہاد أَيَا مَنْزِلَيْ سَلْمَى ہے کیونکہ مکان نہ سنتے ہیں اور نہ ہی جواب دیتے ہیں لہذا أَيَا حرف ندا اپنے اصلی معنی میں نہیں بلکہ کھنڈرات کو پکارنے میں مجازی معنی زمانہ ماضی کی یادوں کو تازہ کرنا ہے۔

قوله وَغَيْرُ الطَّلَبِيِّ يَكُوْنُ بِالتَّعَجُّبِ وَ الْقَسَمِ الخ

انشاء غیر طلبی تعجب قسم وغیرہ سے حاصل ہوتی ہے

اب تک مصنفؒ نے انشاء طلبی کی پانچ قسمیں امر، نہی، استفہام، تمنی، اور ندا کو بیان کیا، اب یہاں سے انشاء غیر طلبی کو بیان کرتے ہیں، انشاء غیر طلبی اسے کہتے ہیں جسمیں کسی شے کی طلب نہ ہو اور یہ قسم تعجب اور قَسم اور کلمات عقود مثلاً بِعتُ وَ اِشْتَرَیْتُ سے حاصل ہوتی ہے اور انکے علاوہ افعال مقاربہ، افعال مدح وذم سے بھی حاصل ہوتی ہے اور انشاء غیر طلبی کی تمام قسمیں علم معانی کی مباحث سے خارج ہیں اور علم معانی کی مباحث سے انکا کوئی خاص تعلق اور غرض نہیں ہے اسلئے مصنفؒ فرماتے ہیں اسی عذر کی بنا پر ہم نے ان سے بحث کرنا بالکل چھوڑ دیا ہے۔

تم بحث الخبر و الانشاء بحمد الله تعالى

محمد اصغر علی عفا اللہ عنہ

استاذ جامعہ اسلامیہ عربیہ رحمانیہ چوک ومدنی ٹاؤن غلام محمد آباد فیصل آباد

فاضل عربی، فاضل دارالعلوم فیصل آباد پاکستان

اَلْبَابُ الثَّانِیْ فِی الذِّکْرِ وَ الْحَذْفِ

إِذَا أُرِيْدَ إِفَادَةُ السَّامِعِ حُكْمًا فَاَیُّ لَفْظٍ يَّدُلُّ عَلٰى مَعْنًى فِيْهِ فَالْاَصْلُ ذِكْرُهٗ وَ اَیُّ لَفْظٍ عُلِمَ مِنَ الْكَلَامِ لِدَلَالَةِ بَاقِيْهِ عَلَيْهِ فَالْاَصْلُ حَذْفُهٗ وَ إِذَا تَعَارَضَ هٰذَانِ الْاَصْلَانِ فَلَا يُعْدَلُ عَنْ مُّقْتَضٰى اَحَدِهِمَا اِلٰى مُقْتَضَى الْاٰخَرِ اِلَّا لِدَاعٍ

فَمِنْ دَوَاعِي الذِّكْرِ

(۱) زِيَادَةُ التَّقْرِيْرِ وَ الْاِيْضَاحِ نَحْوُ "أُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ"

(۲) وَ قِلَّةُ الثِّقَةِ بِالْقَرِيْنَةِ لِضُعْفِهَا اَوْ ضُعْفِ فَهْمِ السَّامِعِ نَحْوُ زَيْدٌ نِعْمَ الصَّدِيْقُ تَقُوْلُ ذٰلِكَ إِذَا سَبَقَ لَكَ ذِكْرُ زَيْدٍ وَّ طَالَ عَهْدُ السَّامِعِ بِهٖ اَوْ ذُكِرَ مَعَهٗ كَلَامٌ فِیْ شَانِ غَيْرِهٖ

(۳) وَ التَّعْرِيْضُ بِغَبَاوَةِ السَّامِعِ نَحْوُ عَمْرٌو قَالَ كَذَا فِیْ جَوَابِ مَاذَا قَالَ عَمْرٌو

(٤) وَ التَّسْجِيْلُ عَلَى السَّامِعِ حَتّٰى لَا يَتَاَتّٰى لَهُ الْاِنْكَارُ كَمَا إِذَا قَالَ الْحَاكِمُ لِشَاهِدٍ هَلْ اَقَرَّ زَيْدٌ هٰذَا بِاَنَّ عَلَيْهِ كَذَا فَيَقُوْلُ الشَّاهِدُ نَعَمْ زَيْدٌ هٰذَا اَقَرَّ بِاَنَّ عَلَيْهِ كَذَا

(٥) وَ التَّعَجُّبُ إِذَا كَانَ الْحُكْمُ غَرِيْبًا نَحْوُ عَلِیٌّ يُّقَاوِمُ الْاَسَدَ تَقُوْلُ ذٰلِكَ مَعَ سَبْقِ ذِكْرِهٖ

(٦) وَ التَّعْظِيْمُ وَ الْاِهَانَةُ إِذَا كَانَ اللَّفْظُ يُفِيْدُ ذٰلِكَ كَاَنْ يَسْئَلُكَ سَائِلٌ هَلْ رَجَعَ الْقَائِدُ فَتَقُوْلُ رَجَعَ الْمَنْصُوْرُ اَوِ الْمَهْزُوْمُ

دوسرا باب ذکر اور حذف کے بیان میں

ترجمہ: جب ارادہ کیا جائے سامع کو کسی حکم کے فائدہ دینے کا پس جو لفظ بھی ایسے معنی

پر دلالت کرتے ہوں تو اسکا عبارت میں ذکر کر دینا اصل ہے، اور کلام سے جس لفظ کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ کلام کا باقی حصہ اس معنی پر دلالت کرتا ہے تو ایسی صورت میں اسکا حذف کر دینا اصل ہے اور جب یہ دونوں اصول آپس میں متعارض ہو جائیں تو ان دونوں میں سے کسی ایک کے مقتضی سے دوسرے کے مقتضی کیطرف بغیر کسی سبب کے عدول نہ کیا جائے چنانچہ اسباب ذکر مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) زیادتی تقریر اور وضاحت، جیسے أُولَـٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ یہی لوگ اپنے رب کیطرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہونیوالے ہیں۔

(۲) قرینے پر اعتماد کم ہونے کیوجہ سے، خواہ یہ کمی نفس قرینہ میں ضعف کیوجہ سے ہو یا سامع کے فہم کی کمزوری کیوجہ سے جیسے زَيْدٌ نِعْمَ الصَّدِيْقُ زید بہت اچھا دوست ہے تو یہ اسوقت کہے گا جب تیرے سامنے زید کا ذکر ہو چکا ہو اور سامع کو اسکے سنے ہوئے بھی کافی عرصہ گذر چکا ہو یا اسکے ساتھ غیر کی شان میں بھی کلام ہوئی ہو۔

(۳) اور سامع کی کند ذہنی پر تعریض کرنے کیلئے جیسے عَمْرٌو قَالَ كَذَا، مَاذَا قَالَ عَمْرٌو کے جواب میں۔

(۴) اور سامع کے سامنے حکم کو اقرار نامے کیطور پر بیان کرنا تا کہ مخاطب کو بعد میں انکار کی گنجائش نہ ہو جیسے حاکم کسی گواہ سے کہے "کیا زید نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ اس پر فلاں کے اتنے واجب ہیں" تو گواہ اسطرح کہے "ہاں زید نے اقرار کیا ہے کہ اسپر فلاں کا اتنا واجب ہے"۔

(۵) اور اظہار تعجب کیلئے جب حکم میں ندرت اور انوکھا پن ہو جیسے علی شیر کا مقابلہ کرتا ہے یہ جملہ تو اسوقت کہے گا جب علی کا پہلے تذکرہ ہو چکا ہو۔

(۶) تعظیم اور اہانت کیلئے بشرطیکہ تعظیم اور اہانت کے معنی کا لفظ فائدہ بھی دیتا ہو مثلاً تم سے سوال کرنے والا اسطرح سوال کرتا ہے کیا سالار لشکر واپس آ گیا ہے پس تو جواب میں کہے گا، فاتح

لوٹ آیا یا شکست خوردہ لوٹ آیا۔

تجزیہ عبارت: مذکورہ عبارت میں مصنفؒ نے کلام کے اجزاء کے ذکر اور عدم ذکر کے اصول بیان کیے ہیں اور ساتھ کلام کے دواعی ذکر بیان کیے ہیں۔

تشریح: قولہ اِذَا اُرِیْدَ اِفَادَةُ السَّامِعِ حُکْمًا الخ

دوسرا باب ذکر اور حذف کے بیان میں

اجزاء کلام کے ذکر اور عدم ذکر کا اصول:

جب سامع کو کسی حکم کا فائدہ پہنچانا مقصود ہو تو اس کلام میں جو لفظ ایسے معنی پر دلالت کر رہا ہو جس سے سامع کو فائدہ پہنچے تو اس لفظ کا ذکر کرنا اصل ہے، اور جو لفظ کلام سے اس طرح معلوم ہو کہ اس کلام کا باقی حصہ اس پر دلالت کر رہا ہے تو ایسی حالت میں اس لفظ کا حذف کر دینا اصل ہے، جب ان دونوں اصولوں میں تعارض ہو جائے تو ان دونوں میں سے کسی ایک کے مقتضیٰ سے دوسرے کے مقتضیٰ کیطرف بغیر کسی سبب کے عدول نہ کیا جائے گا چنانچہ جن اسباب سے کلام کے کسی جزء کو ذکر کیا جاتا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

قولہ فَمِنْ دَوَاعِیْ ذِکْرٍ

دواعی ذکر یعنی وہ اسباب جن سے کلام کے کسی جزء کو ذکر کیا جائے

(۱) **زیادتی تقریر اور ایضاح:** اسباب ذکر میں سے پہلا سبب زیادتی تقریر اور

ایضاح ہے یعنی کسی مدعیٰ اور مضمون کو یا کلام کے کسی حصہ کو سامع کے ذہن میں خوب جمانا اور اچھی طرح ثابت کرنا اور خوب کھول کر بیان کرنا جیسے أُولٰئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ أُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ یہی لوگ ہیں جو اپنے رب کیطرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں، اس آیت میں دوسرا أُولٰئِكَ زیادتی تقریر اور ایضاح کیلئے ہے اگر اسکو حذف کر دیا جاتا تو یوں کہنا بھی کافی تھا أُولٰئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ لیکن دوسرا أُولٰئِكَ زیادتی تقریر اور وضاحت کیلئے لایا گیا ہے۔

(۲) **قرینہ پر اعتماد کی کمی:** اسباب ذکر میں سے دوسرا سبب قرینہ پر اعتماد کی کمی ہے، خواہ یہ کمی نفس قرینہ میں ضعف کیوجہ سے ہو یا مخاطب کے فہم کی کمزوری کیوجہ سے ہو جیسے زَیْدٌ نِعْمَ الصَّدِیْقُ کہ زید کیا ہی اچھا دوست ہے تو یہ اسوقت کہے گا جب تمہارے پاس زید کا تذکرہ ہو چکا ہو اور سامع کو اسے سنے ہوئے کافی عرصہ گذر چکا ہو، اگر نِعْمَ الصَّدِیْقُ کہا جائے تو اس سے پتہ نہیں چلے گا کہ کونسا دوست اچھا ہے اور سامع کی سمجھ میں جلدی نہیں آسکے گا اسلئے کہ نِعْمَ الصَّدِیْقُ میں اعتماد کی کمی ہے اسوجہ سے زَیْدٌ نِعْمَ الصَّدِیْقُ کہا جائے گا یا زید کے ذکر کے ساتھ کسی اور کا بھی تذکرہ ہو چکا ہو اسلئے نِعْمَ الصَّدِیْقُ نہیں کہا جائے گا کیونکہ پتہ نہیں چلے گا کہ اس سے مراد کون ہے لہذا زَیْدٌ نِعْمَ الصَّدِیْقُ کہا جائے گا۔

(۳) **غباوتِ سامع پر تعریض کرنا:** اسباب ذکر میں سے تیسرا سبب غباوت سامع یعنی سامع کی کند ذہنی پر تعریض کرنا اور چوٹ لگانا ہے جیسے عَمْرٌو قَالَ کَذَا عمرو نے ایسا کہا، یہ اس شخص کے جواب میں جو پوچھے مَاذَا قَالَ عَمْرٌو عمرو نے کیا کہا، اگرچہ سامع کے قول مَاذَا قَالَ عَمْرٌو کے جواب میں قَالَ کَذَا کافی تھا لیکن سامع اتنا کند ذہن اور غبی ہے قَالَ کَذَا کو سمجھ ہی نہیں سکتا اسلئے اس کی کند ذہنی اور غباوت پر اشارہ کرنے کیلئے عَمْرٌو قَالَ کَذَا کہا جائیگا۔

(۴) سامع کے سامنے حکم کو تسجیل کیطور پر بیان کرنا: اسباب ذکر میں سے چوتھا سبب سامع کے سامنے حکم کو اقرار نامہ کے طور پر بیان کرنا، یعنی حاکم کا مخاطب سے اقرار کرانا تاکہ مخاطب انکار نہ کر سکے جیسے حاکم کسی گواہ سے پوچھے هَلْ اَقَرَّ زَیْدٌ هٰذَا بِاَنَّ عَلَیْهِ كَذَا کیا اس زید نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ اس پر فلاں کا اتنا واجب ہے تو گواہ کہے گا نَعَمْ زَیْدٌ هٰذَا اَقَرَّ بِاَنَّ عَلَیْهِ كَذَا ہاں اس زید نے اقرار کیا ہے کہ اس پر فلاں کا اتنا واجب ہے۔

(۵) اظہارِ تعجب: اسباب ذکر میں سے پانچواں سبب اظہار تعجب ہے اور یہ اسوقت ہوتا ہے جب حکم کے اندر کوئی ندرت، انوکھا پن ہو اور حکم حیران کن ہو جیسے عَلِیٌّ یُقَاوِمُ الْاَسَدَ کہ علی شیر کا مقابلہ کرتا ہے یہ جملہ اسوقت کہتے ہیں جب علی کا پہلے تذکرہ ہو چکا ہو۔

(۶) تعظیم اور اہانت: اسباب ذکر میں سے چھٹا سبب تعظیم اور اہانت ہے بشرطیکہ الفاظ سے تعظیم اور اہانت کے معنی سمجھے جاتے ہوں مثلاً کوئی تجھ سے سوال کرتا ہے هَلْ رَجَعَ الْقَائِدُ کیا سالار لشکر واپس آ گیا ہے تو تم اسکے جواب میں کہو رَجَعَ الْمَنْصُوْرُ اَوِ الْمَهْزُوْمُ بر سبیل تعظیم تم کہو کہ فاتح لوٹ آیا یا بر سبیل توہین تم کہو کہ شکست خوردہ لوٹ آیا، جب سائل نے پوچھا هَلْ رَجَعَ الْقَائِدُ تو جواب میں نَعَمْ یا رَجَعَ الْقَائِدُ کافی تھا لیکن اس جواب میں تعظیم اور توہین کا پہلو معلوم نہیں ہوتا تھا تو جب رَجَعَ الْمَنْصُوْرُ کہا تو اس سے مسند الیہ کے مدلول کی تعظیم معلوم ہوتی ہے اور جب رَجَعَ الْمَهْزُوْمُ کہا تو اس سے مسند الیہ کے مدلول کی توہین معلوم ہوتی ہے تو اس تعظیم یا توہین کی وجہ سے صراحۃً ذکر کر دیا گیا۔

وَمِنْ دَوَاعِي الْحَذْفِ

(۱) اِخْفَاءُ الْاَمْرِ عَنْ غَيْرِ الْمُخَاطَبِ نَحْوُ اَقْبَلَ تُرِيْدُ عَلِيًّا مَثَلًا

(۲)وَ تَأتِّی الْاِنْكَارِ عِنْدَ الْحَاجَةِ نَحْوُ لَئِيْمٌ خَسِيْسٌ بَعْدَ ذِكْرِ شَخْصٍ مُعَيَّنٍ

(۳)وَالتَّنْبِيْه عَلٰى تَعْيِيْنِ الْمَحْذُوْفِ وَلَوْ اِدِّعَآءً نَحْوُ "خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ" وَ وَهَّابُ الْاُلُوْفِ

(٤)وَ اِخْتِبَارُ تَنَبُّهِ السَّامِعِ اَوْمِقْدَارِ تَنَبُّهِهٖ نَحْوُ "نُوْرُهٗ مُسْتَفَادٌ مِّنْ نُّوْرِ الشَّمْسِ" وَ "وَاسِطَةُ عَقْدِ الْكَوَاكِبِ"

(٥)وَضِيْقُ الْمَقَامِ اِمَّا لِتَوَجُّعٍ عَنْهُ نَحْوُ

قَالَ لِیْ كَيْفَ اَنْتَ قُلْتُ عَلِيْلٌ ☆ سَهَرٌ دَآئِمٌ وَ حُزْنٌ طَوِيْلٌ

وَ اِمَّا لِخَوْفِ فَوَاتِ فُرْصَةٍ نَحْوُ قَوْلُ الصَّيَّادِ "غَزَالٌ"

(٦)وَ التَّعْظِيْمُ وَ التَّحْقِيْرُ لِصَوْنِهٖ عَنْ لِّسَانِكَ اَوْ صَوْنِ لِسَانِكَ عَنْهُ فَالْاَوَّلُ نَحْوُ "نُجُوْمُ سَمَآءٍ" وَ الثَّانِیْ نَحْوُ "قَوْمٌ اِذَا اَكَلُوْا اَخْفَوْا حَدِيْثَهُمْ"

(۷)وَ الْمُحَافَظَةُ عَلٰى وَزْنٍ اَوْ سَجْعٍ فَالْاَوَّلُ نَحْوُ "نَحْنُ بِمَا عِنْدَنَا وَ اَنْتَ بِمَا عِنْدَكَ رَاضٍ وَ الرَّأْیُ مُخْتَلِفٌ" وَ الثَّانِیْ نَحْوُ "مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَ مَا قَلٰى"

(۸)وَ التَّعْمِيْمُ بِاِخْتِصَارٍ نَحْوُ "وَ اللّٰهُ يَدْعُوْ اِلٰى دَارِ السَّلَامِ" اَیْ جَمِيْعَ عِبَادِهٖ لِاَنَّ حَذْفَ الْمَعْمُوْلِ يُؤْذِنُ بِالْعُمُوْمِ

(۹)وَ الْاَدَبُ نَحْوُ قَوْلِ الشَّاعِرِ

قَدْ طَلَبْنَا فَلَمْ نَجِدْ لَكَ فِی السُّؤْ ☆ دَدِ وَ الْمَجْدِ وَ الْمَكَارِمِ مِثْلًا

(۱۰)وَ تَنْزِيْلُ الْمُتَعَدِّیْ مَنْزِلَةَ اللَّازِمِ لِعَدَمِ تَعَلُّقِ الْغَرَضِ بِالْمَعْمُوْلِ نَحْوُ "هَلْ يَسْتَوِی الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ"

وَيُعَدُّ مِنَ الْحَذْفِ اِسْنَادُ الْفِعْلِ اِلٰى نَائِبِ الْفَاعِلِ فَيُقَالُ حُذِفَ الْفَاعِلُ لِلْخَوْفِ مِنْهُ اَوْ عَلَيْهِ اَوْ لِلْعِلْمِ بِهٖ اَوِ الْجَهْلِ نَحْوُ سُرِقَ الْمَتَاعُ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا۔

ترجمہ: دواعی حذف میں سے

(۱) مخاطب کے علاوہ سے حکم کو چھپانا جیسے تم کہتے ہو "وہ آ گیا" اور تیری مراد اس سے علی ہے۔

(۲) اور ضرورت کے وقت انکار کیا جا سکے جیسے کمینہ، گھٹیا، کسی خاص شخص کے تذکرہ کے بعد کہنا۔

(۳) اور محذوف کی تعیین پر تنبیہ کیلئے اگرچہ تعیین بطور دعوی ہی کیوں نہ ہو جیسے "ساری چیزوں کا پیدا کرنیوالا" اور "ہزاروں عطا کرنے والا"۔

(۴) سامع کی سمجھداری کی آزمائش یا سامع کی سمجھداری کی مقدار معلوم کرنے کیلئے جیسے "اسکا نور سورج کے نور سے حاصل شدہ ہے" اور "ستاروں کے ہار کا بہترین حصہ ہے" یا ستاروں کے ہار کے بیچ کا عمدہ حصہ ہے۔

(۵) مقام کی تنگی کیوجہ سے یہ تنگی یا تو درد کیوجہ سے ہوگی جیسے "اس نے مجھ سے کہا تیرا حال کیسا ہے میں نے کہا بیمار ہوں، ہمیشہ کی بیداری اور طویل غم ہے" یا مقام کی تنگی فرصت کے فوت ہونے کے خوف سے ہو جیسے شکاری کا قول "ہرن"۔

(۶) تعظیم اور تحقیر کیلئے، اپنی زبان سے اس کو بچانے کیلئے یا اپنی زبان کو اس سے بچانے کیلئے اوّل کی مثال جیسے "آسمان کے ستارے" ثانی کی مثال جیسے "قوم جب کھاتی ہے تو اپنی باتوں کو آہستہ آہستہ کرتے ہیں"۔

(۷) وزن یا سجع کی حفاظت کیلئے اوّل کی مثال جیسے "ہم اس پر جو ہمارے پاس ہے اور تو اس پر جو تیرے پاس ہے راضی ہیں حالانکہ رائیں مختلف ہیں" اور ثانی کی مثال جیسے "نہ تو تیرے رب نے تجھ کو چھوڑا ہے اور نہ ہی وہ ناراض ہوا"۔

(۸) اختصار کیلئے کسی شے کو عام کرنا جیسے "اللہ تعالی بلاتے ہیں سلامتی کے گھر کیطرف" یعنی اپنے تمام بندوں کو، اسلئے کہ معمول کا حذف کرنا عموم کی خبر دیتا ہے۔

(۹) ادب کیوجہ سے جیسے شاعر کا قول "تحقیق ہم نے طلب کیا بس ہم نے تیری مثل نہیں پایا سرداری میں، بزرگی میں اور اخلاق میں"۔

(۱۰) فعل متعدی کو معمول کیساتھ کوئی غرض متعلق نہ ہونے کیوجہ سے فعل لازم کی جگہ اتارنا جیسے "کیا برابر ہو سکتے ہیں وہ لوگ جو جانتے ہیں اور وہ لوگ جو نہیں جانتے"۔

نائب فاعل کیطرف فعل کی اسناد کرنے کو حذف میں شمار کیا جاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے فاعل حذف کیا گیا، فعل سے یا فاعل پر خوف کیوجہ سے یا فاعل معلوم یا مجہول ہونے کیوجہ سے جیسے "سامان چرایا گیا" اور "انسان کمزور پیدا کیا گیا"۔

تجزیہ عبارت: مذکورہ عبارت میں صاحب کتاب نے اس بات کو بیان کیا ہے کہ کچھ اسباب کی بنا پر کلام کے بعض حصہ کو حذف کیا جاتا ہے جن کو دواعی حذف سے تعبیر کرتے ہیں تو دواعی حذف کو مثالوں کیساتھ واضح کیا ہے۔

تشریح: قوله وَمِنْ دَوَاعِي الْحَذْفِ

دواعی حذف کی دس جگہیں

جن اسباب کی وجہ سے کبھی مسند الیہ یا مسند یا ان دونوں کے متعلقات کو حذف کر دیتے ہیں ان کو دواعی حذف کہتے ہیں اسکے دس مقامات مصنفؒ نے بیان کیے ہیں۔

(۱) غیر مخاطب سے حکم چھپانا: دواعی حذف میں سے پہلا سبب یہ ہے کہ غیر مخاطب سے حکم کو چھپانا، یعنی کبھی متکلم کا مقصود دوسروں سے کوئی بات پوشیدہ رکھنا ہوتا ہے اس وقت اسکا ذکر کرنا مناسب نہیں ہوتا اسلئے حذف کر دیتے ہیں جیسے اَقْبَلَ وہ آ گیا اور مخاطب کو قرینہ کیوجہ سے معلوم ہے کہ علی آ گیا، لیکن مخاطب کے علاوہ تیسرے آدمی کو پتہ نہیں چلا کہ اَقْبَلَ سے کون مراد ہے لیکن یہ حذف اس وقت صحیح ہوگا جب مخاطب کو محذوف پر قرینہ قائم ہونے کا علم ہو۔

(۲) بوقت ضرورت انکار کرنا: دواعی حذف میں سے دوسرا سبب یہ ہے کہ بوقت

ضرورت انکار کرنا آسان ہو جیسے تم کسی خاص شخص کا تذکرہ کرنے کے بعد کہتے ہو لَــئِــيْــمٌ، خَسِيْــسٌ کہ کمینہ، رذیل، بڑا کنجوس ہے اگر وہ شخص کہے کہ تم نے مجھے کمینہ یا کنجوس کیوں کہا تو متکلم کہہ سکتا ہے کہ اس کلام سے میں نے تیرا ارادہ نہیں کیا بلکہ کسی اور کا ارادہ کیا ہے۔

(۳) **مخاطب کو محذوف کی تعیین پر تنبیہ کرنا**: دواعی حذف میں سے تیسرا سبب یہ ہے کہ مخاطب کو محذوف کے متعین ہونے پر تنبیہ کرنا کہ محذوف متعین ہے ہر آدمی اسکو جانتا ہے خواہ یہ تعیین بطور دعوی ہی کیوں نہ ہو، تعیین حقیقی کی مثال جیسے خَـالِقُ كُلِّ شَيْءٍ کہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے، اصل میں تھا اَللّٰـهُ خَـالِقُ كُلِّ شَيْءٍ جب لفظ اللہ کو حذف کیا تو سننے والا فوراً غور کرتا ہے کہ یہ صفت صرف اللہ تعالی کے ساتھ خاص ہے کوئی دوسرا اسمیں شریک نہیں، یا تعیین ادعائی ہو جیسے وَهَّـابُ الْاُلُوْفِ ہزاروں کا دینے والا، اصل میں تھا سُلْطَـانٌ وَهَّـابُ الْاُلُوْفِ کہ عرفاً اور عادۃً اتنا مال سلطان ہی خرچ کر سکتا ہے کوئی دوسرا اتنا خرچ نہیں کر سکتا اگرچہ دوسرا بھی ہو سکتا ہے یہاں سلطان تعیین ادعائی کیوجہ سے محذوف ہے۔

(۴) **سامع کے فہم کی آزمائش کرنا**: دواعی حذف میں سے چوتھا سبب یہ ہے کہ سامع کی سمجھداری اور بیداری کا امتحان کرنا کہ وہ بات کی تہہ تک پہنچ سکتا ہے کہ نہیں جیسے نُـوْرُهٗ مُسْتَـفَادٌ مِّنْ نُوْرِ الشَّمْسِ کہ اس کا نور سورج کے نور سے حاصل شدہ ہے اصل میں تھا کہ نُـوْرُ الْـقَـمَرِ مُسْتَفَادٌ مِّنْ نُوْرِ الشَّمْسِ تو یہاں قمر حذف کر کے اس کی جگہ ضمیر لائے ہیں، یا سامع کی سمجھداری کی مقدار معلوم کرنے کیلئے حذف کرنا کہ سامع کی فہم کتنی تیز ہے، کیا قرائن خفیہ سے محذوف کی تعیین پر متنبہ ہو سکتا ہے یا نہیں کہ اس کا سلیقہ فہم کس درجہ کا ہے جیسے وَاسِطَةُ عِقْدِ الْكَوَاكِبِ ستاروں کے ہار کا امام ہے یعنی بہترین جوہر ہے۔

واسطہ اس عمدہ جوہر کو کہتے ہیں جو ہار کے بیچ میں رکھا جاتا ہے اور کواکب میں سب سے عمدہ قمر ہی ہے اسلئے کواکب کے ہار میں قمر ہی واسطہ ہوا پس اس قرینہ کی وجہ سے مسند الیہ قمر کو حذف

کر دیا اس مسند الیہ کیطرف ذہن ذرا دیر سے منتقل ہوتا ہے۔

(۵) **مقام کی تنگی کی وجہ سے:** دواعی حذف میں سے پانچواں سبب مقام کی تنگی ہے وہ خواہ اظہار درد کیوجہ سے ہو کہ تکلیف اور درد کیوجہ سے کلامِ طویل سے طبعیت نفرت کرتی ہے اسلئے مسند الیہ کو حذف کر دیا جیسے شاعر کے اس قول میں

شعر قَالَ لِیْ کَیْفَ اَنْتَ قُلْتُ عَلِیْلٌ ☆ سَهَرٌ دَآئِمٌ وَ حُزْنٌ طَوِیْلٌ

شعر کی تشریح: قَالَ صیغہ واحد مذکر غائب بحث اثبات فعل ماضی معروف از باب نصر بمعنی بات کہنا، عَلِیْلٌ بمعنی بیمار، سَهَرٌ از باب سمع بمعنی بیدار رہنا، دَآئِمٌ اسم فاعل از باب نصر بمعنی ہمیشہ رہنا، طَوِیْلٌ صیغہ صفت از باب نصر بمعنی لمبا ہونا۔

شعر کا مطلب: اس نے مجھ سے کہا کہ تمہارا حال کیسا ہے میں نے جواب دیا کہ بیمار ہوں لمبی بیداری ہے اور طویل غم ہے، یعنی دائمی اور طویل بیماری اور مسلسل غم میں مبتلا ہوں، ایک اردو کا شعر بعینہٖ اسکی ترجمانی کرتا ہے

۔ حال میرا پوچھتے ہو کیا بہت بیمار ہوں ☆ مبتلائے عشق ہوں اور شب و روز بیدار ہوں

محل استشهاد: اس شعر میں محل استشہاد قُلْتُ عَلِیْلٌ ہے اصل میں قُلْتُ اَنَا عَلِیْلٌ تھا اَنَا مسند الیہ کو تنگی مقام کی وجہ سے حذف کر دیا کیونکہ اظہار تکلیف کے وقت زیادہ بات نہیں کیجاتی۔

یا حذف وقت اور موقع نکل جانے کے خوف کیوجہ سے ہو جیسے غَزَالٌ اصل میں تھا هٰذَا غَزَالٌ اب یہاں موقع فوت ہو جانے کا خطرہ ہے، کہ شکار نکل جانے کے خطرہ کی وجہ سے هٰذَا مسند الیہ کو حذف کر دیا۔

(۶) **اظہارِ عظمت اور حقارت کیلئے:** دواعی حذف میں سے چھٹا سبب یہ ہے کہ

متکلم اپنی زبان کو محذوف کے ذکر کرنے کے قابل نہیں سمجھتا اور اس کے نام لینے کو بے ادبی پر محمول کرتا ہے جیسے نُجُوْمُ سَمَآءٍ اصل میں تھا ھُمْ نُجُوْمُ سَمَآءٍ کہ وہ حضرات آسمان کے ستارے ہیں تو یہاں ھُمْ مسند الیہ کو عظمت کیوجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔

یا متکلم محذوف کو اس قدر حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے کہ وہ اس سے اپنی زبان کو محفوظ رکھتا ہے کیونکہ محذوف اتنا قبیح ہے کہ اسکو اپنی زبان پر لاکر زبان کو گندا نہیں کرنا چاہتا جیسے قَوْمٌ إِذَا أَكَلُوْا أَخْفَوْا حَدِيْثَهُمْ اصل میں تھا ھُمْ قَوْمٌ إِذَا أَكَلُوْا أَخْفَوْا حَدِيْثَهُمْ کہ وہ ایسی بخیل اور کنجوس قوم ہے کہ جب کھانا کھانے لگتے ہیں تو بات اسلئے آہستہ کرتے ہیں کہ کوئی آواز سن کر کھانے میں شریک نہ ہو جائے تو ایسوں کا تذکرہ کر کے اپنی زبان کو کیوں گندا کیا جائے، یہاں حقارت کی بناء پر مسند الیہ کو حذف کر دیا گیا ہے۔

(۷) وزن شعر اور کلام مُقَفّٰی کی رعایت کیلئے: دواعی حذف میں سے ساتواں سبب یہ ہے کہ وزن عروضی باقی رہے کیونکہ اگر حذف نہ کیا جائے تو پھر شعر کا وزن ٹوٹ جائے گا جیسے شاعر کے شعر میں

شعر نَحْنُ بِمَا عِنْدَنَا وَ أَنْتَ بِمَا عِنْ ☆ دَكَ رَاضٍ وَ الرَّأْيُ مُخْتَلِفٌ

شعر کی تشریح: رَاضٍ صیغہ واحد مذکر بحث اسم فاعل از باب سمع بمعنی راضی اور خوش ہونا، مُخْتَلِفٌ صیغہ واحد مذکر بحث اسم فاعل از باب افتعال بمعنی اختلاف کرنا۔

شعر کا مطلب: ہم اپنی رائے سے اور تم اپنی رائے سے خوش ہو اور یہ بات تو مسلم ہے رائے کا اختلاف ہونا ناگزیر ہے یعنی اختلاف رائے میں تعجب نہ ہونا چاہئے۔

محل استشہاد: اس شعر میں محل استشہاد نَحْنُ بِمَا عِنْدَنَا ہے اصل میں تھا نَحْنُ بِمَا

عِنْدَنَا رَاضُوْنَ وَ اَنْتَ بِمَا عِنْدَكَ رَاضٍ اس شعر میں نَحْنُ کی خبر رَاضُوْنَ وزن شعر کی حفاظت کیلئے حذف کردی گئی ہے۔

حذف کے اسباب میں سے ایک سبب سجع کی حفاظت ہے، سجع سے مراد کلام نثر کے فقرے ایک ہی حرف پر ہوں تو سجع کی حفاظت کیلئے مفعول کو حذف کردیا جیسے قرآن پاک میں ہے ''مَاوَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی ''۔اصل میں تھا وَ مَا قَلَاكَ لیکن وَالضُّحٰی وَ اللَّيْلِ اِذَا سَجٰی اور بعد والی آیت وَ لَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی میں وَ الضُّحٰی اور اِذَا سَجٰی اور اُوْلٰی کیساتھ سجع بندی کیلئے وَمَا قَلٰی سے كَ ضمیر مفعول کو حذف کردیا کیونکہ اگر قَلَاكَ کہا جاتا تو سجع بندی ٹوٹ جاتی۔

(۸) اختصار کا لحاظ کر کے کسی چیز کو عام کرنا: دواعی حذف میں سے آٹھواں سبب یہ ہے کہ اختصار کیوجہ سے حکم کو عام کرنا جیسے وَ اللّٰهُ يَدْعُوْ اِلٰی دَارِ السَّلَامِ اصل میں تھا وَ اللّٰهُ يَدْعُوْ اِلٰی دَارِ السَّلَامِ جَمِيْعَ عِبَادِهٖ کہ اللہ تعالی جنت کیطرف اپنے تمام بندوں کو بلاتا ہے، تو اس آیت میں جَمِيْعَ عِبَادِهٖ ، يَدْعُوْ کا مفعول حذف کردیا ہے کیونکہ مفعول کا بلا قرینہ تعیین حذف کردینا عمومیت کا فائدہ دیتا ہے۔

(۹) ادب کا لحاظ کرنا: دواعی حذف میں سے نواں سبب یہ ہے کہ ادب کا لحاظ باعث حذف ہوتا ہے جیسے شاعر کا قول

شعر قَدْ طَلَبْنَا فَلَمْ نَجِدْكَ فِی السُّوْ ☆ دَدِ وَ الْمَجْدِ وَ الْمَكَارِمِ مَثَلًا

شعر کی تشریح: طَلَبْنَا صیغہ جمع متکلم بحث اثبات فعل ماضی معروف از باب نصر بمعنی طلب کرنا، فَلَمْ نَجِدْ صیغہ جمع متکلم بحث نفی جحد بلم در فعل مستقبل معروف از باب ضرب بمعنی پانا، سُؤْدَدٌ، سِيَادَةٌ از باب نصر بمعنی سردار ہونا، اَلْمَجْدُ از باب نصر بمعنی بزرگ ہونا، اَلْمَكَارِمُ یہ

جمع ہے مَكْرُوْمَةٌ کی بمعنی اچھا وصف، شریفانہ کارنامہ۔

شعر کا مطلب: تحقیق ہم نے تلاش کیا تو سرداری، بزرگی اور حسن اخلاق میں تیری مثل کوئی نہیں پایا۔

محل استشہاد: اس شعر میں محل استشہاد قَدْ طَلَبْنَا ہے اسکا مفعول ادب کیوجہ سے محذوف ہے اصل میں تھا قَدْ طَلَبْنَا مِثْلَكَ ، یہاں مِثْلَكَ مفعول بہ کو بوجہ ادب حذف کر دیا کیونکہ اپنے محبوب کے سامنے صراحۃً اسکی مثل طلب کرنا ادب کے خلاف ہے، گویا کہ اسکا مماثل کالعدم ہے مفعول کو حذف کرنے سے ممدوح مزید خوش ہوگا اور اس مفعول کے حذف میں ادب بھی ہے کیونکہ محبوب کے سامنے اسکے مماثل کو ذکر کرنا اسکی شان اور ادب کے خلاف ہے۔

(۱۰) فعل متعدی کو فعل لازم کے درجے میں اتارنا: دواعی حذف کے اسباب میں سے دسواں سبب فعل متعدی کو فعل لازم کے درجہ میں اتارنا ہے یعنی فعل متعدی کے معمول کو ذکر نہ کیا جائے جب کہ معمول کے ساتھ غرض کا تعلق نہ ہو جیسے قرآن پاک میں ہے هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اس آیت میں دونوں فعلوں کو بمنزلہ لازم کے مانا گیا ہے اور انکا مفعول حذف کر دیا ہے کیونکہ یہاں فعل متعدی کا کسی معمول سے تعلق نہیں ہے کہ يَعْلَمُوْنَ کا معمول کیا ہے اس سے غرض نہیں ہے بلکہ آیت کریمہ کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص وحی الٰہی کو نہیں جانتا گویا کہ وہ کچھ بھی نہیں جانتا، یہاں یہ بتلانا ہے کہ دو طبقے ہیں ایک وہ جسکے سامنے علم کی حقیقت ظاہر ہوئی ہے دوسرا وہ طبقہ جسکے سامنے علم کی حقیقت ظاہر نہیں ہوئی کیا یہ دونوں طبقے برابر ہو سکتے ہیں، یقیناً برابر نہیں ہو سکتے۔

قوله وَ يُعَدُّ مِنَ الْحَذْفِ إِسْنَادُ الْفِعْلِ الخ

فعل کو نائب فاعل کیطرف منسوب کرنا از قبیل حذف ہی

شمار ہوگا

یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ فعل کی اسناد اگر نائب فاعل کیطرف ہوتو اسکو بھی از قبیل حذف شمار کرتے ہیں فاعل کے حذف کی مختلف صورتیں ہوتیں ہیں۔

(۱) **پہلی صورت:** فاعل کا حذف کبھی فاعل کے ڈر کیوجہ سے ہوتا ہے کہ فاعل کیطرف اسناد کرنے سے نقصان کا خطرہ ہے اسلئے نائب فاعل کیطرف اسناد کر دیتے ہیں اس لئے اگر سَرَقَ زَیْدٌ کہا جائے تو زید سے نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے اسلئے نائب فاعل کیطرف اسناد کر کے سُرِقَ الْمَتَاعُ کہہ دیا۔

(۲) **دوسری صورت:** فاعل کا حذف کبھی اس ڈر کیوجہ سے ہوتا ہے کہ اسکو یعنی فاعل کو کوئی نقصان نہ پہنچائے اسلئے نائب فاعل کیطرف اسناد کر دیتے ہیں کہ فاعل پر نقصان کا اندیشہ ہے جیسے اگر سَرَقَ زَیْدٌ کہا جائے تو مال کے مالک کو پتہ چل جائے اور وہ زید کو بہت زیادہ نقصان پہنچائے گا اسلئے سُرِقَ الْمَتَاعُ کہہ دیا۔

(۳) **تیسری صورت:** فاعل کا حذف کبھی اسوجہ سے ہوتا ہے کہ فاعل متعین ہے کہ فعل کی نسبت فاعل کیطرف ہو یا نائب فاعل کیطرف کوئی فرق نہیں پڑتا ہے جیسے خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا فاعل رب العزت متعین ہی ہیں اسلئے حذف کر دیا۔

(۴) **چوتھی صورت:** کبھی فاعل کا حذف اسوجہ سے ہوتا ہے کہ فاعل مجہول ہے اور پتہ نہیں کہ کون فاعل ہے تو مجبوراً نائب فاعل کیطرف نسبت کر دی گئی ہے جیسے سُرِقَ الْمَتَاعُ۔

اَلْبَابُ الثَّالِثُ فِیْ التَّقْدِیْمِ وَ التَّاخِیْرِ

مِنَ الْمَعْلُوْمِ اَنَّهُ لَا یُمْكِنُ النُّطْقُ بِاَجْزَآءِ الْكَلَامِ دَفْعَةً وَاحِدَةً بَلْ لَا بُدَّ مِنْ

تَقْدِيْمِ بَعْضِ الْاَجْزَآءِ وَ تَاخِيْرِ الْبَعْضِ وَ لَيْسَ شَيْءٌ مِّنْهَا فِيْ نَفْسِهٖ اَوْلٰى بِالتَّقْدِيْمِ مِنَ الْاٰخَرِ لِاشْتِرَاكِ جَمِيْعِ الْاَلْفَاظِ مِنْ حَيْثُ هِيَ اَلْفَاظٌ فِيْ دَرَجَةِ الْاِعْتِبَارِ فَلَا بُدَّ مِنْ تَقْدِيْمِ هٰذَا عَلٰى ذَاكَ مِنْ دَاعٍ يُوْجِبُهٗ فَمِنَ الدَّوَاعِيْ

(۱) اَلتَّشْوِيْقُ إِلَى الْمُتَاَخِّرِ إِذَا كَانَ الْمُتَقَدِّمُ مُشْعِرًا بِغَرَابَةٍ نَحْوُ

وَ الَّذِيْ حَارَتِ الْبَرِيَّةُ فِيْهِ ☆ حَيَوَانٌ مُسْتَحْدَثٌ مِنْ جَمَادٍ

(۲) وَ تَعْجِيْلُ الْمَسَرَّةِ اَوِ الْمَسَاءَةِ نَحْوُ الْعَفْوُ عَنْكَ صَدَرَ بِهِ الْاَمْرُ اَوِ الْقِصَاصُ حَكَمَ بِهِ الْقَاضِيْ

(۳) وَ كَوْنُ الْمُتَقَدِّمِ مَحَطَّ الْاِنْكَارِ وَ التَّعَجُّبِ نَحْوُ اَ بَعْدَ طُوْلِ التَّجْرِبَةِ تَنْخَدِعُ بِهٰذِهِ الزَّخَارِفِ

(۴) وَ سُلُوْكُ سَبِيْلِ التَّرَقِّيْ اَيِ الْاِتْيَانِ بِالْعَامِّ اَوَّلًا ثُمَّ الْخَاصِّ بَعْدَهٗ لِاَنَّ الْعَامَّ إِذَا ذُكِرَ بَعْدَ الْخَاصِّ لَا يَكُوْنُ لَهٗ فَائِدَةٌ نَحْوُ هٰذَا الْكَلَامُ صَحِيْحٌ فَصِيْحٌ بَلِيْغٌ فَاِذَا قُلْتَ فَصِيْحٌ بَلِيْغٌ لَا تَحْتَاجُ إِلٰى ذِكْرِ صَحِيْحٍ وَ إِذَا قُلْتَ بَلِيْغٌ لَا تَحْتَاجُ إِلٰى ذِكْرِ صَحِيْحٍ وَ لَا فَصِيْحٍ

(۵) وَ مُرَاعَاتُ التَّرْتِيْبِ الْوُجُوْدِيِّ نَحْوُ "لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ"

تیسرا باب تقدیم اور تاخیر کے بیان میں

ترجمہ: یہ بات معلوم ہی ہے کہ کلام کے اجزاء کیساتھ ایک ہی دفعہ بولنا ممکن نہیں بلکہ ضروری ہے بعض اجزاء کا مقدم ہونا اور بعض اجزاء کا موخر ہونا، اور نہیں ہے ان اجزاء میں سے کوئی جزء ایسا کہ جو فی نفسہ دوسرے جزء پر مقدم ہونے کا زیادہ حق رکھتا ہو کیونکہ تمام الفاظ بحیثیت الفاظ ہونے کے، اعتبار کے درجہ میں مشترک ہیں، پس ضروری ہے کسی سبب کا ہونا جو اس جزء کی تقدیم کو اس جزء پر ثابت کرے چنانچہ اسباب تقدیم یہ ہیں۔

(۱) اور مؤخر کا شوق دلانا جبکہ امر مقدم کسی نادر اور حیرت انگیز چیز کی خبر دیتا ہو جیسے ''وہ چیز جسکے بارے میں مخلوق حیران ہے وہ ایک جاندار ہے جو ایک بے جان سے پیدا ہوا ہے''۔

(۲) خوش کرنے والے اور رنجیدہ کرنے والے امر کو جلدی پیش کرنا جیسے ''تیری معافی کا حکم صادر ہوا ہے'' یا جیسے ''قصاص کا حکم قاضی نے دیا ہے''۔

(۳) شے مقدم کا انکار اور تعجب کے موقع پر ہونا جیسے ''کیا اتنے زیادہ تجربہ کے بعد بھی ان بناوٹی باتوں سے دھوکا کھا جاتے ہو''۔

(۴) ترقی کا راستہ چلنا یعنی پہلے عام کو لانا پھر اسکے بعد خاص کو، اسلئے کہ عام جب خاص کے بعد ذکر کیا جائے تو اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا جیسے ''یہ کلام صحیح فصیح اور بلیغ ہے'' جب تم نے فصیح، بلیغ کہہ دیا تو اس وقت صحیح کے ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور جب تم نے بلیغ کہہ دیا تو اس وقت صحیح اور فصیح کے ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

(۵) اور ترتیب وجودی کا لحاظ رکھنا جیسے ''نہیں پکڑتی اسکو اونگھ اور نہ نیند''۔

تجزیہ عبارت: مذکورہ عبارت میں مصنفؒ نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ کلام کے اجزاء میں سے بعض کی تقدیم بعض پر کن اسباب کی وجہ سے ہوتی ہے کیونکہ تمام الفاظ بحیثیت الفاظ ہونے کے درجہ اعتبار میں برابر ہیں لہذا ایسے سبب کا ہونا ضروری ہے جو تقدیم کا باعث ہو چنانچہ انہی اسباب تقدیم وتاخیر کو بیان کر رہے ہیں۔

تشریح: قوله مِنَ الْمَعْلُوْمِ اَنَّهٗ لَا يُمْكِنُ النُّطْقُ بِاَجْزَآءِ الْكَلَامِ الخ

کلام کے بعض اجزاء کا بعض پر مقدم ہونا ضروری ہے

یہ تو بات بدیہی اور متعین ہی ہے کہ کلام کے تمام اجزاء ایک ہی دفعہ زبان سے بولنا ممکن نہیں ہے لہذا ضروری طور پر کلام کے بعض اجزاء مقدم ہونگے اور بعض اجزاء مؤخر، اور یہ بات بھی بدیہی ہے کہ کلام کے ان حصوں میں سے کوئی حصہ ایسا نہیں کہ جو فی نفسہ دوسرے جزء سے مقدم ہونیکا

زیادہ حق رکھتا ہو اسلئے کہ تمام الفاظ بحیثیت الفاظ ہونے کے درجہ اعتبار میں برابر شریک ہیں بشرطیکہ وہاں کوئی صدارت کلام کا مقتضی نہ ہو جیسے حروف شرط واستفہام وغیرہ، تو وجہ تقدیم کیلئے کسی دواعی کا ہونا ضروری ہے تو اب مصنفؒ انہی دواعی تقدیم کو بیان کررہے ہیں۔

قولہ فَمِنَ الدَّوَاعِیْ الخ

دواعی تقدیم کی نو جگہیں

یہاں سے مصنفؒ ان اسباب کو بیان کررہے ہیں جو تقدیم کے داعی اور باعث ہوتے ہیں یہاں نو اسباب کو بیان کررہے ہیں۔

(۱) امر متاخر کا شوق دلانا: تقدیم کے اسباب میں سے پہلا سبب یہ ہے کہ مخاطب کو امر مؤخر کا شوق دلانا جب کہ امر مقدم کسی حیرت انگیز اور نادر چیز کی خبر دیتا ہو، یعنی پہلا جملہ ایسے امر پر مشتمل ہو جس سے دوسرے جملہ کی طرف سامع کا شوق بڑھے اور جو چیز شوق اور طلب کے بعد حاصل کی جاتی ہے وہ ذہن میں خوب راسخ ہو جاتی ہے جیسے ابو العلاء مصری کے اس شعر میں

شعر وَالَّذِیْ حَارَتِ الْبَرِیَّةُ فِیْهِ ☆ حَیَوَانٌ مُسْتَحْدَثٌ مِنْ جَمَادٍ

شعر کی تشریح: حَارَتْ، صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث اثبات فعل، ماضی معروف از باب سمع بمعنی پریشان ہونا، بَرِیَّةٌ اسکی جمع بَرَایَا بمعنی مخلوق، حَیَوَانٌ اسکی جمع حَیَوَانَاتٌ بمعنی جاندار مُسْتَحْدَثٌ صیغہ واحد مذکر غائب بحث اسم مفعول، از باب استفعال بمعنی نئی چیز ایجاد کرنا، جَمَادٌ، جَمَدَ از باب نصر جَمْدًا وَّ جُمُوْدًا بمعنی جم جانا، ارضِ جماد وہ زمین جس پر بارش نہ برسی ہو، جماد کی جمع جمادات آتی ہے، غیر جاندار اشیاء پتھر وغیرہ، کائنات میں تین قسم کی مخلوقات ہیں۔

(۱) حیوانات (۲) نباتات (۳) جمادات۔

شعر کا مطلب: اور وہ چیز جسکے بارے میں مخلوق متحیر اور پریشان ہے وہ جاندار ہے جو فنا ہونے کے بعد بے جان شے یعنی مٹی اور گلی ہوئی ہڈیوں سے ازسرنو پیدا ہونے والا ہے۔

فائدہ: حیوان مستحدث سے کیا مراد ہے: اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔

(۱) **پہلا قول:** اس سے آدم علیہ السلام مراد ہیں کہ اللہ تعالی نے ان کو مٹی سے پیدا کیا۔

(۲) **دوسرا قول:** اس سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی مراد ہے جس کو اللہ تعالی نے اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ پتھر سے پیدا کیا۔

(۳) **تیسرا قول:** حضرت موسی علیہ السلام کا عصا مراد ہے جو اللہ تعالی نے لکڑی سے بہت بڑا سانپ بنادیا۔

(۴) **چوتھا قول:** اس سے مراد بعث بعد الموت ہے کہ اللہ تعالی قبروں سے مُردوں کو پیدا کرینگے مسلمان بعث بعد الموت کے قائل ہیں اور کتنے ہی کافر ہیں جو بعث بعد الموت کے منکر ہیں۔ (۵) **پانچواں قول:** جواہر القرآن میں لکھا ہے کہ حیوان سے مراد قفس پرندہ ہے جو ہندوستان میں ہوتا ہے اور اس کا رنگ انتہائی سفید ہوتا ہے اور اسکی چونچ لمبی ہوتی ہے جس میں تین سو ساٹھ سوراخ ہوتے ہیں جب وہ بولتا ہے تو ہر سوراخ سے بہت پیاری آواز نکلتی ہے جب اسکی موت کا وقت قریب آتا ہے تو بہت سی لکڑیاں جمع کرتا ہے اور ان پر بیٹھ کر مستی کے عالم میں خوش الحانی سے آواز نکالتا ہے اس مستی کے عالم میں اچانک آگ بھڑک اٹھتی ہے جس سے وہ جل کر

راکھ ہو جاتا ہے پھر کچھ عرصہ بعد باذن خداوندی اسی راکھ سے دوسرا قفس پیدا ہو جاتا ہے۔

محل استشہاد: اس شعر میں محل استشہاد پہلا مصرعہ وَالَّذِیْ حَارَتِ الْبَرِیَّةُ فِیْهِ ہے یہ مصرعہ دوسرے مصرعہ کیطرف شوق دلا رہا ہے اور یہ پہلا مصرعہ مبتدا بن رہا ہے اور حَیَوَانٌ مُسْتَحْدَثٌ مِّنْ جَمَادٍ اسکی خبر بن رہا ہے اور مبتدا حیرت انگیز خبر کی طرف شوق دلا رہا ہے اس لئے اسکو مقدم کیا ہے جس کی وجہ سے آدمی مصرعہ ثانی کا متمنی ہوتا ہے۔

(۲) خوش کن یا رنجیدہ امر کو جلدی سے پیش کرنا ہے: تقدیم کے اسباب میں سے دوسرا سبب یہ ہے کہ خوش کرنے والی بات کو جلدی سے پیش کرنا تاکہ مخاطب جلدی خوش ہو جائے جیسے اَلْعَفْوُ عَنْكَ صَدَرَ بِهِ الْاَمْرُ کہ تیری معافی کا حکم حاکم نے صادر کر دیا ہے، اس مثال میں العفو کو مقدم جلدی خوشخبری پہنچانے کیلئے کیا ہے ورنہ اصل عبارت یوں ہے صَدَرَ الْاَمْرُ بِالْعَفْوِ عَنْكَ، اسی طرح رنج اور تکلیف دینے والی بات کو جلدی سے پیش کرنا تاکہ مخاطب غمزدہ اور پریشان ہو جائے جیسے اَلْقِصَاصُ حَكَمَ بِهِ الْقَاضِیْ قصاص کا حکم قاضی نے دے دیا ہے اس مثال میں اَلْقِصَاصُ کو اس لئے مقدم کیا ہے تاکہ مخاطب کو ابتداءً ہی میں پریشان کر دیا جائے ورنہ اصل عبارت یوں ہے حَكَمَ الْقَاضِیْ الْقِصَاصَ۔

(۳) امر متقدم کا محل انکار و تعجب ہونا: تقدیم کے اسباب میں سے تیسرا سبب یہ ہے کہ امر متقدم محل انکار و تعجب ہوتا ہے یعنی کلام کے بعض حصہ کو مخاطب پر انکار و تعجب کی وجہ سے مقدم کیا جاتا ہے اَبَعْدَ طُوْلِ التَّجْرِبَةِ تَنْخَدِعُ بِهٰذِهِ الزَّخَارِفِ کیا اتنا زیادہ تجربہ کے بعد بھی تم ان بناوٹی باتوں سے دھوکا کھا جاتے ہو، یہ مثال اس وقت بولی جاتی ہے جب چست چالاک تجربہ کار آدمی کسی عام شخص سے دھوکا کھا جائے تو اس پر تعجب اور انکار کی وجہ سے اَبَعْدَ طُوْلِ التَّجْرِبَةِ کو مقدم کیا ورنہ اصل عبارت تَنْخَدِعُ بِهٰذِهِ الزَّخَارِفِ بَعْدَ طُوْلِ

التَّجرِبَۃِ ہے۔

(۴)**ترقی کا راستہ چلنا**: تقدیم کے اسباب میں سے چوتھا سبب یہ ہے کہ ترقی کا راستہ چلنا یعنی پہلے عام کو ذکر کرنا اسکے بعد خاص کو، اسلئے کہ اگر عام کو خاص کے بعد ذکر کیا جائے تو اس سے کوئی خاص فائدہ حاصل نہیں ہوتا جیسے ھٰذَا الْکَلَامُ صَحِیْحٌ فَصِیْحٌ بَلِیْغٌ اس میں صحیح عام ہے فَصِیْحٌ خاص ہے صَحِیْحٌ کے مقابلہ میں، اور عام ہے بَلِیْغٌ کے مقابلہ میں، اور بَلِیْغٌ دونوں سے خاص ہے لہذا اس کلام کا فائدہ ہے اس میں ترقی عام کے بعد خاص کو ذکر کرنے سے ہے، اور یہ کلام صحیح نہیں فَصِیْحٌ بَلِیْغٌ صَحِیْحٌ کیونکہ اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ جب فَصِیْحٌ بَلِیْغٌ کہہ دیا تو پھر صحیح کے ذکر کی بالکل ضرورت نہیں ہوتی اسلئے کہ کلام اسوقت تک فَصِیْحٌ ہو ہی نہیں ہوسکتا جب تک وہ صحیح نہ ہو۔

اور یہ بھی کلام صحیح نہیں ھٰذَا الْکَلَامُ بَلِیْغٌ فَصِیْحٌ صَحِیْحٌ اسمیں فَصِیْحٌ اور بَلِیْغٌ کا کوئی فائدہ نہیں لہذا جب بَلِیْغٌ کہہ دیا تو فَصِیْحٌ صَحِیْحٌ کہنے کی ضرورت نہیں اسلئے کہ کلام اسی وقت بلیغ ہوتا ہے جبکہ وہ فصیح اور صحیح ہو۔

(۵)**ترتیب وجودی کا لحاظ رکھنا**: تقدیم کے اسباب میں سے پانچواں سبب یہ ہے ترتیب وجودی کا لحاظ رکھنا یعنی کلام میں وہی ترتیب قائم رکھنا جو خارج میں ترتیب موجود ہو یعنی جو چیز وجود میں مقدم ہوتی ہے اسے لفظوں میں بھی مقدم کر دینا تا کہ وجودِ خارجی اور وجودِ لفظی میں مطابقت ہوجائے جیسے لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ کہ اللہ تعالی کو نہ اونگھ پکڑتی ہے اور نہ نیند تو یہاں اونگھ کو نیند پر مقدم کیا کیونکہ خارج میں وجود کے لحاظ سے اونگھ نیند پر مقدم ہوتی ہے۔

(۶)وَالنَّصُّ عَلٰی عُمُوْمِ السَّلْبِ اَوْ سَلْبِ الْعُمُوْمِ فَالْاَوَّلُ یَکُوْنُ بِتَقْدِیْمِ اَدَاۃِ الْعُمُوْمِ عَلٰی اَدَاۃِ النَّفْیِ نَحْوُ کُلُّ ذٰلِکَ لَمْ یَکُنْ اَیْ لَمْ یَقَعْ ھٰذَا وَلَا ذَاکَ وَ الثَّانِیْ یَکُوْنُ بِتَقْدِیْمِ اَدَاۃِ النَّفْیِ عَلٰی اَدَاۃِ الْعُمُوْمِ نَحْوُ لَمْ یَکُنْ کُلُّ ذٰلِکَ اَیْ لَمْ یَقَعِ

الْمَجْمُوْعِ فَيَحْتَمِلُ ثُبُوْتَ الْبَعْضِ وَ يَحْتَمِلُ نَفْيَ كُلِّ فَرْدٍ

(۷)وَ تَقْوِيَةُ الْحُكْمِ إِذَا كَانَ الْخَبَرُ فِعْلًا نَحْوُ "اَلْهِلَالُ ظَهَرَ" وَ ذٰلِكَ لِتَكْرَارِ الْاِسْنَادِ

(۸) وَالتَّخْصِيْصُ نَحْوُ "مَا اَنَا قُلْتُ" وَ "اِيَّاكَ نَعْبُدُ"

(۹)وَ الْمُحَافَظَةُ عَلٰى وَزْنٍ اَوْ سَجْعٍ فَالْاَوَّلُ نَحْوُ

إِذَا نَطَقَ السَّفِيْهُ فَلَا تُجِبْهُ ☆ فَخَيْرٌ مِّنْ اِجَابَتِهِ السُّكُوْتُ

وَ الثَّانِيْ نَحْوُ "خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ" وَلَمْ يُذْكَرْ لِكُلٍّ مِّنَ التَّقْدِيْمِ وَالتَّاخِيْرِ دَوَاعٍ خَاصَّةٌ لِاَنَّهُ إِذَا تَقَدَّمَ اَحَدُ رُكْنَيِ الْجُمْلَةِ تَاَخَّرَ الْاٰخَرُ فَهُمَا مُتَلَازِمَانِ

ترجمہ: (۶)تقدیم کے اسباب میں سے ایک سبب عموم سلب یا سلب عموم پر تصریح کرنا ہے پس پہلا یعنی عموم سلب حروف عموم کو حروف نفی پر مقدم کرنے سے حاصل ہوتا ہے جیسے اس میں سے کچھ بھی نہیں ہوا یعنی نہیں واقع ہوا یہ اور نہ وہ، اور دوسرا یعنی سلب عموم، یہ حرف نفی کو حرف عام پر مقدم کرنے سے حاصل ہوتا ہے جیسے لَمْ يَكُنْ كُلُّ ذٰلِكَ یعنی نہیں پایا گیا مجموعہ پس یہ احتمال رکھتا ہے بعض کیلئے ثبوت کا اور احتمال رکھتا ہے کل افراد کی نفی کا۔

(۷)اور حکم کو قوی کرنا جبکہ خبر فعل ہو جیسے چاند ظاہر ہو گیا اور یہ تقویت حکم تکرار اسناد کے سبب سے ہوگا

(۸)ایک سبب تخصیص بھی ہے جیسے مَا اَنَا قُلْتُ میں نے تو نہیں کہا اور ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں

(۹)ایک سبب وزن یا سجع کی حفاظت کرنا جیسے شعر ہے "جب بیوقوف آدمی کوئی بات کہے تو اُسکا جواب نہ دے، اسکے جواب دینے سے خاموش رہنا بہتر ہے" اور دوسری مثال "تم اسکو پکڑو پس اسکو طوق پہناؤ پھر تم اسکو جہنم میں داخل کرو پھر اسکو ایسے زنجیر میں جکڑ دو جسکی لمبائی ستر گز ہے" تقدیم اور تاخیر میں سے ہر ایک کے خصوصی اسباب فرداً فرداً بیان نہیں کیے گئے اسلئے کہ جملہ کے دو رکنوں میں سے ایک رکن مقدم ہوگا تو دوسرا رکن ضرور ہی مؤخر ہوگا اسلئے کہ دونوں رکن ایک

دوسرے کو لازم وملزوم ہیں۔

تجزیہ عبارت: مذکورہ عبارت میں مصنفؒ نے تقدیم کے اسباب میں سے عموم سلب، تقویۃ حکم، تخصیص اور حفاظت وزن شعر وسجع کو بیان کیا ہے۔

تشریح: قولہ وَ النَّصُّ عَلٰی عُمُوْمِ السَّلْبِ اَوْ سَلْبِ الْعُمُوْمِ الخ

(۶) عموم سلب یا سلب عموم پر تصریح کرنا: تقدیم کے اسباب میں سے چھٹا سبب عموم سلب یا سلب عموم پر تصریح کرنا ہے، عموم سلب (یعنی نفی کی عمومیت) حروف عموم کو حروف نفی پر مقدم کرنے سے حاصل ہوتا ہے جیسے کُلُّ ذٰلِکَ لَمْ یَکُنْ اس مثال میں کُلُّ ذٰلِکَ میں کُلُّ حرف عام ہے اور لَمْ یَکُنْ میں لَمْ حرف نفی اور کُلُّ عموم کا حرف نفی سے مقدم ہے جسکی وجہ سے عموم سلب پر صراحت ہوگئی ہے یعنی کچھ بھی واقع نہیں ہوا، نہ یہ، نہ وہ، اور عموم سلب میں ہر ہر فرد کی نفی ہوتی ہے اور دوسری صورت سلب عموم ہے اور یہ حرف نفی کو حرف عام مقدم کرنے سے حاصل ہوتا ہے جیسے لَمْ یَکُنْ کُلُّ ذٰلِکَ یعنی مجموع واقع نہیں ہوا، اسمیں یہ بھی احتمال ہے کہ بعض افراد کیلئے حکم ثابت ہو اور اسکا بھی احتمال ہے کہ کل افراد سے حکم کی نفی ہو، سلب عموم میں حکم کی نفی ہر ہر فرد سے نہیں ہوتی بلکہ بعض افراد سے ہوتی ہے باقی بعض افراد ان میں یہ بھی احتمال ہے کہ حکم کی ان افراد سے بھی نفی ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ حکم کی ان سے نفی نہ ہو۔

اسکا خلاصہ یہ ہے کہ جب عموم سلب مراد ہو تو اس وقت حرف عام کو حرف نفی پر مقدم کریں گے جیسے کُلُّ ذٰلِکَ لَمْ یَکُنْ تو اس وقت ہر ہر فرد سے حکم کی نفی ہوگی اور جب سلب عموم مراد ہو تو اس وقت حرف نفی کو حرف عام پر مقدم کریں گے جیسے لَمْ یَکُنْ کُلُّ ذٰلِکَ اسمیں نفی ہر ہر فرد سے نہیں ہوگی بلکہ مطلقاً نفی ہوگی۔

(۷) حکم کو قوی کرنا: تقدیم کے اسباب میں سے ساتواں سبب حکم کو مستحکم اور قوی کرنا ہے اور

یہ حکم کو قوی کرنا تکرار اسناد کی وجہ سے ہوتا ہے اور تکرار اسناد اس وقت ہوگا جب خبر فعل ہو جیسے اَلْهِلَالُ ظَهَرَ اس میں تکرار اسناد اسطرح ہے کہ ظَهَرَ فعل کی اسناد فاعل کیطرف دو دفعہ ہوئی ہے، ایک دفعہ ظَهَرَ کی اسناد ضمیر هُوَ کیطرف پھر ظَهَرَ جملہ ہوکر اسکی اسناد اَلْهِلَالُ کیطرف، یہ اسناد کا تکرار ہے جسکی وجہ سے حکم قوی ہوگیا ہے جسکا معنی بنتا ہے یقیناً چاند نکل آیا ہے۔

(۸) **تخصیص کا ہونا**: تقدیم کے اسباب میں سے آٹھواں سبب تخصیص ہے یعنی جس جگہ تقدیم ہوگی عموماً وہاں تخصیص بھی ہوگی جیسے مشہور محاورہ ہے " تَقْدِيْمُ مَا حَقُّهُ التَّاخِيْرُ يُفِيْدُ الْحَصْرَ وَالتَّخْصِيْصَ " اس میں عموم ہے تقدیم مفعول کی ہو یا غیر مفعول کی، فعل پر ہو یا غیر فعل پر ہر قسم کی تقدیم عموماً تخصیص کا فائدہ دیتی ہے جیسے "مَا اَنَا قُلْتُ " میں نے نہیں کہا اس مثال میں اَنَا ضمیرِ فاعل مقدم ہے اسلئے اس میں تخصیص پیدا ہوگئی ہے اسی طرح اِيَّاكَ نَعْبُدُ اصل میں نَعْبُدُكَ تھا اس میں مفعول کے فعل سے مقدم ہونے کی وجہ سے تخصیص پیدا ہوگئی ہے کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔

(۹) **وزن شعر یا سجع کی حفاظت کا ہونا**: تقدیم کے اسباب میں سے نواں سبب وزن شعر کی حفاظت کے لئے مقدم کرنا جیسے اس شعر میں

شعر اِذَا نَطَقَ السَّفِيْهُ فَلَا تُجِبْهُ ☆ فَخَيْرٌ مِّنْ اِجَابَتِهِ السُّكُوْتُ

شعر کی تشریح: نَطَقَ صیغہ واحد مذکر غائب، بحث اثبات فعل ماضی معروف از باب ضرب بمعنی بات چیت کرنا، گفتگو کرنا، سَفِيْهٌ صیغہ صفت بروزن کریم اسکی جمع سَفَاهٌ اور اسکی مؤنث سُفَهَاءُ آتی ہے اور سَفِهَ از باب سمع بمعنی بیوقوف ہونا، لَا تُجِبْهُ صیغہ واحد مذکر حاضر بحث نہی حاضر معروف از باب افعال بمعنی جواب دینا سُكُوْتٌ مصدر از باب نصر بمعنی خاموش رہنا۔

شعر کا مطلب: جب بیوقوف آدمی کوئی بات کہے تو اسکا جواب نہ دے کیونکہ اسکا جواب دینے سے خاموش رہنا بہتر ہے جیسے قرآن پاک میں آتا ہے "وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَاماً" کہ جب اللہ کے بندوں سے جاہل لوگ بات کرتے ہیں تو وہ ان کی جہالت کی وجہ سے ان سے الجھتے نہیں بلکہ سلام کہہ کر ان سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔

محلِّ استشہاد: اس شعر میں محلِّ استشہاد فَخَیْرٌ مِّنْ إِجَابَتِهِ السُّکُوْتُ ہے شعر کا وزن برقرار رکھنے کیلئے فَخَیْرٌ خبر کو مقدم کیا گیا ہے اور اَلسُّکُوْتُ مبتدا ہے اسکو مؤخر کیا گیا ہے تو شعر کا وزن برقرار رکھنے کیلئے خبر کو مقدم کیا گیا ہے۔

یا سجع بندی برقرار رکھنے کیلئے فعل کے معمول کو فعل سے مقدم کیا جائے جیسے اس آیت میں "خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُ ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعاً فَاسْلُکُوْهُ" اس آیت میں ثُمَّ الْجَحِیْمَ معمول کو صَلُّوْا فعل سے مقدم کیا تا کہ سجع باقی رہے ورنہ اصل جملہ صَلُّوْهُ الْجَحِیْمَ ہے اسی طرح فِیْ سِلْسِلَةٍ معمول کو فَاسْلُکُوْهُ فعل سے مقدم کیا تا کہ سجع کلام باقی رہے ورنہ اصل جملہ فَاسْلُکُوْهُ فِیْ سِلْسِلَةٍ ہے، اگر معمول کو فعل سے مقدم نہ کیا جاتا تو کلام مقفّٰی کا لحاظ باقی نہ رہتا اور خُذُوْهُ اور فَغُلُّوْهُ سے مطابقت نہ رہتی۔

<u>قوله وَلَمْ يُذْكَرْ لِكُلٍّ مِّنَ التَّقْدِيْمِ الخ</u>

جملہ کے ایک رکن کے مقدم ہونے سے دوسرے کا مؤخر ہونا ضروری ہے

اعتراض: یہاں پر اشکال ہوتا ہے کہ مصنفؒ نے باب باندھا تھا تقدیم اور تاخیر کے بیان میں تو اسباب تقدیم کو تو بیان کیا ہے لیکن اسباب تاخیر کو بیان نہ کیا۔

جواب: تو اسکا جواب دیا ہے کہ تقدیم و تاخیر میں سے ہر ایک کے خصوصی اسباب کو الگ الگ بیان نہ کیا کیونکہ جملہ میں جو سبب کسی ایک رکن کی تقدیم کا باعث ہوگا وہی سبب اس کلام کے دوسرے رکن کی تاخیر کا سبب ہوگا لہذا تقدیم کے اسباب کا بیان کر دینا تاخیر کے اسباب بیان کر دینے سے مستغنی کر دیتا ہے چنانچہ تقدیم کے اسباب کو بیان کر دینے کے بعد تاخیر کے اسباب کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ تقدیم و تاخیر ایک دوسرے کو لازم و ملزوم ہیں۔

اَلْبَابُ الرَّابِعُ فِی التَّعْرِيْفِ وَ التَّنْكِيْرِ

إِذَا تَعَلَّقَ الْغَرَضُ بِتَفْهِيْمِ الْمُخَاطَبِ اِرْتِبَاطَ الْكَلَامِ بِمُعَيَّنٍ فَالْمَقَامُ لِلتَّعْرِيْفِ وَإِذَا لَمْ يَتَعَلَّقِ الْغَرَضُ بِذَالِكَ فَالْمَقَامُ لِلتَّنْكِيْرِ وَلِتَفْصِيْلِ هٰذَا الْاِجْمَالِ نَقُوْلُ مِنَ الْمَعْلُوْمِ اَنَّ الْمَعَارِفَ الضَّمِيْرُ وَالْعَلَمُ وَاِسْمُ الْاِشَارَةِ وَالْاِسْمُ الْمَوْصُوْلُ وَالْمُحَلّٰى بِاَلْ وَالْمُضَافُ لِوَاحِدٍ مِمَّا ذُكِرَ وَالْمُنَادٰى ،

وَاَمَّا الضَّمِيْرُ فَيُؤْتٰى بِهٖ لِكَوْنِ الْمَقَامِ لِلتَّكَلُّمِ اَوِ الْخِطَابِ اَوِ الْغَيْبَةِ مَعَ الْاِخْتِصَارِ نَحْوُ اَنَا رَجَوْتُكَ فِیْ هٰذَا الْاَمْرِ وَاَنْتَ وَعَدْتَنِیْ بِاِنْجَازِهٖ ، وَالْاَصْلُ فِی الْخِطَابِ اَنْ يَّكُوْنَ لِمُشَاهَدٍ مُعَيَّنٍ وَقَدْ يُخَاطَبُ غَيْرُ الْمُشَاهَدِ اِذَا كَانَ مُسْتَحْضَرًا فِی الْقَلْبِ نَحْوُ "اِيَّاكَ نَعْبُدُ" وَ غَيْرُ الْمُعَيَّنِ اِذَا قُصِدَ تَعْمِيْمُ الْخِطَابِ لِكُلِّ مَنْ يُّمْكِنُ خِطَابُهٗ نَحْوُ اَللَّئِيْمُ مَنْ اِذَا اَحْسَنْتَ اِلَيْهِ اَسَاءَ اِلَيْكَ ،

وَاَمَّا الْعَلَمُ فَيُؤْتٰى بِهٖ لِاِحْضَارِ مَعْنَاهُ فِیْ ذِهْنِ السَّامِعِ بِاِسْمِهٖ الْخَاصِ نَحْوُ "وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرَاهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلَ" وَقَدْ يُقْصَدُ بِهٖ مَعَ ذَالِكَ اَغْرَاضٌ اُخْرٰى كَالتَّعْظِيْمِ فِیْ نَحْوِ رَكِبَ سَيْفُ الدَّوْلَةِ وَالْاِهَانَةِ فِیْ نَحْوِ ذَهَبَ صَخْرٌ وَالْكِنَايَةِ عَنْ مَعْنًى يَصْلَحُ اللَّفْظُ لَهٗ فِیْ نَحْوِ "تَبَّتْ يَدَا اَبِیْ لَهَبٍ"

ترجمہ: چوتھا باب اسم معرفہ اور نکرہ لانے کے بیان میں

جب بھی کلام کا مقصود مخاطب کو یہ سمجھانا ہو کہ کلام کسی معین چیز سے متعلق ہے تو مقام تعریف کا ہوگا اور جب اس سے یہ غرض متعلق نہ ہو تو مقام تنکیر کا ہوگا، اس اجمال کی تفصیل ہم یوں بیان کرتے ہیں کہ یہ بات پہلے سے معلوم ہے کہ اسماء معرفہ مختلف ہیں وہ یہ ہیں ضمیر، علم، اسم اشارہ ، اسم موصول، معرف باللام، ان مذکورہ میں سے کسی ایک کی طرف مضاف ہو، منادی، بہر حال ضمیر کو لایا جاتا ہے جہاں اختصار کے ساتھ تکلم یا خطاب یا غائب کا موقع ہو جیسے میں نے تجھ سے اس معاملہ میں امید رکھی ہے اور تو نے مجھ سے اسکو پورا کرنے کا وعدہ کیا ہے، اور خطاب میں اصل یہ ہے کہ مشاہد معین کے لئے ہو اور کبھی خطاب غیر مشاہد کیلئے بھی ہوتا ہے جبکہ وہ دل میں حاضر سمجھ لیا ہو جیسے اِيَّاكَ نَعْبُدُ اور کبھی خطاب غیر کیلئے ہوتا ہے جبکہ خطاب سے مقصد تعمیم ہو جیسے کمینہ وہ شخص ہے کہ جب تو اسکے ساتھ احسان کرے اور وہ تیرے ساتھ برائی کرے، بہر حال علم اس کو اس لئے لایا جاتا ہے تا کہ اسکے معنی کو سامع کے ذہن میں مخصوص نام کے ساتھ حاضر کیا جا سکے جیسے کہ ''اور جب حضرت ابراھیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بیت اللہ کی بنیادیں بلند کیں'' اور کبھی اس علم کے ساتھ دوسری اغرض بھی مقصود ہوتی ہیں جیسے تعظیم ''سوار ہوا سیف الدولہ'' اور توہین جیسے ''صخر چلا گیا'' اور کبھی ایسے معنی سے کنایہ کرنے کیلئے جس کے لئے علم صلاحیت رکھتا ہو جیسے ''ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے''۔

تجزیہ عبارت: مذکورہ عبارت میں صاحب کتاب نے مقام تعریف اور مقام تنکیر کو بیان کرنے کے بعد معرفہ کی سات قسمیں بیان کیں ہیں اور سات اقسام میں سے ضمیر اور علم کی تفصیل بیان کی ہے۔

تشریح: قولہ وَإِذَا تَعَلَّقَ الْغَرَضُ بِتَفْهِيمِ الْمُخَاطَبِ الخ

مقام تعریف اور تنکیر کب ہوگا

یہ باب ہے تعریف اور تنکیر کے بیان میں، جب متکلم کی غرض کلام سے مخاطب کو یہ سمجھانا ہو کہ کلام کسی معین شے سے متعلق ہے تو وہ معرفہ لانے کا موقع ہوگا، اور جب متکلم کی کلام سے مذکورہ غرض نہ ہو تو کلام نکرہ لانے کا موقع ہوگا۔

قولہ وَلِتَفْصِيْلِ هٰذَا الْاِجْمَالِ نَقُوْلُ الخ

معرفہ کی سات اقسام

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ معرفہ کی سات اقسام ہیں (۱) اسم ضمیر (۲) اسم علم (۳) اسم اشارہ (۴) اسم موصول (۵) اسم معرف باللام (۶) ان پانچوں میں سے کسی ایک کی طرف مضاف ہو (۷) منادی

قولہ اَمَّا الضَّمِيْرُ فَيُؤْتٰى بِهٖ الخ

اقسام معرفہ میں سے پہلی قسم ضمیر کی تفصیل

اعتراض: مصنفؒ نے تعریف و تنکیر میں سے تعریف کو مقدم کیوں کیا؟ پھر اقسام معرفہ میں سے ضمیر کو مقدم کیوں کیا اس کے مقدم کرنے کی وجہ ترجیح کیا ہے؟

جواب: تعریف کو تنکیر پر اس لئے مقدم کیا کیونکہ معرفہ کلام کے سب سے زیادہ اہم اور اشرف جزء مسند الیہ کی اصل ہے اور مسند الیہ کلام میں چونکہ مقدم ہوتا ہے اس لئے معرفہ کو نکرہ پر مقدم کیا، اور اقسام معرفہ میں سے ضمیر کو اس لئے مقدم کیا کیونکہ ضمیر اقسام معرفہ میں سے سب سے زیادہ اکمل اور اعرف معرفہ ہے اس لئے ضمیر کو باقی اقسام پر مقدم کیا۔

ضمیر کو کلام کے اختصار کیلئے لایا جاتا ہے

مسندالیہ کو مختلف طریقوں سے معرفہ لایا جاتا ہے کبھی ضمیر سے اور کبھی علمیت وغیرہ سے، ضمیر کے ذریعے مسندالیہ کو معرفہ اس لئے لایا جاتا ہے کہ یہ مختصر طریقہ ہے، اور ضمیر اس جگہ لائی جاتی ہے جہاں اختصار کیساتھ تکلم یا خطاب یا غیبت کا موقع ہو، مقام یا تو تکلم کا ہوگا جیسے "اَنَا رَجَوْتُكَ فِیْ هٰذَا الْاَمْرِ" کہ میں نے تجھ سے اس معاملہ میں امید رکھی ہے، یا مقام خطاب کا ہوگا "وَاَنْتَ وَعَدْتَنِیْ بِاِنْجَازِهٖ" کہ تو نے مجھ سے اسکو پورا کرنے کا وعدہ کیا ہے۔

فائدہ (۱): مصنفؒ نے جو یہ فرمایا ہے کہ ضمیر اس جگہ لائی جاتی ہے جہاں اختصار کے ساتھ تکلم، یا خطاب، یا غیبت کا موقع ہو، تو مع الاختصار کی قید سے وہ تمام جملے نکل جائیں گے جن میں اختصار نہ ہو جیسے خَلِیْفَةُ اَنَا اٰمُرُ بِکَذَا کی جگہ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ یَاْمُرُ بِکَذَا کہے دوسرا جملہ نکل جائے گا کیونکہ اس میں اختصار نہیں اور ضمیر لانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کلام میں اختصار ہو۔

فائدہ (۲): مصنفؒ متن میں ضمیر کی دو مثالیں لائے اور پہلی مثال جو ضمیر متکلم کی پیش کی ہے اَنَا رَجَوْتُكَ فِیْ هٰذَا الْاَمْرِ اس مثال میں ضمیر "اَنَا" اور "تُ" کو ایک جگہ جمع کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے خواہ ضمیر متصل ہو یا منفصل دونوں برابر ہیں اسی طرح دوسری مثال "اَنْتَ وَعَدْتَنِیْ بِاِنْجَازِهٖ" میں ضمیر منفصل "اَنْتَ" اور ضمیر متصل "تَ" کا اجتماع بھی اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ ضمیر متصل اور منفصل دونوں برابر ہیں۔

فائدہ (۳): مصنفؒ ضمیر غائب کی الگ مثال نہیں لائے اس کی وجہ یہ ہے کہ ضمیر غائب کی مثال ضمناً اَنْتَ وَعَدْتَنِیْ بِاِنْجَازِهٖ میں موجود ہے اسی پر اکتفاء کرتے ہوئے ضمیر غائب کی علیحدہ مثال نہیں لائے اور پہلی مثال اَنَا رَجَوْتُكَ هٰذَا الْاَمْرَ میں اگرچہ متکلم کی ضمیر کے ساتھ خطاب کی بھی ضمیر موجود تھی صاحب کتاب ضمیر خطاب کی الگ مثال اس لئے لائے ہیں چونکہ

خطاب کی تفصیل اور اسکی مزید بحث مطلوب تھی۔

قولہ وَ الْاَصْلُ فِی الْخِطَابِ الخ

خطاب میں اصل یہی ہے کہ معین مشاہد کیلئے ہو

یہاں سے مصنفؒ فرمار ہے ہیں کہ خطاب کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ خطاب کسی مشاہد اور معین شخص کیلئے ہو، خطاب معین، موجود کیلئے ہونا وضع کے اعتبار سے اصل ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ خطاب کا معنی ہے توجیہ الکلام الی الحاضر، اور وضع تعریف اور تعیین کو چاہتا ہے، لیکن کبھی غیر مشاہد کو بھی خطاب کیا جاتا ہے جبکہ وہ دل میں حاضر سمجھ لیا ہو جیسے اِیَّاکَ نَعْبُدُ اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں یہ خطاب اللہ تعالی کو ہے لیکن اللہ تعالی نظر نہیں آتے ہر مؤمن کے دل میں اللہ تعالی موجود ہیں۔

قولہ وَ غَیْرُ الْمُعَیَّنِ اِذَا قُصِدَ الخ

کبھی خطاب غیر معین کو بھی ہوتا ہے

خطاب میں اصل تو یہی ہے کہ معین، موجود کیلئے ہو لیکن کبھی خطاب غیر معین کیلئے بھی ہوتا ہے جبکہ خطاب سے مقصود تعمیم ہو، تا کہ بدلیت کی بناپر خطاب ہر اس شخص کو شامل ہو جو مخاطب بننے کی صلاحیت رکھتا ہو جیسے اَللَّئِیْمُ مَنْ اِذَا اَحْسَنْتَ اِلَیْهِ اَسَاءَ اِلَیْکَ کہ کمینہ وہ شخص ہے کہ جب تم اسکے ساتھ اچھا سلوک کرو وہ تمہارے ساتھ برا سلوک کرے، اس مثال میں اَحْسَنْتَ اور اِلَیْکَ یہ خطاب غیر معین کیلئے ہے۔

قولہ اَمَّا الْعَلَمُ فَیُؤْتٰی بِہٖ الخ

اقسام معرفہ میں سے دوسری قسم علم کی تعریف

معرفہ کی اقسام میں سے دوسری قسم علم ہے، جسکے ذریعے اسم کو معرفہ اسلئے لایا جاتا ہے

تا کہ اس کے معنی کو سامع کے ذہن میں مخصوص نام کے ساتھ حاضر کیا جاسکے جیسے وَ اِذْ یَرْفَعُ اِبْرَاهِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمَاعِیْلُ جب حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ بیت اللہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے، اس آیت میں ابراہیم اور اسماعیل کو مختص نام کیساتھ ذکر کیا گیا ہے تا کہ ابتدا ہی سے سامع کو معلوم ہو جائے کہ بیت اللہ بنانے والے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ ہیں اگر علم کی بجائے ضمیر لائی جاتی اور یوں کہا جاتا یَرْفَعَانِ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ تو سامع کے ذہن میں معین شخصیتیں حاضر نہ ہوتیں۔

قولہ وَ قَدْ یُقْصَدُ بِہٖ مَعَ ذٰلِکَ الخ

کبھی علم کیساتھ دوسری اغراض بھی مقصود ہوتی ہیں

(۱) **تعظیم کیلئے:** کبھی تعظیم کی غرض سے علم کیساتھ معرفہ لایا جاتا ہے جب اس علم میں معنی کے اعتبار سے تعظیم کا مفہوم موجود ہو جیسے رَکِبَ سَیْفُ الدَّوْلَةِ سیف الدولہ سوار ہوا، اسم خاص کیساتھ سامع کے ذہن میں سیف الدولہ کی ذات حاضر ہوئی ساتھ تعظیم بھی ہے کہ سیف بمعنی تلوار کہ ملک کی تلوار۔

(۲) **اہانت کیلئے:** کبھی اہانت کی غرض سے علم کے ساتھ معرفہ لایا جاتا ہے جب اس علم میں معنی وضعی کے اعتبار سے اہانت اور ذلت کا معنی موجود ہو جیسے ذَھَبَ صَخْرٌ صخر چلا گیا یعنی اسکا خاتمہ ہو گیا اسم خاص کیساتھ سامع کے ذہن میں صخر کی ذات حاضر ہوئی اور اسکے ساتھ اسکی توہین بھی مقصود ہے کیونکہ صخر بمعنی چٹان کے ہے۔

(۳) **کنایہ کیلئے:** کبھی اسے کسی معنی سے کنایہ کی غرض سے علم کیساتھ معرفہ لایا جاتا ہے جس کیلئے لفظ علم صلاحیت رکھتا ہو جیسے تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَھَبٍ کہ ابولہب کی ہاتھ ٹوٹ گئے، ابولہب

اسم خاص سے سامع کے ذہن میں ابولہب کی ذات کو حاضر کیا پھر جہنمی ہونے سے کنایہ کر دیا چونکہ لہب شعلہ کو کہتے ہیں اور حقیقی شعلہ جہنم کا ہوتا ہے اسلئے ابولہب یعنی شعلہ والا کہہ کر اسکے مسمّی کو جہنمی سے کنایہ کر دیا۔

وَ اَمَّا اِسْمُ الْاِشَارَةِ فَيُؤْتٰى بِهٖ اِذَا تَعَيَّنَ طَرِيْقًا لِاِحْضَارِهٖ مَعْنَاهُ كَقَوْلِكَ بِعْنِىْ هٰذَا مُشِيْرًا اِلٰى شَىْءٍ لَا تَعْرِفُ لَهٗ اِسْمًا وَ لَا وَصْفًا وَ اَمَّا اِذَا لَمْ يَتَعَيَّنْ طَرِيْقًا لِذَالِكَ فَيَكُوْنُ لِاَغْرَاضٍ اُخْرٰى

(۱)كَاِظْهَارِ الْاِسْتِغْرَابِ نَحْوُ

كَمْ عَاقِلٍ عَاقِلٍ اَعْيَتْ مَذَاهِبُهٗ ☆ وَ جَاهِلٍ جَاهِلٍ تَلْقَاهُ مَرْزُوْقًا

هٰذَا الَّذِىْ تَرَكَ الْاَوْهَامَ حَائِرَةً ☆ وَ صَيَّرَ الْعَالِمَ النِّحْرِيْرَ زِنْدِيْقًا

(۲)وَكَمَالِ الْعِنَايَةِ بِهٖ نَحْوُ

هٰذَا الَّذِىْ تَعْرِفُ الْبَطْحَآءُ وَطْاَتَهٗ ☆ وَ الْبَيْتُ يَعْرِفُهٗ وَ الْحِلُّ وَ الْحَرَمُ

(۳)وَبَيَانِ حَالِهٖ فِى الْقُرْبِ وَالْبُعْدِ نَحْوُ هٰذَا يُوْسُفُ وَذَاكَ اَخُوْهُ وَ ذَالِكَ غُلَامُهٗ

(۴)وَالتَّعْظِيْمِ نَحْوُ "اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ" وَ "ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ" (۵)وَالتَّحْقِيْرِ نَحْوُ "اَهٰذَا الَّذِىْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ" "فَذٰلِكَ الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ"

وَ اَمَّا الْمَوْصُوْلُ فَيُؤْتٰى بِهٖ اِذَا تَعَيَّنَ طَرِيْقًا لِاِحْضَارِهٖ كَقَوْلِكَ "اَلَّذِىْ كَانَ مَعَنَا اَمْسِ مُسَافِرٌ" اِذَا لَمْ تَكُنْ تَعْرِفُ اِسْمَهٗ اَمَّا اِذَا لَمْ يَتَعَيَّنْ طَرِيْقًا لِذٰلِكَ فَيَكُوْنُ لِاَغْرَاضٍ اُخْرٰى

(۱)كَالتَّعْلِيْلِ نَحْوُ "اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا"

(۲)وَ اِخْفَاءِ الْاَمْرِ عَنْ غَيْرِ الْمُخَاطَبِ نَحْوُ

وَ اَخَذْتُ مَا جَآءَ الْاَمِيْرُ بِهٖ ☆ وَ قَضَيْتُ حَاجَاتِىْ كَمَا اَهْوٰى

(۳)وَ التَّنبِیهِ عَلَی الْخَطَاءِ نَحْوُ

اِنَّ الَّذِیْنَ تَرَوْنَ اِخْوَانَکُمْ ☆ یَشْفِیْ غَلِیْلَ صُدُوْرِهِمْ اَنْ تُصْرَعُوْا

(٤)وَ تَفْخِیْمِ شَانِ الْمَحْکُوْمِ بِهٖ نَحْوُ

اِنَّ الَّذِیْ سَمَکَ السَّمَآءَ بَنٰی لَنَا ☆ بَیْتًا دَعَآئِمُهٗ اَعَزُّ وَ اَطْوَلُ

(٥)وَ التَّهْوِیْلِ تَعْظِیْمًا وَتَحْقِیْرًا نَحْوُ "فَغَشِیَهُمْ مِّنَ الْیَمِّ مَا غَشِیَهُمْ" وَ مَنْ لَّمْ یَدْرِ حَقِیْقَةُ الْحَالِ قَالَ مَا قَالَ

(٦)وَ التَّهَکُّمِ نَحْوُ یَآ اَیُّهَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْهِ الذِّکْرُ اِنَّکَ لَمَجْنُوْنٌ

ترجمہ: بہرحال اسم اشارہ تو اسے اس وقت لایا جاتا ہے جبکہ اسکے معنی کے حاضر کرنے کا کوئی طریقہ متعین ہو جائے جیسے تیرا قول بِعْنِیْ هٰذَا اس چیز کیطرف اشارہ کرتے ہوئے جسکا نہ تم نام جانتے ہو اور نہ ہی کوئی وصف جانتے ہو اور جب شے معین کو متحضر کرنے کیلئے اشارہ کرنا متعین نہ ہو تو اس وقت دوسرے مقاصد واغراض کیلئے اسم اشارہ لایا جاتا ہے۔

(۱) جیسے کسی عجیب وغریب حکم کو ظاہر کرنے کیلئے جیسے "کتنے بڑے عقلمند لوگ ہیں کہ تھکا دیا انہیں انکے معاش کے طریقوں نے، اور کتنے جاہل لوگ ہیں جنکو تم رزق ملا ہوا پاتے ہو یہی وہ چیز ہے جسنے عقلوں کو حیران کر ڈالا ہے اور ماہر عالم کو بددین کر ڈالا ہے"۔

(۲) اسم اشارہ کیساتھ کمال توجہ مراد ہوتی ہے "یہ وہ ہے جسکے نشانِ قدم کو عرب کی پتھریلی زمین پہچانتی ہے، بیت اللہ بھی انکو جانتا ہے حل اور حرم بھی"۔

(۳) اور حالت بیان کرنے کیلئے قرب اور بعد میں جیسے هٰـذَا یُوْسُفُ یہ یوسف ہے اور وہ انکے بھائی ہیں اور وہ انکا غلام ہے۔

(۴) اور مشار الیہ کی تعظیم کیلئے "بیشک یہ قرآن پاک اس راستہ کی رہنمائی کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے" "یہ وہ کتاب ہے کہ جسمیں کوئی شک وشبہ نہیں ہے"۔

(۵) اور تحقیر کیلئے "کیا یہ وہی صاحب ہیں جو تمہارے معبودوں کو برا بھلا کہتے ہیں" دوسری جگہ ہے

"یہی وہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے"۔

اور بہر حال اسم موصول اسکے ساتھ معرفہ اسوقت لایا جاتا ہے جبکہ موصول کے معنی کو حاضر کرنے کا کوئی طریقہ متعین ہو جائے جیسے وہ شخص جو کل ہمارے ساتھ تھا سفر پر جانے والا ہے یہ اسصورت میں ہے جب تم اسکا نام نہ جانتے ہو، اور جب اسم موصول احضار کے معنی کیلئے متعین نہ ہو تو وہ دوسری غرضوں کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

(۱) جیسے تعلیل کیلئے جیسے بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے انکی مہمانی کیلئے فردوس کے باغات ہونگے۔

(۲) غیر مخاطب سے بات کو چھپانے کیلئے جیسے میں نے وہ چیز لے لی جسکے ساتھ امیر نے سخاوت کی اور میں نے اپنی ضرورتوں کو پورا کیا جسطرح کہ میں نے چاہا۔

(۳) غلطی پر تنبیہ کیلئے جیسے اِنَّ الَّذِیْنَ الخ بیشک وہ لوگ جنکو تم اپنا بھائی سمجھتے ہو انکے سینوں کا کینہ اس بات سے شفا پاتا ہے کہ تم کو ہلاک کر دیا جائے۔

(۴) محکوم بہ کی شان کو بلند کرنے کیلئے جیسے اِنَّ الَّذِیْ الخ بیشک وہ ذات جس نے ہمارے لئے آسمان کو بلند کیا ہمارے لئے ایک ایسا گھر بنایا ہے جسکے ستون بہت مظبوط اور بہت لمبے ہیں۔

(۵) اور ڈرانے کیلئے موصول کی تعظیم اور تحقیر کی بنا پر جیسے "ڈھانپ لیا انکو سمندر کی اس چیز نے جسنے انہیں ڈھانپ لیا" اور جیسے جو شخص حقیقت حال سے ناواقف ہو وہ بات بولتا ہے جو بولتا ہے۔

(۶) اور مذاق اڑانے کیلئے جیسے "اے وہ شخص جس پر قرآن اتارا گیا بیشک تو مجنون ہے"۔

تجزیہ عبارت: مذکورہ عبارت میں مصنفؒ نے اقسام معرفہ میں سے اسم اشارہ اور اسم موصول بیان کرنے کے بعد ان دونوں کی تفصیل بیان کی ہے۔

تشریح: قولہ وَ اَمَّا اِسْمُ الْاِشَارَةِ الخ

اسم اشارہ سے مقصود مشار الیہ کی مراد مخاطب کو سمجھانا ہے اشارہ حسیہ کے ذریعے

یہاں سے مصنفؒ اقسام معرفہ میں سے اسم اشارہ کی تفصیل بیان فرمار ہے ہیں کہ اسم اشارہ اسوقت لایا جاتا ہے کہ جب کسی معین چیز کو مخاطب کے ذہن میں حاضر کرنا ہو اشارہ حسیہ کے ذریعے جیسے بِعْنِیْ ھٰذَا یہ چیز مجھ پر بیچ دو اشارہ کرتے ہوئے اس چیز کیطرف جسکا نہ تم نام جانتے ہو اور نہ اسکے وصف سے واقف ہو یعنی اسم اشارہ سے مقصود یہ ہے کہ مشار الیہ کی مراد کو مخاطب کسی طریقہ سے سمجھ جائے۔

قولہ اَمَّا اِذَا لَمْ یَتَعَیَّنْ طَرِیْقٌ لِذٰلِكَ

کبھی اسم اشارہ دوسرے اغراض و مقاصد کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے

جب اسم اشارہ سے مقصود شے معین کو مستحضر کرنا نہ ہو تو اسوقت دوسرے اغراض و مقاصد کیلئے بھی اسم اشارہ لایا جاتا ہے۔

(۱) **اظہار تعجب کیلئے:** کبھی اسم اشارہ تعجب اور حیرت انگیز واقعہ یا حکم کو ظاہر کرنے کیلئے لایا جاتا ہے جیسے شاعر کے اس قول میں

شعر کَمْ عَاقِلٍ عَاقِلٍ اَعْیَتْ مَذَاهِبُهٗ ☆ وَ جَاهِلٍ وَ جَاهِلٍ تَلْقَاهُ مَرْزُوْقاً

هٰذَا الَّذِیْ تَرَكَ الْاَوْهَامَ حَائِرَةً ☆ وَصَیَّرَ الْعَالِمَ النَّحْرِیْرَ زِنْدِیْقاً

شعر کی تشریح: عَاقِلٍ صیغہ واحد مذکر، بحث اسم فاعل، از باب ضرب، اَعْیَتْ صیغہ واحد

مؤنث غائب، بحث اثبات فعل ماضی معروف از باب افعال، عاجز بنا دینا، عَیِیَ از باب سمع بمعنی عاجز ہونا، مَذَاهِبُ جمع ہے مَذْهَبٌ کی، بمعنی راستے اور طریقے یہاں اس سے مراد حصول معاش کے طریقے ہیں جَاهِلٌ صیغہ واحد مذکر، بحث اسم فاعل، از باب سمع، بمعنی نادان ہونا، جاہل ہونا، مَرْزُوْقاً صیغہ واحد مذکر، بحث اسم مفعول، از باب نصر، بمعنی رزق پہچانا تَرَكَ صیغہ واحد مذکر غائب، بحث اثبات فعل ماضی معروف، از باب نصر بمعنی چھوڑنا، اَوْهَامٌ یہ جمع ہے وَهْمٌ کی بمعنی خیال حَائِرَةٌ صیغہ واحد مؤنث، اسم فاعل، از باب سمع بمعنی حیران ہونا، صَيَّرَ صیغہ واحد مذکر غائب، بحث اثبات فعل ماضی معروف، از باب تفعیل، بمعنی ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف بدل دینا، نِحْرِيْرٌ اسکی جمع نَحَارِيْرُ آتی ہے بمعنی عقلمند، زِنْدِيْقٌ اسکی جمع زَنَادِيْقُ آتی ہے، بمعنی بے دین۔

شعر کا مطلب: کتنے ہی بڑے عقلمند ایسے ہیں کہ تھکا دیا ہے انہیں انکے معاش کے طریقوں نے یعنی وہ کمانے کے سلسلے میں مصیبتیں جھیلتے جھیلتے تھک کر بے بس رہ گئے ہیں اور کتنے ہی جاہل لوگ ہیں جن کو تم رزق ملا ہوا پاتے ہو یعنی کتنے ہی اکھڑ مزاج جاہل لوگوں کو تم خوشحال اور دولت مند پاتے ہو یہی وہی چیز ہے جس نے عقلوں کو حیران کر ڈالا ہے اور ماہر عالم کو بے دین بنا دیا ہے یعنی بڑے سے بڑے مذہبی عالم کو بھی بے دین اور لا مذھب بنا دیا۔

محل استشہاد: اس شعر میں محل استشہاد هٰذَا الَّذِيْ تَرَكَ الْاَوْهَامَ ہے کہ اس شعر میں هٰذَا اسم اشارہ کو تعجب اور حیرانگی کے اظہار کیلئے لایا گیا ہے کہ عقل مند ذریعہ معاش کیلئے پریشان رہتا ہے جبکہ جاہل خوشحال اور دولت مند ہوتا ہے اور اسے کوئی فکر دامن گیر نہیں ہوتی اسی چیز نے لوگوں کو تعجب اور حیرت میں ڈال رکھا ہے۔

(۲) **کمال عنائیت اور توجہ کیلئے:** کبھی اسم اشارہ کمال عنائیت اور غایت توجہ کیلئے

لایا جاتا ہے تا کہ مشارالیہ پر مخاطب کی پوری توجہ ہو اور مشارالیہ کی تعظیم اور توقیر بھی ہو جیسے حضرت زین العابدینؒ کی مدح و تعظیم میں فرزدق شاعر کا قول

شعر هٰذَا الَّذِیْ تَعْرِفُ الْبَطْحَآءُ وَطْأَتَهٗ ☆ وَالْبَیْتُ یَعْرِفُهٗ وَالْحِلُّ وَالْحَرَمُ

شعر کی تشریح: تَعْرِفُ صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث اثبات فعل مضارع معروف، از باب ضرب بمعنی پہچاننا، بَطْحَآءُ: اسکی جمع بَطَآئِحُ اور بَطْحَاوَاتٌ آتی ہے بمعنی کشادہ نالہ جس میں ریت اور چھوٹی چھوٹی کنکریاں ہوں، وَطْأَتَهٗ بمعنی پشت اور ہموار زمین یہاں معنی اسکا نرم اور ہموار زمین پر چلنا۔

شعر کا مطلب: شعر کا شان ورود یہ ہے کہ ہشام بن عبدالملک حج کیلئے گیا تو حجر اسود کا بوسہ لینے کیلئے آگے بڑھا تو ہجوم کی وجہ سے آگے نہ بڑھ سکا اور نہ کسی نے جگہ چھوڑی، اتنے میں امام زین العابدین بن حسین رضی اللہ تعالی عنہ آگئے اور حجر اسود کی طرف بڑھے تو تمام لوگ آپ کے راستے سے ہٹ گئے تو آپ نے آسانی سے حجر اسود کو بوسہ دیا، تو مشیر اور وزراء نے ہشام بن عبدالملک سے پوچھا یہ کون ہیں تو ہشام بن عبدالملک نے جواب دیا کہ میں انہیں نہیں جانتا، فرزدق شاعر قریب ہی کھڑا تھا اس نے فورا کہا میں انہیں خوب پہچانتا ہوں اور آپکی مدح میں اشعار کہے ان میں سے ایک یہ ہے۔

یہ وہ شخص ہے جس کی رفتار کو عرب کی پتھریلی زمین اچھی طرح پہچانتی ہے اور جس کو بیت اللہ، حل اور حرم بھی پہچانتے ہیں یعنی جس سے خانہ کعبہ اور حل اور حرم کا سارا علاقہ اچھی طرح واقف ہے۔

محل استشہاد: اس شعر میں محل استشہاد هٰذَا الَّذِیْ تَعْرِفُ ہے اس شعر میں علم کی بجائے اسم اشارہ هٰذَا الَّذِیْ کہا تا کہ سننے والوں کی پوری توجہ انکی یعنی امام زین العابدین بن حسینؒ کی

طرف ہوجائے۔

(۳) **قرب اور بعد کی حالت بیان کرنے کیلئے**: کبھی اسم اشارہ اسلئے لاتے ہیں کہ مشارالیہ کا حال بیان کرنا ہوتا ہے قرب یا بعد یا توسط میں جیسے اگر مشارالیہ کا قرب بیان کرنا ہوتو کہا جاتا ہے ھٰذَا یُوْسُفُ یہ یوسف ہیں اور اگر مشارالیہ کا توسط بیان کرنا ہوتو کہا جاتا ہے ذَاكَ اَخُوْهُ وہ انکے بھائی ہیں اور اگر مشارالیہ کا بعد بیان کرنا ہوتو کہا جاتا ہے ذَالِكَ غُلَامُهٗ وہ انکا غلام ہے۔

(۴) **تعظیم کیلئے**: کبھی اسم اشارہ لانے کا مقصد مشارالیہ کی عظمت شان کو بیان کرنا ہوتا ہے جیسے ''اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ'' بیشک یہ قرآن اس راستے کی رہنمائی کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے اس آیت اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ میں اسم اشارہ کمال عنائیت کے ساتھ ساتھ قرآن پاک کی عظمت شان کو بھی بیان کررہا ہے کہ صحیح اور صراط مستقیم کی رہنمائی صرف قرآن مجید ہی سے ہوسکتی ہے دوسری مثال ''ذَالِكَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْهِ'' یہ وہ عظیم الشان کتاب ہے جس کے کلام الٰہی ہونے میں کوئی شک نہیں اس آیت میں بھی اسم اشارہ تعظیم کیلئے لایا گیا ہے پہلی آیت مین اسم اشارہ ھٰذَا قرب کیلئے اور دوسری آیت میں ذَالِكَ اسم اشارہ بعید کیلئے ہے یہ دونوں تعظیم کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔

(۵) **تحقیر کیلئے**: کبھی اسم اشارہ اس لئے لایا جاتا ہے کہ اس سے مقصود مشارالیہ کی تذلیل اور تحقیر بیان کرنا ہوتا ہے جیسے کہ نعوذ باللہ ملعون ابوجہل نے حضور اقدس ﷺ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''اَھٰذَا الَّذِیْ یَذْکُرُ اٰلِهَتَکُمْ'' کیا یہ وہی شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا تذکرہ کرتا ہے۔ اور جیسے ''فَذَالِكَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ'' یہ وہی شخص ہے جو یتیم کو دھتکارتا ہے، ان دونوں آیتوں میں اسم اشارہ ھٰذَا اور ذَالِكَ تحقیر کیلئے لایا گیا ہے۔

قولہ وَاَمَّا الْمَوْصُوْلُ فَيُؤْتٰى بِهٖ اِذَا تَعَيَّنَ الخ

اسم موصول اسوقت استعمال کیا جاتا ہے جب کہ موصول کے معنی کو حاضر کرنے کا کوئی طریقہ متعین ہو

یہاں سے مصنفؒ اقسام معرفہ میں سے اسم موصول کی تفصیل بیان کرر ہے ہیں کہ اسم موصول کے ساتھ معرفہ اسوقت لایا جاتا ہے جب شے معین کو سامع کے ذہن میں مستحضر کرنے کیلئے اسم موصول کا ہونا متعین ہو جائے یعنی مخاطب کو صرف صلہ کا علم ہو اور صلہ کے علاوہ کوئی دوسرے احوال کو نہ جانتا ہو جیسے تو یوں کہے اَلَّذِىْ كَانَ مَعَنَا اَمْسِ مُسَافِرٌ یعنی ''جو شخص کل گذشتہ ہمارے ساتھ تھا وہ مسافر ہے'' یہ اسوقت کہے گا جب تم اسکا نام نہ جانتے ہو۔

قولہ اَمَّا اِذَا لَمْ يَتَعَيَّنْ طَرِيْقٌ لِذَالِكَ الخ

کبھی اسم موصول دوسرے اغراض و مقاصد کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے

یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ جب شئی معین کو ذہن میں حاضر کرنے کیلئے موصول کا ہونا متعین نہ ہو اور مخاطب کو صلہ کے بارے میں کچھ علم نہ ہو تو ایسی صورت میں اسم موصول کا استعمال دوسری اغراض کیلئے بھی ہوتا ہے۔

(۱) **اظہار علت کیلئے:** کبھی اسم موصول علت بیان کرنے کیلئے لایا جاتا ہے یعنی جو حکم لگ رہا ہے اس حکم کی علت اسم موصول ہے، اگر اسم موصول نہ ہو تو یہ مطلوب حاصل نہ ہوگا جیسے '' اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا '' کہ بیشک جو لوگ

ایمان لائے اور نیک اعمال کیے انکی مہمانی کیلئے فردوس کے باغات ہوں گے، اس آیت میں اسم موصول علت بیان کرنے کیلئے ہے کہ مہمان نوازی کی علت اور وجہ ایمان اور اعمال صالحہ ہیں۔

(۲) **غیر مخاطب سے واقعہ کو چھپانے کیلئے**: کبھی اسم موصول کو اس لئے استعمال کرتے ہیں کہ غیر مخاطب سے واقعہ کو چھپانا مقصود ہوتا ہے جیسے

شعر وَاَخَذْتُ مَا جَادَ الْاَمِيْرُ بِهٖ ☆ وَقَضَيْتُ حَاجَاتِيْ كَمَا اَهْوٰى

شعر کی تشریح: اَخَذْتُ صیغہ واحد متکلم بحث اثبات فعل ماضی معروف، از باب نصر، بمعنی پکڑنا، لینا، جَادَ اصل میں جَوَدَ تھا قَالَ کی طرح اس میں تعلیل ہوئی صیغہ واحد مذکر غائب، بحث اثبات فعل ماضی معروف، از باب نصر، بمعنی ہدیہ دینا، قَضَيْتُ، صیغہ واحد متکلم، بحث اثبات فعل ماضی معروف، از باب ضرب، بمعنی پورا کرنا، حَاجَاتٌ یہ حَاجَةٌ کی جمع ہے بمعنی ضرورتیں، اَهْوٰى صیغہ واحد متکلم بحث اثبات فعل مضارع معروف از باب سمع بمعنی رغبت کرنا، خواہش کرنا۔

شعر کا مطلب: میں نے وہ چیز لے لی جس کے ذریعے امیر نے سخاوت کی اور میں نے اپنی ضرورتوں کو اس طرح پورا کر لیا جس طرح میں چاہتا تھا یعنی اپنی خواہش کے مطابق میں نے اپنی ضرورتیں پوری کر لیں۔

محل استشهاد: اس شعر میں محل استشهاد اَخَذْتُ مَا جَادَ الخ میں مَا اسم موصول ہے اور متکلم کا مقصد بخشش کردہ چیزوں کو ظاہر نہ کرنے سے یہ ہے تاکہ مخاطب کے علاوہ دوسروں کو اسکا پتہ نہ چلے

(۳) **مخاطب کو غلطی پر تنبیہ کرنے کیلئے**: کبھی اسم موصول کو اس لئے استعمال

کرتے ہیں تا کہ مخاطب کو غلطی پر تنبیہ ہو جائے جیسے اس شعر میں

شعر إِنَّ الَّذِينَ تَرَوْنَهُمْ إِخْوَانَكُمْ ☆ يَشْفِي غَلِيلَ صُدُوْرِهِمْ أَنْ تُصْرَعُوْا

شعر کی تشریح: تَرَوْنَ صیغہ جمع مذکر حاضر، بحث اثبات فعل مضارع معروف، از باب فتح بمعنی سمجھانا، گمان کرنا، إِخْوَانُ یہ جمع ہے أَخٌ کی بمعنی بھائی، يَشْفِي صیغہ واحد مذکر غائب، بحث اثبات فعل مضارع معروف از باب ضرب، بمعنی شفا پانا، أَنْ تُصْرَعُوْا صیغہ جمع مذکر حاضر، بحث اثبات فعل مضارع مجہول بمعنی بچھاڑنا، زمین پر گرانا۔

شعر کا مطلب: بیشک وہ لوگ جن کو تم اپنے بھائی سمجھتے ہو ان کے سینوں کا کینہ اس بات سے شفا پاتا ہے کہ تم بچھاڑ دیے جاؤ یعنی جن کو تم اپنے بھائی سمجھتے ہو حقیقت میں وہ تمہارے دشمن ہیں ان کے سینوں کی دشمنیوں کو یہی چیز دور کر سکتی ہے کہ تم سب کے سب ہلاک کر دیے جاؤ۔

محل استشہاد: اس شعر میں محل استشہاد "إِنَّ الَّذِينَ تَرَوْنَهُمْ" یہاں پر اسم موصول غلطی پر تنبیہ کرنے کیلئے لایا گیا ہے اگر اسم موصول کی جگہ إِنَّ الْقَوْمَ تَرَوْنَهُمْ ہوتا تو غلطی پر تنبیہ نہ ہوتی یہاں ابہام کی وجہ سے بیدار کیا جا رہا ہے کہ جن کو تم اپنے بھائی خیال کرتے ہو وہ تمہاری بربادی کے منتظر ہیں لہذا تم غلطی پر ہو تمہیں چوکنا رہنا چاہیے۔

(۴) **خبر کی شان بڑھانے کیلئے:** کبھی اسم موصول کو اسلئے استعمال کرتے ہیں کہ اسم موصول لا کر محکوم بہ اور خبر کی شان کو بڑھانا مقصود ہوتا ہے جیسے اس شعر میں

شعر إِنَّ الَّذِي سَمَكَ السَّمَاءَ بَنَى لَنَا ☆ بَيْتًا دَعَائِمُهُ أَعَزُّ وَأَطْوَلُ

شعر کی تشریح: سَمَكَ صیغہ واحد مذکر غائب، بحث اثبات فعل ماضی معروف، از باب

نصر بمعنی بلند کرنا، اَلسَّمَآءُ اسکی جمع سَمٰوٰت آتی ہے بمعنی آسمان، بَنٰی صیغہ واحد مذکر غائب، بحث اثبات فعل ماضی معروف، از باب ضرب بمعنی بنانا، بَیْتًا اسکی جمع بُیُوْتٌ آتی ہے بمعنی گھر، دَعَآئِمُ یہ جمع ہے دِعَامَۃٌ کی بمعنی ستون، اَعَزُّ، صیغہ واحد مذکر، بحث اسم تفضیل از باب ضرب بمعنی عزیز ہونا، اَطْوَلُ صیغہ واحد مذکر، بحث اسم تفضیل، بمعنی لمبا ہونا۔

شعر کا مطلب: بیشک وہ ذات کہ جس نے آسمان کو بلند کیا ہے اسی نے ہمارے لئے ایک ایسا گھر بنایا ہے جس کے ستون عظیم الشان اور بہت لمبے ہیں یعنی جس اللہ نے آسمان کو اس قدر بلند کیا ہے اور اس کا ہر کام عظیم الشان اور بلند مرتبے کا حامل ہے اس نے ہمارے گھر بھی عظیم الشان اور رفیع المراتب بنائے ہیں۔

محل استشہاد: اس شعر میں محل استشہاد "اِنَّ الَّذِیْ سَمَکَ" ہے اسم موصول کے ذریعے محکوم بہ یعنی شاعر کے گھر کی عظمت کی طرف اشارہ ہے۔

(۵) کسی واقعہ کو بڑا اور خطرناک بنا کر پیش کرنا: کبھی اسم موصول کے ساتھ معرفہ اسلئے لایا جاتا ہے کہ کسی واقعہ کو بڑا اور خطرناک بنا کر پیش کرنا خواہ بطور تعظیم کے ہو جیسے فَغَشِیَهُمْ مِّنَ الْیَمِّ مَا غَشِیَهُمْ ڈھانپ لیا لشکرِ فرعون کو سمندر کی اس چیز نے جس نے انہیں ڈھانپ لیا، اس آیت میں مَا اسم موصول غَشِیَهُمْ کا فاعل ہے اور مِنَ الْیَمِّ اس مَا کا بیان ہے تو مطلب یہ ہے کہ ان کو سمندر کے اس قدر کثیر پانی نے ڈھانپ لیا جسکی مقدار کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تو یہاں موصول کے ذریعے مسند الیہ کو خوفناک اور باعظمت بنا کر پیش کیا گیا ہے۔

اسم موصول کے ساتھ معرفہ لانا خواہ بطور تحقیر کے ہو جیسے جو شخص حقیقت حال نہیں جانتا اس کے بارے میں کہا جائے قَالَ مَا قَالَ اس محاورہ میں مَا قَالَ میں مَا اسم موصول برائے تحقیر کے ہے یعنی جاہل ناواقف نے جو بات کہی ہے نکمی بے وقعت بات کہی ہے قابل توجہ نہیں۔

(۶) **استہزاء کیلئے:** کبھی اسم موصول کا استعمال تہکم اور استہزاء کیلئے ہوتا ہے جیسے "یَا اَیُّهَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْهِ الذِّکْرُ اِنَّکَ لَمَجْنُوْنٌ اے وہ شخص جس پر قرآن نازل کیا گیا بے شک تم مجنون ہو، اس آیت میں یَا اَیُّهَا الَّذِیْ نُزِّلَ میں اسم موصول بطور استہزاء کے ہے کہ نعوذ باللہ مشرکین مکہ حضور اقدس ﷺ کی شان میں بطور استہزاء کے کہا کرتے تھے۔

وَاَمَّا الْمُحَلّٰی بِاَلْ فَیُؤْتٰی بِهٖ اِذَا کَانَ الْغَرَضُ الْحِکَایَةَ عَنِ الْجِنْسِ نَفْسِهٖ نَحْوُ "اَلْاِنْسَانُ حَیَوَانٌ نَاطِقٌ" وَتُسَمّٰی اَلْ جِنْسِیَّةً ، اَوِ الْحِکَایَةَ عَنْ مَعْهُوْدٍ مِنْ اَفْرَادِ الْجِنْسِ وَعَهْدُهٗ اِمَّا بِتَقْدِیْمِ ذِکْرِهٖ نَحْوُ "کَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ" وَاِمَّا بِحُضُوْرِهٖ بِذَاتِهٖ نَحْوُ "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ"

وَاِمَّا بِمَعْرِفَةِ السَّامِعِ لَهٗ نَحْوُ "وَاِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ" وَتُسَمّٰی اَلْ عَهْدِیَّةً اَوِ الْحِکَایَةَ عَنْ جَمِیْعِ اَفْرَادِ الْجِنْسِ نَحْوُ "اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ" وَتُسَمّٰی اَلْ اِسْتِغْرَاقِیَّةً وَقَدْ یُرَادُ بِاَلْ الْاِشَارَةُ اِلَی الْجِنْسِ فِیْ فَرْدٍ مَّا نَحْوُ

وَلَقَدْ اَمُرُّ عَلَی اللَّئِیْمِ یَسُبُّنِیْ ☆ فَمَضَیْتُ ثَمَّةَ قُلْتُ لَا یَعْنِیْنِیْ

وَاِذَا وَقَعَ الْمُحَلّٰی بِاَلْ خَبَرًا اَفَادَ الْقَصْرَ نَحْوُ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ

ترجمہ: بہر حال معرفہ باللام اسوقت لایا جاتا ہے جبکہ کلام کا مقصود صرف جنس کی حکایت ہو جیسے "اَلْاِنْسَانُ حَیَوَانٌ نَاطِقٌ" اور اسکا نام رکھا جاتا ہے الف لام جنسی یا جنس کے افراد میں سے کسی فرد معہود کی حکایت ہو اور اس فرد کا معہود ہونا یا تو اس کا ذکر پہلے ہونے سے ہوگا جیسے "کَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ" یا اسکا معین ہونا اس کے معہود ہونے کی ذات کے ساتھ حاضر موجود ہونے کی وجہ سے ساتھ ہوگا جیسے "اَلْیَوْمَ

اَكْمَلْتُ لَكُمْ'' یا اس کا معین ہونا سامع کے اس کو پہچاننے کی وجہ سے ہوگا جیسے ''اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ نام رکھا جاتا ہے اسکا الف لام عہدی، یا جنس کے تمام افراد کی حکایت مقصود ہوتی ہے جیسے ''اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ '' اسکا نام رکھا جاتا ہے الف لام استغراقی، اور کبھی الف لام سے غرض جنس کے غیر معین افراد کی طرف اشارہ ہوتا ہے جیسے اس شعر میں وَلَقَدْ اَمُرُّ عَلَى اللَّئِيْمِ الخ تحقیق میں گزرتا ہوں کمینے کے پاس سے جو مجھے گالیاں دے رہا ہوتا ہے میں وہاں سے گزر جاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ وہ مجھے گالیاں نہیں دے رہا۔

اور جب معرف باللام خبر واقع ہو تو حصر کا فائدہ دیگا جیسے وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ

تجزیہ عبارت: مذکورہ عبارت میں مصنفؒ نے اقسام معرفہ میں سے پانچویں قسم معرف باللام کو بیان کیا ہے اور الف لام کی قسموں کی مثالوں کے ساتھ وضاحت کی ہے

تشریح: قولہ وَاَمَّا الْمُحَلّٰى بِاَلْ فَيُؤْتٰى بِهٖ الخ

معرّف باللاّم لانے کا مقصد اور الف لام جنسی

یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ الف لام کے ذریعے معرفہ اسوقت لایا جاتا ہے جب متکلم کا مقصود صرف جنس کی طرف اشارہ کرنا ہو اور اس الف لام کو جس سے جنس اور ماہیت کی طرف اشارہ کیا جائے اسکو الف لام جنسی کہتے ہیں جیسے ''اَلْاِنْسَانُ حَيَوَانٌ نَاطِقٌ '' جنس انسان حیوان ناطق ہے اس مثال میں الانسان پر الف لام جنس کا ہے۔

قولہ اَوِ الْحِكَايَةَ عَنْ مَعْهُوْدٍ الخ

الف لام عہدی اور اسکی پہلی صورت: یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ کبھی معرف باللام لانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جنس کے افراد میں سے کسی فرد معہود معین کیطرف

اشارہ کرنا ہوتا ہے اور اس کیلئے ضروری یہ ہے کہ اس فرد کا تذکرہ ماقبل میں آچکا ہو جیسے کَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلاً فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ کہ ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا پس فرعون نے رسول کی نافرمانی کی، اس آیت میں اَلرَّسُوْلَ کا الف لام عہد ذکری اور عہد خارجی کا ہے کیونکہ رسول کا تذکرہ پہلے کَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلاً میں ہو چکا ہے لہذا اَلرَّسُوْلَ سے مراد بھی وہی اوّل رسول ہے۔

الف لام عہدی کی دوسری صورت: دوسری صورت یہ ہے کہ اس فرد معین کا تذکرہ تو ماقبل میں نہیں آیا مگر وہ بذات خود موجود ہے جیسے "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ" کہ آج میں نے مکمل کر دیا تمہارے لیے تمہارے دین کو، اس آیت میں محل استشہاد اَلْیَوْمَ ہے اگرچہ ماقبل میں اس کا تذکرہ نہیں ہوا لیکن یہاں یوم سے مراد آج یعنی یوم موجود معہود فی الخارج مراد ہے لہذا الیوم پر الف لام عہد کا ہے کہ اس میں خود یوم حاضر کی طرف اشارہ ہے اس قسم کے الف لام کو عہد حضوری کا الف لام کہتے ہیں۔

الف لام عہدی کی تیسری صورت: تیسری صورت یہ ہے کہ اس فرد معین کا تذکرہ تو ماقبل میں نہیں ہوا لیکن اس فرد معین کو سامع پہلے ہی سے جانتا ہے یعنی وہ فرد مخاطب کے نزدیک معہود اور معین ہے جیسے اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جب آپ کی بیعت کر رہے تھے درخت کے نیچے، اس آیت میں اَلشَّجَرَةِ کے اوپر الف لام عہد کا ہے اور الشجرۃ سے مراد وہی درخت ہے جس کو صحابہ رضی اللہ عنہم اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے ہی جانتے تھے کہ وہ ببول کا درخت تھا جس کی جڑ کے پاس حضور اکرم ﷺ بیٹھے تھے اور اسکی شاخ آپ کی پشت مبارک پر پڑ رہی تھی اس قسم کے الف لام کو عہد خارجی کا الف لام کہتے ہیں۔

<u>قوله اَوِ الْحِکَایَةَ عَنْ جَمِیْعِ اِفْرَادِ الْجِنْسِ الخ</u>

الف لام استغراقی

کبھی معرف باللام لانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ الف لام سے جنس کے تمام افراد کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے اس کو الف لام استغراقی کہتے ہیں جیسے اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ بیشک تمام انسان خسارے میں ہیں اس آیت میں اَلْاِنْسَانَ کا الف لام استغراقی ہے جو انسان کے ہر ہر فرد کو شامل ہے الف لام استغراق کا ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد اِلَّا الَّذِیْنَ کے ساتھ استثناء کیا گیا ہے اور یہ استثناء متصل ہے اور استثناء متصل کی شرط یہ ہے کہ مستثنی مستثنی منہ پر داخل ہوتا ہے اور یہ دخول اسی وقت ہوگا جب اَلْاِنْسَـــــانَ کے الف لام کو استغراقی مان کر اِلَّا الَّذِیْنَ کے افراد کو الانسان میں داخل مانا جائے پھر استثناء کیا جائے۔

قولہ وَقَدْ یُرَادُ بِاَلْ الخ

کبھی الف لام سے جنس کے افراد غیر معین کی طرف اشارہ ہوتا ہے

یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ کبھی الف لام سے جنس کے فردِ غیر معین کی طرف اشارہ ہوتا ہے ایسی صورت میں وہ معرفہ نکرہ کے حکم میں ہوگا اور اس کے ساتھ معاملہ بھی نکرہ ہی کا کیا جاتا ہے جیسے اس شعر میں

شعر وَلَقَدْ اَمُرُّ عَلَی اللَّئِیْمِ یَسُبُّنِیْ ☆ فَمَضَیْتُ ثَمَّهُ قُلْتُ لَا یَعْنِیْنِیْ

شعر کی تشریح: اَمُرُّ صیغہ واحد متکلم، بحث اثبات فعل مضارع معروف، از باب نصر بمعنی گزرنا، یَسُبُّ صیغہ واحد مذکر غائب، بحث اثبات فعل مضارع معروف، از باب نصر بمعنی گالی دینا، فَمَضَیْتُ صیغہ واحد متکلم، بحث اثبات فعل ماضی معروف از باب ضرب بمعنی گزرنا، قُلْتُ

صیغہ واحد متکلم بحث اثبات فعل ماضی معروف از باب نصر بمعنی بات کہنا، لَا یَـغْـنِیْ صیغہ واحد مذکر غائب بحث نفی فعل مضارع معروف از باب ضرب بمعنی مراد لینا۔

شعر کا مطلب: تحقیق میں کبھی ایسے کمینے کے پاس سے گزرتا ہوں جس کی عادت ہے کہ وہ مجھے گالیاں دیتا ہے چنانچہ میں وہاں سے گالیوں کی پرواہ کیے بغیر گزر جاتا ہوں اور میں اپنے دوستوں سے کہتا ہوں کہ وہ نالائق گالیاں دینے میں میرا ارادہ نہیں کرتا کہ میں اسکی گالیوں کا جواب دوں بلکہ وہ کسی اور کو گالیاں دے رہا ہے۔

محل استشہاد: اس شعر میں محل استشہاد اَللَّئِیْمِ ہے یہاں الف لام سے جنس کے فرد غیر معین کی طرف اشارہ ہے اس لئے یہ معرفہ نکرہ کے حکم میں ہے اور مراد کوئی بھی کمینہ ہے، اس معرف باللام کی نکرہ کے حکم میں ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یَسُبُّنِیْ جملہ ہے جو اَللَّئِیْمِ کی صفت بن رہا ہے اور قاعدہ ہے کہ جب جملہ صفت بن رہا ہو تو موصوف کا نکرہ ہونا ضروری ہے لہذا ''اَللَّئِیْمِ'' نکرہ کے حکم میں ہے۔

فائدہ: الف لام کی چار قسمیں

(۱) جنسی (۲) استغراقی (۳) عہد خارجی (۴) عہد ذہنی

وجہ حصر: وجہ حصر یہ کہ الف لام کے مدخول سے مراد ماہیت ہوگی یا افراد، اگر الف لام کے مدخول سے مراد ماہیت ہو تو اسکو الف لام جنسی کہتے ہیں جیسے اَلرَّجُلُ خَیْرٌ مِّنَ الْمَرْأَۃِ کہ ماہیت رجل ماہیت امرأۃ سے بہتر ہے۔

اور اگر الف لام کے مدخول سے مراد افراد ہوں تو پھر دو حال سے خالی نہیں یا تمام افراد مراد ہونگے یا بعض اگر تمام افراد مراد ہوں تو یہ الف لام استغراقی ہے جیسے ''اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ

خُسْرٍ ''الانسان میں الف لام استغراقی ہے۔

اگر الف لام کے مدخول سے بعض افراد مراد ہوں تو پھر یہ دو حال سے خالی نہیں یا تو بعض افراد خارج میں متعین ہونگے یا نہیں۔

اگر خارج میں متعین ہوں تو یہ الف لام عہد خارجی کا ہے جیسے ''فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ'' یہاں الرسول میں الف لام عہد خارجی کا ہے کیونکہ اسکا ذکر پہلے ''كَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلاً'' میں ہو چکا ہے۔

اگر بعض افراد خارج میں متعین نہ ہوں بلکہ ذہن میں متعین ہوں تو یہ عہد ذہنی ہے جیسے ''فَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ '' یہاں الذئب پر الف لام عہد ذہنی کا ہے اور الف لام عہد ذہنی کا نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے الذئب سے خارج میں کوئی متعین فرد مراد نہیں بلکہ کوئی ایک بھیڑیا مراد ہے۔

قوله وَاِذَاوَقَعَ الْمُحَلّٰى بِاَلْ الخ

معرف باللام جب خبر بن رہا ہو تو حصر کا فائدہ دے گا

یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ معرف باللام جب کبھی جملہ میں خبر واقع ہو رہا ہو تو اس صورت میں الف لام حصر کا فائدہ دے گا جیسے ''وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ '' تو اس آیت میں اَلْغَفُوْرُ اور اَلْوَدُوْدُ، هُوَ مبتدا کی خبر بن رہے ہیں اور یہ دونوں معرف باللام ہیں اس لئے اس سے حصر کا فائدہ حاصل ہوگا معنی یہ ہوگا وہی بڑا بخشنے والا اور بڑی محبت کرنے والا ہے۔

وَاَمَّا الْمُضَافُ لِمَعْرِفَةٍ فَيُؤْتٰى بِهٖ اِذَا تَعَيَّنَ طَرِيْقاً لِاِحْضَارِ مَعْنَاهُ اَيْضاً كَكِتَابِ سِيْبَوَيْهِ وَ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ اَمَّا اِذَا لَمْ يَتَعَيَّنْ لِذَالِكَ فَيَكُوْنُ لِاَغْرَاضٍ اُخْرٰى

(۱) كَتَعَذُّرِ التَّعْدَادِ اَوْتَعَسُّرِهٖ نَحْوُ اَجْمَعَ اَهْلُ الْحَقِّ عَلٰى كَذَا وَ اَهْلُ الْبَلَدِ كِرَامٌ

(۲) وَالْخُرُوْجِ مِنْ تَبِعَةِ تَقْدِيْمِ الْبَعْضِ عَلَى الْبَعْضِ نَحْوُ حَضَرَ اُمَرَاءُ الْجُنْدِ

(٣) وَالتَّعْظِيمِ لِلْمُضَافِ نَحْوُ كِتَابُ السُّلْطَانِ حَضَرَ أَوِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ نَحْوُ هٰذَا خَادِمِیْ أَوْ غَيْرِ هِمَا نَحْوُ أَخُو الْوَزِيْرِ عِنْدِیْ

(٤) وَالتَّحْقِيرِ لِلْمُضَافِ نَحْوُ هٰذَا ابْنُ اللِّصِّ أَوِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ نَحْوُ اللِّصُّ رَفِيْقُ هٰذَا أَوْ غَيْرِهِمَا نَحْوُ أَخُو اللِّصِّ عِنْدَ عَمْرٍو

(٥) وَالْاِخْتِصَارِ لِضِيْقِ الْمَقَامِ نَحْوُ

هَوَایَ مَعَ الرَّكْبِ الْيَمَانِيْنَ مُصْعِدُ ☆ جَنِيْبٌ وَ جُثْمَانِیْ بِمَكَّةَ مُوْثَقُ

بَدْلُ أَنْ يُّقَالَ اَلَّذِیْ أَهْوَاهُ

وَأَمَّا الْمُنَادٰى فَيُؤْتٰى بِهٖ إِذَا لَمْ يُعْرَفْ لِلْمُخَاطَبِ عُنْوَانٌ خَاصٌّ نَحْوُ يَا رَجُلُ يَا فَتٰى وَقَدْ فَيُؤْتٰى بِهٖ لِلْإِشَارَةِ إِلٰى عِلَّةِ مَا يُطْلَبُ مِنْهُ نَحْوُ يَا غُلَامُ أَحْضِرِ الطَّعَامَ وَيَا خَادِمُ أَسْرِجِ الْفَرَسَ أَوْ لِغَرَضٍ يُمْكِنُ اِعْتِبَارُهٗ هٰهُنَا مِمَّا ذُكِرَ فِی النِّدَاءِ

ترجمہ: بہرحال معرفہ کیطرف مضاف ہوتو اس کو لایا جاتا ہے اسوقت جبکہ اس کے معنی کو حاضر کرنے کیلئے اضافت کا طریقہ متعین ہو جیسے کتاب سیبویہ اور سفینۂ نوح لیکن جب احضار معنی کیلئے یہ طریقہ متعین نہ ہو تو یہ طریقہ اضافت بہت سی دوسری غرضوں کیلئے استعمال ہوتا ہے جیسے

(۱) تعداد کا شمار کرنا متعذر یا مشکل ہو جیسے اہل حق نے اس بات پر اتفاق کیا اور شہر کے لوگ شریف ہیں

(۲) بعض افراد کو بعض پر مقدم کرنیکے بڑے نتائج سے نکلنے کیلئے جیسے لشکر کے امراء حاضر ہوئے۔

(۳) مضاف کی تعظیم کیلئے جیسے بادشاہ کا خط آیا یا مضاف الیہ کی تعظیم کیلئے جیسے یہ میرا خادم ہے، یا مضاف اور مضاف الیہ کے علاوہ کسی اور کی تعظیم کیلئے جیسے وزیر کا بھائی میرے پاس ہے۔

(۴) مضاف کی تحقیر کیلئے جیسے یہ چور کا بیٹا ہے یا مضاف الیہ کی تحقیر کیلئے جیسے چور اسکا دوست ہے یا مضاف اور مضاف الیہ کے علاوہ کسی اور کی تحقیر کیلئے جیسے چور کا بھائی عمرو کے پاس آیا۔

(۵) تنگی مقام کی وجہ سے اختصار کیلئے جیسے شاعر کا قول

میرا محبوب یمنی شاہ سواروں کے ساتھ ان کا تابع ہو کر جا رہا ہے اور میرا جسم مکہ میں محبوس اور مقید ہے، اس شعر میں هَوَایَ یہ اَلَّذِیْ اَهْوَاهُ کے بدلے میں کہا ہے۔

اور بہر حال منادی پس اسکو اسوقت لایا جاتا ہے جب متکلم کو مخاطب کا کوئی خاص عنوان معلوم نہ ہو جیسے یَا رَجُلَ ،یَا فَتٰی اور کبھی لایا جاتا ہے منادی کو ایسی علت کی طرف اشارہ کرنے کیلئے جس کی وجہ سے اس سے کوئی چیز طلب کی جارہی ہو جیسے اے غلام کھانا حاضر کر، اے خادم گھوڑے پر زین کسو، یا ایسی غرض کیلئے جس کا اعتبار کرنا ممکن ہو ان اغراض میں سے جن کا تذکرہ ندا کی بحث میں گزر چکا۔

تجزیہ عبارت : مذکورہ عبارت میں صاحب کتاب نے اقسام معرفہ میں سے چھٹی قسم اضافت الی المعرفہ اور ساتویں قسم منادی کے بیان کرنے کے بعد ان دونوں کے متعلق تفصیل بیان کی ہے۔

تشریح: وَاَمَّا الْمُضَافُ لِمَعْرِفَةٍ فَيُؤْتٰى بِهٖ الخ

اضافت الی المعرفہ کا استعمال

اضافت الی المعرفہ یعنی مذکورہ معرفہ کی قسموں میں سے کسی ایک کی طرف مضاف ہو اس کا استعمال اسوقت ہوتا ہے کہ جب سامع کے ذہن میں شے معین کو متحضر کرانے کیلئے اضافت کا طریقہ متعین ہو یعنی اضافت الی المعرفہ اس لئے لایا جاتا ہے کہ یہ مسند الیہ کو سامع کے ذہن میں لانے کا یہ مختصر طریقہ ہے جیسے كِتَابُ سِيْبَوَيْهِ ،سیبویہ کی کتاب، سَفِيْنَةُ نُوْحٍ ،نوح علیہ السلام کی کشتی یعنی اسم نکرہ ،ضمیر، علم، اسم اشارہ، اسم موصول اور معرف باللام میں سے کسی ایک کی طرف مضاف ہو تو اسم نکرہ بھی معرفہ بن جاتا ہے، نکرہ ضمیر کیطرف مضاف ہو جیسے غُلَامُهٗ نکرہ علم کیطرف

مضاف ہو جیسے غُلَامُ خَالِدٍ نکرہ اسم اشارہ کی طرف مضاف ہو جیسے غُلَامُ هٰذَا ، نکرہ اسم موصول کی طرف مضاف ہو جیسے غُلَامُ الَّذِیْ عِنْدَكَ اور نکرہ معرف باللام کی طرف مضاف ہو جیسے قَلَمُ الرَّجُلِ۔

قولہ اَمَّا اِذَا لَمْ یَتَعَیَّنْ لِذَالِكَ الخ

کبھی اضافت الی المعرفہ دوسری غرضوں کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے

یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ جب مخاطب کے ذہن میں شئے معین کو حاضر کرنے کیلئے اضافت کا طریقہ متعین نہ ہو تو پھر اضافت کو مندرجہ ذیل مختلف اغراض و مقاصد میں استعمال کرتے ہیں۔

(۱) **تعداد کی تفصیل ناممکن ہونے کیلئے**: تعداد کی تفصیل بیان کرنا ناممکن اور مشکل ہونیکے پیش نظر اضافت کو استعمال کرتے ہیں جیسے اَجْمَعَ اَهْلُ الْحَقِّ عَلٰی کَذَا کہ اہل حق نے اس بات پر اجماع کیا، اب چونکہ دنیا بھر کے اہل حق کی تفصیل اور انکو شمار کرنا متعذر ہے کیونکہ وہ بلاد کثیرہ اور مختلفہ میں ہونے کی وجہ سے شمار میں نہیں آسکتے اس لئے اضافت کے ساتھ استعمال کر کے اہل حق کہہ دیا اور کبھی تعداد کو شمار کرنا ناممکن تو نہیں ہوتا مگر دشوار ضرور ہوتا ہے ایسے موقع پر بھی دشواری سے بچنے کیلئے اضافت کا استعمال کرتے ہیں جیسے اَهْلُ الْبَلَدِ کِرَامٌ شہر والے شریف ہیں اب شہر کے شرفاء کو شمار کرنا ناممکن تو نہیں البتہ دشوار ضرور ہے اس لئے دشواری سے بچنے کیلئے اھل البلد اضافت کا استعمال کیا۔

(۲) **تقدیم و تاخیر کے اعتراض سے بچنے کیلئے**: کبھی بعض کو بعض پر

مقدم کرنے سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں اس سے بچنے اور نکلنے کیلئے اضافت کا استعمال کرتے ہیں یعنی اگر نام ذکر کیے جائیں تو بعض کو بعض سے مؤخر کریں گے تو جن کے نام بعد میں آئیں گے تو وہ اپنی توہین سمجھ کر ناراض ہو جائیں گے اور حالات خراب ہو جائیں گے ان سے بچنے کیلئے اضافت کا استعمال کرتے ہیں جیسے حَضَرَ أُمَرَآءُ الْجُنْدِ کہ لشکر کے سالار حاضر ہوئے تو اعتراض سے بچنے کیلئے اضافت کا استعمال کرکے أُمَرَآءُ الْجُنْدِ کہہ دیا۔

(۳) **تعظیم کیلئے:** کبھی مضاف کی تعظیم کیلئے اضافت کا استعمال کرتے ہیں جیسے كِتَابُ السُّلْطَانِ حَضَرَ بادشاہ کا خط آیا، اس مثال میں اگر اَلْكِتَابُ حَضَرَ کہہ دیا جاتا پھر بھی خط کے آنے کی اطلاع ہو جاتی مگر خط کی عظمت بتانے کیلئے کتاب السلطان کہہ کر اضافت کی گئی ہے کہ یہ بادشاہ کا خط ہے کسی معمولی انسان کا نہیں۔

اسی طرح اضافت سے مقصود کبھی مضاف الیہ کی تعظیم ہوتی ہے جیسے هٰذَا خَادِمِیْ یہ میرا خادم ہے اس مثال میں خَادِمِیْ اضافت استعمال کرکے مضاف الیہ کی تعظیم بتائی گئی ہے یعنی متکلم معمولی حیثیت کا مالک نہیں بلکہ ایسا شخص ہے کہ جس کے پاس نوکر چاکر ہیں۔

اسی طرح کبھی مضاف الیہ اور مضاف کے علاوہ کسی اور کی تعظیم مقصود ہوتی ہے جیسے أَخُوْ الْوَزِيْرِ عِنْدِیْ وزیر کا بھائی میرے پاس ہے اس مثال میں اخ مضاف ہے نہ تو اسکی تعظیم مقصود ہے اور الوزیر مضاف الیہ ہے نہ اسکی تعظیم مقصود ہے کیونکہ یہ تو پہلے ہی سے معظم ہے بلکہ متکلم کی تعظیم مقصود ہے کہ متکلم اتنا معزز آدمی ہے کہ بادشاہ کا وزیر اس کے پاس آتا جاتا رہتا ہے اس مثال میں اگرچہ متکلم بھی مضاف الیہ ہے لیکن یہ مسند الیہ نہیں اسلیئے مصنفؒ نے أَوْ غَيْرِهِمَا سے تعبیر کیا ہے۔

(۴) **تحقیر کیلئے:** کبھی مضاف کی تحقیر کیلئے اضافت کا طریقہ استعمال کرتے ہیں جیسے هٰذَا اِبْنُ اللِّصِّ یہ چور کا بیٹا ہے اس مثال میں ابن مضاف کی حقارت مقصود ہے کہ یہ ایسا ذلیل شخص ہے

جس کا باپ چور ہے۔

کبھی مضاف الیہ کی تحقیر کیلئے اضافت کا استعمال کرتے ہیں جیسی اَللِّصُّ رَفِيْقُ هٰذَا کہ چور اسکا ساتھی ہے اس مثال میں هٰذَا مضاف الیہ کی حقارت مقصود ہے کہ یہ ایسا شخص ہے کہ جسکا ساتھی چور ہے۔

اور کبھی مضاف اور مضاف الیہ کے علاوہ کیلئے اضافت کا استعمال ہوتا ہے جیسے أَخُو اللِّصِّ عِنْدَ عَمْرٍو چور کا بھائی عمرو کے پاس ہے اس مثال میں اخ مضاف ہے تو نہ اسکی تحقیر مقصود ہے اور اللص مضاف الیہ ہے نہ اسکی تحقیر مقصود ہے بلکہ مضاف اور مضاف الیہ کے علاوہ عمرو کی تحقیر مقصود ہے کہ عمرو اتنا گھٹیا آدمی ہے کہ چور کے بھائی کی اسکے پاس آمد ورفت ہے۔

(۵) تنگی مقام کی وجہ سے اختصار کیلئے: کبھی اضافت کا استعمال وقت کی تنگی کی وجہ سے اختصار کیلئے ہوتا ہے جیسے اس مثال میں

شعر هَوَايَ مَعَ الرَّكْبِ الْيَمَانِيِّيْنَ مُصْعِدُ ☆ جَنِيْبٌ وَ جُثْمَانِيْ بِمَكَّةَ مُوْثَقُ

شعر کی تشریح: هَوَايَ یہاں پر هَوًى مصدر ہے اسکی اضافت یائے متکلم کی طرف ہو رہی ہے اور یہ مصدر اسم مفعول کے معنی میں ہے بمعنی میرا محبوب، رَكْبٌ اسکی جمع اَرْكُبٌ اور رُكُوْبٌ آتی ہے بمعنی قافلہ، مُصْعِدٌ صیغہ واحد مذکر، بحث اسم فاعل، از باب افعال بمعنی چلنا، جانا، جَنِيْبٌ بروزن فعیل، صیغہ واحد مذکر، بحث اسم فاعل، از باب نصر وسمع بمعنی فرمانبردار اور تابع دار ہونا اور مائل ہونا جُثْمَانِيْ بمعنی میرا جسم مُوْثَقٌ صیغہ واحد مذکر، بحث اسم مفعول، از باب افعال بمعنی باندھنا۔

شعر کا مطلب: میرا محبوب یمنی شاہ سواروں کے ساتھ ان کا تابع ہو کر جا رہا ہے اور میری بے بسی کا یہ عالم ہے کہ میرا جسم مکہ میں محبوس اور مقید ہے۔

محل استشہاد: اس شعر میں محل استشہاد لفظ ھَوَایَ ہے جس کو اضافت کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے اَلَّذِیْ اَھْوَاہُ یا اَلَّذِیْ یَمِیْلُ اِلَیْہِ قَلْبِیْ کہہ سکتا تھا لیکن اس میں اختصار نہ تھا اور اختصار مقصود اور مطلوب ہے کہ شاعر قید خانہ میں مقید ہے اور محبوب سفر کیلئے تیار ہے اور محبوب کے جانے کی وجہ سے کثرت رنج ہے جس کی وجہ سے تفصیل کے ساتھ بات کرنے کا وقت نہیں ہے اس مقام کی تنگی کی وجہ سے شاعر اختصار کرنے پر مجبور ہے اس لئے شاعر نے ھَوَایَ میں اضافت کی ہے کیونکہ تنگی مقام کی وجہ سے لمبی چوڑی بات نہیں ہوتی کیونکہ انسان چاہتا ہے ایسی حالت میں مختصر ہی کچھ کہہ دے اور اضافت کی وجہ سے کلام مختصر ہوگی۔

قولہ وَاَمَّا الْمُنَادٰی فَیُؤْتٰی بِہٖ الخ

اقسام معرفہ میں سے ساتویں قسم منادی

یہاں سے صاحب کتاب اقسام معرفہ میں سے ساتویں قسم معرفہ کو بیان کر رہے ہیں منادی اس کو کہتے ہیں جس کی توجہ طلب کی جائے یا جس کو بلایا جائے حرف ندا کے ذریعہ جو اَدْعُوْ کے قائم مقام ہو خواہ حرف ندا لفظوں میں مذکور ہو جیسے یَا عَبْدَاللّٰہِ اصل میں اَدْعُوْ عَبْدَاللّٰہِ تھا اَدْعُوْ فعل کو حذف کر کے یَا حرف ندا کو اس کے قائم مقام کیا گیا، یا حرف ندا لفظوں میں مذکور نہ ہو بلکہ تقدیرا ہو جیسے یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ ھٰذَا حرف ندا کو لفظوں سے حذف کر دیا گیا۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ معرفہ بالندا کا استعمال اسوقت کیا جاتا ہے کہ جب متکلم کو مخاطب کا کوئی خاص عنوان اور نام معلوم نہ ہو جیسے یَا رَجُلُ اور یَا فَتٰی یہاں پر رجل اور فتی دونوں منادی ہیں تو جب متکلم کو مخاطب کا کوئی خاص پتہ معلوم نہ ہو تو پھر عام عنوان سے ہی پکارا جاتا ہے۔

قولہ وَقَدْ یُؤْتٰی بِہٖ لِلْاِشَارَۃِ اِلٰی عِلَّۃٍ الخ

کبھی منادی مطلوب منہ کی علت عنائی کی طرف اشارہ کرنے کیلئے لایا جاتا ہے

کبھی ندا کے ذریعے اس غرض سے معرفہ لایا جاتا ہے تا کہ عام عنوان سے مطلوب کی علت کی طرف اشارہ ہو جائے یعنی ایسی علت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس سے کوئی طلب کی جارہی ہو جیسے یَا غُلَامُ اَحْضِرِ الطَّعَامَ اے غلام کھانا لے آؤ، اور یَا خَادِمُ اَسْرِجِ الْفَرَسَ اے خادم گھوڑے کی زین کسو، ان دونوں مثالوں میں غلام اور خادم منادی ہیں اور غلام اور خادم میں گویا اشارہ ہے اسکی علت کی طرف کہ وہ کام لینا مقصود ہے جس کے لئے غلام اور خادم ہوتا ہے کہ غلام کھانا لانے کیلئے ہے اور خادم زین کسنے کیلئے۔

اور کبھی ان اغراض کے علاوہ دیگر کئی اغراض کیلئے بھی منادی لایا جاتا ہے جس کا اعتبار ندا کی بحث میں ممکن ہو مثلاً اغرا، زجر، تحسر اور تذکرو غیرہ کیلئے جن کا تذکرہ مع دوسرے فوائد کے باب اول کے اختتام پر گزر چکا وہاں ملاحظہ فرما لیا جائے۔

وَاَمَّا النَّكِرَةُ فَيُؤْتٰى بِهَا اِذَا لَمْ يَعْلَمْ لِلْمَحْكِيِّ عَنْهُ جِهَةَ تَعْرِيْفٍ كَقَوْلِكَ جَاءَ هٰهُنَا رَجُلٌ اِذَا لَمْ يُعْرَفْ مَا يُعَيِّنُهٗ مِنْ عَلَمٍ اَوْ صِلَةٍ اَوْ نَحْوِهِمَا وَقَدْ يُؤْتٰى بِهَا لِاَغْرَاضٍ اُخْرٰى

(۱) كَالتَّكْثِيْرِ وَالتَّقْلِيْلِ نَحْوُ لِفُلَانٍ مَالٌ وَرِضْوَانٌ مِنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ اَیْ مَالٌ كَثِيْرٌ وَرِضْوَانٌ قَلِيْلٌ

(۲) وَالتَّعْظِيْمِ وَالتَّحْقِيْرِ نَحْوُ

لَهٗ حَاجِبٌ عَنْ كُلِّ اَمْرٍ يَشِيْنُهٗ ☆ وَلَيْسَ لَهٗ عَنْ طَالِبِ الْعُرْفِ حَاجِبٌ

(۳) وَالْعُمُوْمِ بَعْدَ النَّفْيِ نَحْوُ "مَاجَائَنَا مِنْ بَشِيْرٍ" فَاِنَّ النَّكِرَةَ فِیْ سِيَاقِ النَّفْيِ تَعُمُّ (٤) وَقَصْدِ فَرْدٍ مُعَيَّنٍ اَوْ نَوْعٍ كَذَالِكَ نَحْوُ "وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ

مِّنْ مَّاءٍ"

(٥) وَإِخْفَاءِ الْأَمْرِ نَحْوُ قَالَ رَجُلٌ إِنَّكَ إِنْحَرَفْتَ عَنِ الصَّوَابِ تُخْفِيْ اِسْمَهُ حَتّٰى لَا يَلْحَقَهُ أَذًى ۔

ترجمہ: بہرحال نکرہ پس اسے اس وقت لایا جاتا ہے جب متکلم کو محکی عنہ کے معرفہ لانے کی کوئی وجہ معلوم نہ ہو جیسے تیرا قول یہاں ایک آدمی آیا اور یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ (متکلم) اس (محکی عنہ) کا علم یا صلہ وغیرہ میں سے کسی چیز کو نہ جانتا ہو جسکو متعین کر دے، اور نکرہ کبھی دوسری اغراض کیلئے بھی لایا جاتا ہے۔

(۱) تکثیر اور تقلیل کیلئے جیسے لِفُلَانٍ مَالٌ کہ فلاں کے پاس مال ہے اور "اللہ تعالی کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے" یعنی بہت مال اور رضامندی قلیل۔

(۲) تعظیم اور تحقیر کیلئے جیسے "اس ممدوح کیلئے ہر ایسے امر کے ارتکاب سے جو اسے عیب دار کر دے ایک بہت بڑا مانع ہے لیکن طالب احسان کو عطا کرنیسے اس کیلئے کوئی چھوٹا سا مانع بھی نہیں ہے"۔

(۳) نفی کے بعد عموم کے اظہار کیلئے جیسے "ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا نہیں آیا" کیونکہ نکرہ نفی کے تحت عموم کا فائدہ دیتا ہے۔

(۴) کسی فرد معین کے قصد یا کسی نوع کیلئے جیسے اللہ تعالی نے زمین پر چلنے والے جاندار کو پانی سے پیدا کیا ہے۔

(۵) بات کو چھپانے کیلئے جیسے ایک شخص نے کہا کہ تم سیدھے راستے سے ہٹ گئے ہو تم اس شخص کا نام چھپاتے ہو تا کہ اسے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

تجزیہ عبارت: مذکورہ عبارت میں صاحب دروس بلاغہ نے اس بات کو بیان کیا ہے کہ نکرہ کا استعمال کب ہوتا ہے اور ساتھ اس کو بھی واضح کیا ہے کہ نکرہ کبھی دوسری اغراض کیلئے بھی لایا جاتا ہے۔

تشریح: قوله وَ اَمَّا النَّكِرَةُ فَيُؤْتٰى بِهَا الخ

نکرہ کا استعمال

مصنفؒ معرفہ کے بیان سے فارغ ہونے کے بعد اب یہاں سے نکرہ کا بیان فرمارہے ہیں کہ نکرہ کا استعمال اس وقت کیا جاتا ہے کہ جب مسند الیہ کو معرفہ لانے کی کوئی وجہ معلوم نہ ہو، یعنی متکلم محکی عنہ کی کوئی بھی تعریف کی جہت نہیں جانتا جسکی وجہ سے اسکو متعین کردے ایسی صورت میں حکم فرد غیر معین پر لگائے گا جیسے جَآءَ هٰهُنَا رَجُلٌ یہاں ایک شخص آیا اس مثال میں رَجُلٌ کو نکرہ لایا گیا ہے اسلئے کہ متکلم کو یہ معلوم نہیں کہ آنے والے کا نام کیا ہے اور نہ یہ معلوم ہے کہ عالم ہے یا جاہل اور نہ اسکے صلہ وغیرہ کا علم ہے۔

قوله وَ قَدْ يُؤْتٰى بِهَا لِاَغْرَاضٍ اُخْرٰى

نکرہ کبھی دوسری اغراض کیلئے بھی لایا جاتا ہے

(۱) **تکثیر و تقلیل کیلئے:** نکرہ کبھی کسی چیز کی تقلیل اور تکثیر بیان کرنے کیلئے لایا جاتا ہے جیسے لِفُلَانٍ مَـالٌ فلاں کے پاس بہت مال ہے اس مثال میں مال کی تنوین تکثیر کیلئے ہے اور نکرہ تکثیر کیلئے لایا گیا ہے اور رِضْـوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ اللہ تعالیٰ کی تھوڑی سی رضامندی بہت بڑی چیز ہے اس آیت میں رِضْوَانٌ کی تنوین تقلیل کیلئے ہے اور رضوانٌ یہاں نکرہ قلت بیان کرنے کیلئے لایا گیا ہے۔

(۲) **تعظیم و تحقیر کیلئے:** نکرہ کبھی کسی چیز کی تعظیم اور تحقیر بیان کرنے کیلئے بھی لایا جاتا ہے جیسے شاعر کے اس قول میں

شعر لَهٗ حَاجِبٌ عَنْ كُلِّ اَمْرٍ يَشِيْنُهٗ ☆ وَلَيْسَ لَهٗ عَنْ طَالِبِ الْعُرْفِ حَاجِبٌ

شعر کی تشریح: حَـاجِبٌ صیغہ واحد مذکر، بحث اسم فاعل، از باب نصر بمعنی روکنا دربان کو بھی حاجب اسلئے کہتے ہیں کہ وہ بھی لوگوں کو اندر آنے سے روکتا ہے، يَشِيْـنُـهٗ صیغہ واحد مذکر غائب بحث اثبات فعل مضارع معروف، از باب ضرب بمعنی عیب دار کرنا، طَالِبُ الْعُرْفِ احسان اور خیرات کا طالب۔

شعر کا مطلب: اس ممدوح کیلئے بڑی بڑی رکاوٹیں ہیں یہ ایسے امر سے جو اسے عیب دار کردے،

طالب احسان اور بھلائی کو عطاء کرنے سے اس کیلئے کوئی معمولی سی رکاوٹ بھی نہیں چہ جائیکہ کوئی بڑی رکاوٹ ہو اسکا دربار ہر ایک کیلئے کھلا ہے۔

محل استشہاد: اس شعر میں محل استشہاد پہلے مصرعہ میں حَاجِبٌ ہے اسکی تنکیر تعظیم کے لئے یعنی ممدوح کیلئے بڑے کاموں سے بہت بڑے موانع اور رکاوٹیں ہیں اور دوسرے مصرعہ میں حاجب کی تنکیر تحقیر کیلئے ہے یعنی طالب احسان کیلئے معمولی سی بھی رکاوٹ نہیں ہے۔

(۳) **نفی کے بعد عموم کا فائدہ دینے کیلئے:** یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ نکرہ نفی کے بعد عموم کا فائدہ دینے کیلئے لایا جاتا ہے یعنی نکرہ جب نفی کے بعد واقع ہو تو ایسی صورت میں وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے اور ہر فرد سے نفی مراد ہوتی ہے جیسے مَا جَآءَ نَا مِنْ بَشِيْرٍ کہ ہمارے پاس کوئی بھی بشارت دینے والا نہیں آیا اس آیت میں محل استشہاد بَشِيْرٌ ہے جو نکرہ ہے اور مانفی کے بعد ہے اور قاعدہ ہے کہ نکرہ جب نفی کے تحت واقع ہو تو عموم کا فائدہ دیتا ہے یعنی کوئی بھی بشارت دینے والا نہیں آیا۔

(۴) **فرد معین اور نوع معین پر دلالت کرنے کیلئے:** کبھی نکرہ اس لئے لایا جاتا ہے تا کہ فرد معین اور نوع معین پر دلالت کرے یعنی نکرہ اس لئے لاتے ہیں تا کہ تنکیر وحدت شخصی یا وحدت نوعی پر دلالت کرے جیسے اللہ تعالی کا ارشاد ہے وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ اس آیت میں محل استشہاد دَآبَّةٍ اور مَـــآءٍ ہیں جو نکرہ ہیں اور دونوں سے وحدت شخصیہ اور وحدت نوعیہ دونوں مراد ہوسکتی ہیں اگر اس آیت میں وحدت شخصیہ یعنی فرد معین مراد ہو تو پھر مطلب ہوگا کہ اللہ تعالی نے ہر چلنے والے جاندار کو پانی سے پیدا کیا یعنی ایک شخص کو ایک شخص سے پیدا کیا یعنی اس کے باپ کے نطفے سے، اگر وحدت نوعیہ یعنی نوع معین مراد ہو تو پھر مطلب ہوگا کہ اللہ تعالی نے جانوروں کی انواع میں سے ہر ایک نوع کو پانی کی انواع میں سے خاص نوع سے پیدا کیا یعنی انسان کو انسان کی نوع سے، گھوڑے کو گھوڑے کی نوع سے اور بکری کو بکری کی نوع سے۔

(۵) **کسی بات کو پوشیدہ رکھنے کیلئے:** کبھی کسی امر کو پوشیدہ رکھنے کی غرض سے بھی نکرہ استعمال کرتے ہیں، یعنی نکرہ لانے کا مقصد دوسروں سے بات کو چھپانا ہوتا ہے تا کہ کوئی دوسرا اس سے واقف نہ ہوسکے جیسے قَالَ رَجُلٌ اِنَّكَ اِنْحَرَفْتَ عَنِ الصَّوَابِ کہ ایک شخص نے کہا کہ تم راہِ راست سے ہٹ گئے ہو، اس مثال میں رجل کو نکرہ لایا گیا ہے تا کہ مخاطب اس کے نام سے آگاہ نہ ہو اور اس کو نقصان نہ پہنچائے اگر صریح نام بتا دیا جائے کہ زید نے تیرے بارے میں کہا ہے تو ہوسکتا ہے کہ کہیں وہ اسکی پٹائی نہ کردے۔

اَلْبَابُ الْخَامِسُ فِیْ الْاِطْلَاقِ وَ التَّقْيِيْدِ

اِذَا اقْتُصِرَ فِی الْجُمْلَةِ عَلٰی ذِكْرِ الْمُسْنَدِ وَ الْمُسْنَدِ اِلَيْهِ فَالْحُكْمُ مُطْلَقٌ وَاِذَا زِيْدَ عَلَيْهِمَا شَیْئٌ مِّمَّا يَتَعَلَّقُ بِهِمَا اَوْ بِاَحَدِهِمَا فَالْحُكْمُ مُقَيَّدٌ وَالْاِطْلَاقُ يَكُوْنُ حَيْثُ لَا يَتَعَلَّقُ الْغَرَضُ بِتَقْيِيْدِ الْحُكْمِ بِوَجْهٍ مِّنَ الْوُجُوْهِ لِيَذْهَبَ السَّامِعُ فِيْهِ كُلَّ مَذْهَبٍ مُّمْكِنٍ وَالتَّقْيِيْدُ حَيْثُ يَتَعَلَّقُ الْغَرَضُ بِتَقْيِيْدِهٖ بِوَجْهٍ مَّخْصُوْصٍ لَوْ لَمْ يُرَاعَ تَفُوْتُ الْفَائِدَةُ الْمَطْلُوْبَةُ وَلِتَفْصِيْلِ هٰذَا الْاِجْمَالِ نَقُوْلُ

اِنَّ التَّقْيِيْدَ يَكُوْنُ بِالْمَفَاعِيْلِ وَنَحْوِهَا وَالنَّوَاسِخِ وَالشَّرْطِ وَالنَّفْیِ وَالتَّوَابِعِ وَ غَيْرِ ذَالِكَ وَاَمَّا الْمَفَاعِيْلُ وَ نَحْوُهَا فَالتَّقْيِيْدُ بِهَا يَكُوْنُ لِبَيَانِ نَوْعِ الْفِعْلِ اَوْ مَا وَقَعَ عَلَيْهِ اَوْ فِيْهِ اَوْ لِاَجْلِهٖ اَوْ بِمُقَارَنَتِهٖ اَوْ بَيَانِ الْمُبْهَمِ مِنَ الْهَيْئَةِ وَ الذَّاتِ اَوْ بَيَانِ عَدَمِ شُمُوْلِ الْحُكْمِ وَتَكُوْنُ الْقُيُوْدُ مَحَطَّ الْفَائِدَةِ وَ الْكَلَامُ بِدُوْنِهَا كَاذِبًا اَوْ غَيْرُ مَقْصُوْدٍ بِالذَّاتِ نَحْوُ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِيْنَ

پانچواں باب اطلاق اور تقیید کے بیان میں

ترجمہ: جب جملہ میں صرف مسند اور مسند الیہ کے ذکر پر اکتفا کیا جائے تو حکم مطلق ہوگا اور جب ان دونوں پر کسی ایسی چیز کی زیادتی کی جائے جو ان دونوں کے ساتھ متعلق ہو یا ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ہو، تو حکم مقید ہوگا اور حکم مطلق اس جگہ ہوتا ہے جہاں کسی بھی طریقے سے حکم کو مقید کرنے سے کوئی غرض وابستہ نہ ہوتا کہ سامع ہر ممکن طریقے پر چل سکے اور مقید حکم وہاں ہوتا ہے جہاں خاص قید کے ساتھ کوئی غرض متعلق ہو اگر اس قید کی رعائیت نہ کی جائے تو مطلوبہ فائدہ فوت ہو جائے گا۔

اس اجمال کی تفصیل کیلئے ہم کہتے ہیں کہ حکم کی تقیید کبھی مفاعیل وغیرہ کے ساتھ ہوتی ہے اور کبھی نواسخ، شرط، نفی اور توابع وغیرہ کے ساتھ ہوتی ہے بہر حال مفاعیل وغیرہ ان کے ساتھ کلام کو مقید کرنا مختلف اغراض کیلئے ہوتا ہے کبھی تو فعل کی نوعیت بیان کرنے کیلئے یا اسکو بیان کرنے کیلئے کہ فعل اس پر واقع ہے یا فعل اس میں واقع ہے یا اسکی وجہ سے فعل واقع ہے یا اسکی مقارنت کیلئے فعل واقع ہے یا مبہم حالت یا مبہم ذات کو بیان کرنے کیلئے یا حکم میں عدم شمولیت کو بیان کرنے کیلئے اور قیود فائدہ کے مقام میں ہوتی ہیں اور ان قیود کے بغیر کلام جھوٹا ہوتا ہے یا مقصود بالذات نہیں ہوتا جیسے ''اور ہم نے آسمان و زمین اور جو ان کے درمیان ہے لغو پیدا نہیں کیا''

تجزیہ عبارت: مذکورہ عبارت میں مصنفؒ نے جملے کو مطلق اور مقید لانے کے ضابطے اور فائدے بیان کیے ہیں اور ساتھ ان چیزوں کو بیان کیا ہے جن کی وجہ سے حکم مقید ہوتا ہے اور پانچوں مفاعیل سے مقید کرنے کا فائدہ بیان کیا ہے۔

تشریح: قوله إِذَا اقْتُصِرَ فِى الْجُمْلَةِ عَلٰى ذِكْرِ الْمُسْنَدِ الخ

حکم مطلق اور مقید کب ہوگا

جب جملہ میں صرف مسند اور مسند الیہ کا ذکر کیا جائے اور ان دونوں کے متعلقات کا ذکر نہ کیا جائے تو اسوقت حکم مطلق ہوگا، اور اگر مسند اور مسند الیہ کے علاوہ جملے میں کسی ایسی چیز کا اضافہ کیا جائے جس کا تعلق مسند اور مسند الیہ دونوں سے ہو یا ان میں سے کسی ایک سے ہو تو اسوقت حکم مقید ہوگا۔

قولہ وَالْاِطْلَاقُ يَكُوْنُ حَيْثُ لَا يَتَعَلَّقُ الْغَرَضُ الخ

اطلاق اور تقیید کے مواقع استعمال

حکم مطلق ایسی جگہ ہوتا ہے جہاں متکلم کی غرض تقیید کے طریقوں میں سے کسی طریقہ کے ساتھ حکم کو مقید کرنے سے متعلق نہ ہو، یعنی متکلم کا مقصد بغیر کسی تفصیل وتشریح کے مخاطب کے سامنے محض اپنی بات پیش کرنا ہوتی ہے تاکہ سامع کا ذہن اس حکم کے متعلق ہر ممکن جگہ چلا جائے اور اس کلام سے ہر ممکن مطلب مراد لے سکے جیسے جَاءَ زَيْدٌ ابھی حکم مطلق ہے کہ کب آیا، کیوں آیا، کہاں سے آیا وغیرہ کی قید سے آزاد ہے۔

حکم مقید ایسی جگہ ہوتا ہے جہاں متکلم کی غرض حکم کو کسی ایسے خاص طریقہ کے ساتھ مقید کرنے سے تعلق رکھتی ہو کہ اگر اس مخصوص طریقہ کا لحاظ نہ کیا جائے تو پورے کلام سے مطلوبہ فائدہ ہی فوت ہو جائے گا، یعنی متکلم کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ پوری وضاحت کے ساتھ مخاطب کے سامنے اپنے بات پیش کرے اب اگر قیودات لگا کر اپنی بات کو پیش نہیں کرے گا تو مکمل وضاحت نہیں ہوگی اور مطلوبہ مقصود فوت ہو جائے گا جیسے جَاءَ زَيْدٌ حکم مطلق ہے اگر یوں کہا جائے جَاءَ زَيْدٌ اَمْسِ عَلَى الْجَمَلِ تو یہ حکم مقید ہو جائے گا کل اور اونٹ کے ساتھ، اسی طرح قَامَ خَالِدٌ عَلَى الْمِنْبَرِ مَعَ الْعَصَا، تو قَامَ خَالِدٌ میں کھڑے ہونیکا حکم منبر اور لاٹھی کے ساتھ مقید ہو جائیگا۔

قولہ وَلِتَفْصِيْلِ هٰذَا الْاِجْمَالِ نَقُوْلُ الخ

تقیید کن کن چیزوں سے لائی جاتی ہے

یہاں سے مصنفؒ اجمال کے بعد تفصیل کو بیان فرمارہے ہیں جن کی وجہ سے حکم مقید ہوتا ہے چنانچہ حکم مفعولات، حال، تمیز، استثناء اور نواسخ یعنی افعال ناقصہ، حروف شرط، حروف نفی اور توابع وغیرہ سے حکم مقید ہوتا ہے، اگر متکلم ان مخصوص اغراض کا لحاظ نہ کرے تو پھر کلام کو مطلق لاتا ہے تاکہ سامع اس کلام سے ہر ممکن مطلب مراد لے سکے۔

قولہ اَمَّا الْمَفَاعِيْلُ وَ نَحْوُهَا فَالتَّقْيِيْدُ بِهَا الخ

حکم کو مفاعیل سے مقید کرنے کا فائدہ

حکم کو مفاعیل خمسہ اور ان جیسے دوسرے امور یعنی حال، تمیز اور استثناء وغیرہ سے مقید کرنے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ کبھی فعل کی نوعیت معلوم ہو جاتی ہے اگر مفعول مطلق نوعیت بیان کرنے کیلئے ہو جیسے جَلَسْتُ جِلْسَةَ الْقَارِیْ کہ میں قاری کی طرح بیٹھا، اور کبھی وہ اسم معلوم ہو جاتا ہے جس پر فعل واقع ہوتا ہے جیسا کہ مفعول بہ میں جیسے حَفِظْتُ الْقُرْاٰنَ اور کبھی فعل کی جگہ یا وقت معلوم ہو جاتا ہے جس میں فعل واقع ہوتا ہے جیسا کہ مفعول فیہ میں جیسے صَلَّیْتُ فِی الْمَسْجِدِ وَ صُمْتُ شَهْرًا، فِی الْمَسْجِدِ سے جگہ اور شَهْرًا سے وقت معلوم ہو گیا۔

اور کبھی حکم کی علت معلوم ہو جاتی ہے جس کے حاصل کرنے کی غرض سے فعل مذکور کیا گیا ہے جیسا کہ مفعول لہ میں جیسے ضَرَبْتُهُ تَاْدِیْبًا اَیْ لِلتَّاْدِیْبِ میں نے اسے مارا ادب سکھانے کیلئے اب تَاْدِیْبًا مفعول لہ سے حکم کی علت معلوم ہو گئی کہ ادب سکھانے کیلئے مارا۔

اور کبھی وہ چیز معلوم ہو جاتی ہے جس کے ساتھ فعل مقارن ہوتا ہے اور جس کی مقارنت اور معیت سے فعل واقع ہوا ہے جیسا کہ مفعول معہ میں جیسے جَاءَ الْبَرْدُ وَ الْجُبَّاتِ سردی جبوں کے ساتھ آئی، اس مثال میں وَ الْجُبَّاتِ سے معیت اور مقارنت معلوم ہو رہی ہے۔

کبھی مبہم ہیئت اور مبہم ذات کی وضاحت کے لئے تقیید ہوتی ہے جیسا کہ حال اور تمیز میں جیسے جَاءَ زَیْدٌ رَاکِبًا اس مثال میں راکباً سے آنے کی مبہم ہیئت کی وضاحت ہو رہی ہے کہ زید کس حال میں

آیا، رَاکِباً نے حالت بیان کردی کہ سوار ہونے کی حالت میں یہ حال کی مثال ہے، مبہم ذات کی وضاحت کیلئے جیسے طَابَ زَیْدٌ عِلْمًا اس مثال میں عِلْمًا نے مبہم ذات کی وضاحت کی ہے کہ زید اچھا ہے اس میں ابہام تھا کہ زید کس اعتبار سے اچھا ہے تو عِلْمًا نے اس ابہام کو دور کردیا کہ علم کے اعتبار سے اچھا ہے یہ تمیز کی مثال ہے۔

کبھی حکم کی عدم شمولیت کو بیان کرنے کیلئے تقیید ہوتی ہے یعنی اس بات کو واضح کرنے کیلئے کہ یہ حکم عام نہیں ہے جیسا کہ صفات مخصصہ میں جیسے جَآئَنِیْ رَجُلٌ اس مثال میں رجل عام ہونے کی وجہ سے عالم اور جاہل سب کو شامل تھا لیکن جب کہا جَآئَنِیْ رَجُلٌ عَالِمٌ تو عالم کی قید سے جاہل نکل گیا معلوم ہوا کہ مجیت عام آدمی کی نہیں ہے بلکہ خاص کی ہے۔

قوله وَتَکُوْنُ الْقُیُوْدُ مَحَطُّ الْفَائِدَةِ الخ

قیود پر فوائد مرتب ہوتے ہیں

یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ قیودات پر فوائد مرتب ہوتے ہیں اور ان تمام امور مقیدہ میں قیود کی حیثیت ایک منزل مقصود کی طرح ہوتی ہے چنانچہ جس مقصد کیلئے کلام میں قید لگائی جائے اس قید کا ہونا ضروری ہے، اس قید کے بغیر پورا کلام کاذب یا غیر مقصود بالذات ہوجاتا ہے جیسے اس آیت کریمہ میں وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا لَاعِبِیْنَ کہ ہم نے آسمان وزمین کو اور ان چیزوں کو جوان دونوں کے درمیان ہیں فضول پیدا نہیں کیا، اس آیت میں اگر لَاعِبِیْنَ کی قید نہ ہوتی تو جملہ کاذب ہوجاتا پھر مطلب یہ بنتا کہ ہم نے آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو پیدا نہیں کیا، یعنی ان کا خالق ہمارے علاوہ کوئی اور ہے حالانکہ یہ نفس الامر اور واقعہ کے خلاف ہے کیونکہ تمام چیزوں کے خالق اللہ تعالیٰ ہی ہیں اس لئے آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے لَاعِبِیْنَ کی قید لگائی ہے۔

وَ اَمَّا النَّوَاسِخُ فَالتَّقْیِیْدُ بِهَا یَکُوْنُ لِلْاَغْرَاضِ الَّتِیْ تُؤَدِّیْهَا مَعَانِیْ اَلْفَاظِ

النَّوَاسِخِ كَالْاِسْتِمْرَارِ وَ الْحِكَايَةِ عَنِ الزَّمَنِ فِیْ كَانَ وَ التَّوْقِيْتِ بِزَمَنٍ مُعَيَّنٍ فِیْ ظَلَّ وَ بَاتَ وَ اَصْبَحَ وَ اَمْسٰی وَ اَضْحٰی اَوْ بِحَالَةٍ مُعَيَّنَةٍ فِیْ دَامَ وَ الْمُقَارَبَةِ فِیْ كَادَ وَ كَرُبَ وَ اَوْشَكَ وَ الْيَقِيْنِ فِیْ وَجَدَ وَ اَلْفٰی وَ دَرٰی وَ تَعَلَّمْ وَ هَلُمَّ جَرًّا

فَالْجُمْلَةُ فِیْ هٰذَا تَنْعَقِدُ مِنَ الْاِسْمِ وَ الْخَبَرِ اَوْ مِنَ الْمَفْعُوْلَيْنِ فَقَطْ فَاِذَا قُلْتَ ظَنَنْتُ زَيْدًا قَائِمًا فَمَعْنَاهُ زَيْدٌ قَائِمٌ عَلٰی وَجْهِ الظَّنِّ

وَ اَمَّا الشَّرْطُ فَالتَّقْيِيْدُ بِهٖ يَكُوْنُ لِلْاَغْرَاضِ الَّتِیْ تُؤَدِّيْهَا مَعَانِیْ اَدَوَاتِ الشَّرْطِ كَالزَّمَانِ فِیْ مَتٰی وَ اَيَّانَ وَ الْمَكَانِ فِیْ اَيْنَ وَ اَنّٰی وَ حَيْثُمَا وَ الْحَالِ فِیْ كَيْفَمَا وَ اِسْتِيْفَاءُ ذٰلِكَ وَ تَحْقِيْقُ الْفَرْقِ بَيْنَ الْاَدَوَاتِ يُذْكَرُ فِیْ عِلْمِ النَّحْوِ وَ اِنَّمَا يُفَرَّقُ هٰهُنَا بَيْنَ اِنْ وَ اِذَا وَ لَوْ لِاخْتِصَاصِهَا لِمَزَايَا تُعَدُّ مِنْ وُجُوْهِ الْبَلَاغَةِ

ترجمہ: اور بہر حال نواسخ یعنی افعال ناقصہ وغیرہ انکے ذریعے جملے کو مقید کرنا ان اغراض کیلئے ہوتا ہے جنکو الفاظ نواسخ کے معانی ادا کرتے ہیں جیسے استمرار یا زمانے کی حکایت بیان کرنا کلمہ كَانَ میں، یا حکم کو کسی معین زمانے کیساتھ موقت کرنا مثلاً ظَلَّ، بَاتَ، اَصْبَحَ، اَمْسٰی اور اَضْحٰی میں، یا حکم کو کسی چیز کی حالت معینہ کیساتھ موقت کرنا جیسا کہ دَامَ میں اور اسی طرح مقاربت كَادَ، كَرُبَ، اَوْشَكَ افعال مقاربہ میں اور حکم میں یقین پیدا کرنا وَجَدَ، اَلْفٰی، دَرٰی اور تَعَلَّمْ افعال قلوب میں اسی طرح تمام نواسخ کو سمجھ لو۔

بس جملہ اس صورت میں یعنی نواسخ کیساتھ مقید کرنے کی صورت میں کبھی اسم اور خبر سے یا صرف دو مفعولوں سے مرکب ہوتا ہے بس جب تم نے کہا ظَنَنْتُ زَيْدًا قَائِمًا تو اسکا معنی زَيْدٌ قَائِمٌ عَلٰی وَجْهِ الظَّنِّ ہوا۔

اور بہر حال شرط، تو اسکے ذریعے مقید کرنا ان اغراض کیلئے ہوتا ہے جنکو حروف شرط کے معانی ادا

کرتے ہیں جیسے ظرف زمان مَتٰی اور اَیَّانَ میں اور ظرف مکان اَیْنَ، اَنّٰی اور حَیْثُمَا میں اور حال کَیْفَمَا میں اور اس بحث کا پورا بیان اور حروف شرط کے درمیان فرق کی تحقیق علم نحو میں مذکور ہوتی ہے اور یہاں صرف اِنْ، اِذَا اور لَوْ کے درمیان فرق بیان کیا جائے گا کیونکہ ان حرفوں کو ایسے نفیس معنوں اور عمدہ وصفوں سے خصوصی تعلق ہے جو بلاغت کی اقسام میں شمار ہوتے ہیں۔

تجزیہ عبارت: مذکورہ عبارت میں صاحب دروس البلاغہ نے نواسخ کے ساتھ جملے کو مقید کرنے کے فوائد اور مقاصد بیان کرنے کے ساتھ ساتھ شرط کے ساتھ حکم کو مقید کرنے کے اغراض اور اسباب بیان کیے ہیں۔

تشریح: قوله وَاَمَّا النَّوَاسِخُ الخ

نواسخ سے مراد اور وجہ تسمیہ

نواسخ سے مراد افعالِ ناقصہ، افعالِ مقاربہ اور افعالِ قلوب وغیرہ ہیں ان کو نواسخ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ مبتدا اور خبر کے حکم کو منسوخ کر دیتے ہیں۔

قوله فَالتَّقْيِيْدُ بِهَا يَكُوْنُ لِلْاَغْرَاضِ الخ

نواسخ کے ساتھ کلام کو مقید کرنے کے فوائد

نواسخ کے ساتھ کلام کو مقید کرنا ان اغراض و مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے ہوتا ہے جن کو الفاظ نواسخ کے معانی ادا کرتے ہیں جیسے استمرار یعنی کسی حکم کا ہمیشہ جاری رہنا، یا زمانے کی حکایت بیان کرنا، افعال ناقصہ سے کَانَ ادا کرتا ہے جیسے کَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا اس مثال میں کَانَ نے استمرار کا معنی ادا کیا اور جیسے کَانَ زَيْدٌ صَائِمًا اس مثال میں کَانَ نے ماضی کا معنی ادا کیا کہ زید روزے دار تھا۔

یا حکم کو کسی زمانے کے ساتھ موقت کرنا افعال ناقصہ میں سے ظَلَّ، بَاتَ، اَصْبَحَ، اَمْسٰی اور اَضْحٰی ادا کرتے ہیں جیسے ظَلَّ دن کو بتلاتا ہے جیسے ظَلَّ زَیْدٌ کَاتِبًا کہ زید تمام دن لکھنے والا رہا اور بَاتَ رات کے وقت کو بتلاتا ہے جیسے بَاتَ الْمَرِیْضُ نَائِمًا کہ مریض پوری رات سوتا رہا اور اَصْبَحَ صبح کے وقت کو بتلاتا ہے جیسے اَصْبَحَ زَیْدٌ غَنِیًّا کہ زید صبح کے وقت غنی ہوگیا اور اَمْسٰی شام کے وقت پر دلالت کرتا ہے جیسے اَمْسٰی زَیْدٌ نَائِمًا کہ زید شام کے وقت سونے والا ہوگیا اور اَضْحٰی چاشت کے وقت پر دلالت کرتا ہے جیسے اَضْحٰی زَیْدٌ اَمِیْرًا کہ زید چاشت کے وقت امیر ہوگیا، اس کو یوں سمجھ لیں اگر دن کے اوقات میں کسی چیز کو بتلانا ہے تو اس کے لئے ظَلَّ استعمال کریں گے اور رات کے وقت میں کسی چیز کو بتلانا ہو تو اس کیلئے بَاتَ اور صبح کے لئے اَصْبَحَ اور شام کیلئے اَمْسٰی اور چاشت کے وقت کیلئے اَضْحٰی کو استعمال کریں گے۔

یا حکم کو حالت معینہ کے ساتھ موقت کرنا ہو تو افعال ناقصہ میں سے مَادَامَ کی قید سے مقید کریں گے جیسے اِجْلِسْ مَادَامَ الْاَمِیْرُ جَالِسًا کہ تو اس وقت تک بیٹھ جب تک امیر بیٹھا ہے تو اس مثال میں بیٹھنے کو موقت کیا ہے امیر کے بیٹھنے کے ساتھ۔

قولہ وَالْمُقَارَبَةِ فِیْ کَادَ وَ کَرُبَ الخ

افعالِ مقاربہ اور افعالِ قلوب کے ساتھ کلام کو مقید کرنے کے فوائد:

یہاں سے مصنفؒ فرمارہے ہیں اگر فعل کے قریب ہونے کو بتلانا ہو تو افعال مقاربہ کَادَ، کَرُبَ اور اَوْشَکَ کا استعمال کرتے ہیں افعال مقاربہ وہ افعال ہیں جو خبر کو فاعل کے قریب کرنے کیلئے وضع کیے گئے ہیں، خبر کو قریب کرنا چاہے باعتبار امید کے ہو یا باعتبار حصول کے، اور انکی وجہ تسمیہ یہ ہے چونکہ بعض افعال مقاربہ قریب کرنے کیلئے آتے ہیں اس لئے تَسْمِیَةُ الْکُلِّ بِاسْمِ الْجُزْءِ کی قبیل سے تمام افعال مقاربہ کا نام مقاربہ رکھ دیا گیا ہے جیسے کَادَ

طَاهِرٌ اَنْ يَّمُوْتَ قریب تھا کہ طاہر جاں بحق ہو جائے۔

اسی طرح اگر یقین کا معنی مراد لینا ہو تو وَجَدَ، اَلْفٰى، دَرٰى اور تَعَلَّمْ افعال قلوب کا استعمال کرتے ہیں، ان کو افعال قلوب اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اپنے صدور میں اعضاء ظاہری کی طرف محتاج نہیں ہوتے بلکہ ان کیلئے قوائے باطنی کافی ہوتے ہیں کیونکہ ان میں سے بعض شک کیلئے آتے ہیں اور بعض یقین کیلئے، شک اور یقین دونوں دل سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے ان کو افعال قلوب کہتے ہیں، افعال قلوب میں سے حَسِبْتُ، ظَنَنْتُ اور خِلْتُ شک کیلئے آتے ہیں اور افعال قلوب میں سے عَلِمْتُ، رَأَيْتُ، وَجَدْتُ، اَلْفَيْتُ اور دَرَيْتُ یقین کیلئے استعمال ہوتے ہیں اور یہ افعال قلوب مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں اور دونوں کو مفعولیت کی بنا پر نصب دیتے ہیں جیسے عَلِمْتُ زَيْدًا فَاضِلًا اسی طرح تمام نواسخ کو سمجھ لیں۔

قوله فَالْجُمْلَةُ فِىْ هٰذَا تَنْعَقِدُ الخ

نواسخ سے مقید کرنے کیصورت میں جملہ کس سے بنتا ہے

یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ جب حکم کو نواسخ کے ساتھ مقید کیا جائے اور نواسخ حکم کیلئے صرف قیود کی حیثیت رکھتے ہوں تو اس صورت میں جملہ یا تو اسم اور خبر سے مل کر بنے گا جیسے كَانَ زَيْدٌ مُنْطَلِقًا یا دو مفعولوں سے مل کر جملہ بنے گا جب جملہ میں افعال قلوب ہوں جیسے ظَنَنْتُ زَيْدًا قَائِمًا اس میں مبتدا اور خبر ظَنَنْتُ کی وجہ سے منصوب ہیں اور اس کا معنی ہوگا زَيْدٌ قَائِمٌ عَلٰى وَجْهِ الظَّنِّ کہ زید کھڑا ہے ظنی طور پر، تو نواسخ سے پہلے حکم خصوصیات سے خالی تھا ان نواسخ کے داخل ہونیکے بعد جملہ میں لفظی اور معنوی مختلف خصوصیات پیدا ہوگئی ہیں۔

قوله وَاَمَّا الشَّرْطُ فَالتَّقْيِيْدُ بِهٖ يَكُوْنُ لِلْاَغْرَاضِ الخ

حکم کو شرط کے ساتھ مقید کرنے کی اغراض

یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ حکم کو شرط کے ساتھ مقید کرنا ان اغراض و مقاصد کیلئے

ہوتا ہے جن کو حسب موقع حروف شرط کے معانی ادا کرتے ہیں مثلاً ادوات شرط میں سے مَتٰی اور اَیَّانَ ہیں یہ دونوں زمانہ مستقبل کیلئے آتے ہیں لہذا مَتٰی اور اَیَّانَ کو کسی جملہ میں استعمال کرنے کا مقصد زمانہ مستقبل مراد لینا ہوتا ہے جیسے مَتٰی تَذْهَبْ اَذْهَبْ جب تو جائے گا میں جاؤں گا اب اس مثال میں جانے کا حکم مقید ہو گیا ہے زمانہ مستقبل کے ساتھ، اسی طرح اَیْنَ، اَنّٰی اور حَیْثُمَا یہ تینوں جگہ بتلانے کیلئے آتے ہیں تو کلام کو ان حروف کے ساتھ مقید کرنے کا مقصد جگہ کو معلوم کرنا ہوگا جیسے تو کہے اَیْنَ کُنْتَ ذَهَبْتَ تم کہاں گئے تھے تو متکلم کی مراد یہ ہے کہ اس جگہ کو بتلاؤ جہاں تم گئے تھے۔

اسی طرح جب حال کے ساتھ حکم کو مقید کرنا ہو تو اس غرض کیلئے کَیْفَمَا کا استعمال کرتے ہیں جیسے کَیْفَمَا اَنْتَ آپ کیسے ہیں یعنی اپنی صحت کے متعلق اپنی حالت بیان کریں۔

قوله وَ تَحْقِیْقُ الْفَرْقِ بَیْنَ اَدَوَاتِ الخ

حروف شرط کے مابین فرق کتب نحو میں مذکور ہے

یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اس بحث کی پوری تفصیل اور مکمل وضاحت اور تمام حروف کے درمیان فرق کی پوری تحقیق تو کتب نحو میں موجود ہے وہاں سے تفصیل دیکھی جا سکتی ہے اور ان تمام حروف شرط کے مابین فرق ہم یہاں نہیں بیان کریں گے کیونکہ فن بلاغت سے اس کا کوئی خاص تعلق نہیں ہے البتہ یہاں پر صرف اِنْ، اِذَا، لَوْ کے مابین پائے جانے والے فرق کو بیان کریں گے کیونکہ ان تینوں حروف کو ایسے نفیس معانی اور عمدہ وصفوں سے خصوصی تعلق ہے جن کا شمار فن بلاغت کی اقسام میں ہوتا ہے۔

فَاِنْ وَاِذَا لِلشَّرْطِ فِی الْاِسْتِقْبَالِ وَلَوْ لِلشَّرْطِ فِی الْمُضِیِّ وَالْاَصْلُ فِی اللَّفْظِ اَنْ یَّتْبَعَ الْمَعْنٰی فَیَکُوْنُ فِعْلًا مُضَارِعًا مَعَ اِنْ وِاِذَا وَمَاضِیًا مَعَ لَوْ نَحْوُ ”وَاِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ کَالْمُهْلِ“ وَاِذَا تُرَدُّ اِلٰی قَلِیْلٍ تَقْنَعُ ”وَلَوْ شَآءَ لَهَدَاکُمْ

اَجْمَعِیْنَ"

وَالْفَرْقُ بَیْنَ اِنْ وَاِذَا اَنَّ الْاَصْلَ عَدَمُ الْجَزْمِ بِوُقُوْعِ الشَّرْطِ مَعَ اِنْ وَالْجَزْمُ بِوُقُوْعِهٖ مَعَ اِذَا وَ لِهٰذَا غَلَبَ اِسْتِعْمَالُ الْمَاضِیْ مَعَ اِذَا فَكَاَنَّ الشَّرْطَ وَاقِعٌ بِالْفِعْلِ بِخَلَافِ اِنْ فَاِذَا قُلْتَ اِنْ اَبْرَأْ مِنْ مَّرَضِیْ اَتَصَدَّقْ بِاَلْفِ دِیْنَارٍ كُنْتَ شَاكًّا فِی الْبُرْءِ وَاِذَا قُلْتَ اِذَا بَرِئْتُ مِنْ مَّرَضِیْ تَصَدَّقْتُ كُنْتَ جَازِمًا بِهٖ اَوْ كَالْجَازِمِ وَعَلٰی ذَالِكَ فَالْاَحْوَالُ النَّادِرَةُ تُذْكَرُ فِیْ حَیِّزِ اِنْ وَالْكَثِیْرَةُ فِیْ حَیِّزِ اِذَا وَمِنْ ذَالِكَ قَوْلُهٗ تَعَالٰی "فَاِذَا جَآئَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّطَّیَّرُوْا بِمُوْسٰی وَمَنْ مَّعَهٗ" فَلِكَوْنِ مَجِیْئِی الْحَسَنَةِ مُحَقَّقًا (اِذِ الْمُرَادُ بِهَا مُطْلَقُ الْحَسَنَةِ الشَّامِلِ لِاَنْوَاعٍ كَثِیْرَةٍ كَمَا یُفْهَمُ مِنَ التَّعْرِیْفِ بِاَلِ الْجِنْسِیَّةِ) ذُكِرَ مَعَ اِذَا وَ عُبِّرَ عَنْهُ بِالْمَاضِیْ وَ لِكَوْنِ مَجِیْئِی السَّیِّئَةِ نَادِرًا (اِذِ الْمُرَادُ بِهَا نَوْعٌ مَخْصُوْصٌ كَمَا یُفْهَمُ مِنَ التَّنْكِیْرِ وَهُوَ الْجَدْبُ) ذُكِرَ مَعَ اِنْ وَ عُبِّرَ عَنْهُ بِالْمُضَارِعِ فَفِی الْاٰیَةِ مِنْ وَصْفِهِمْ بِاِنْكَارِ النِّعَمِ وَ شِدَّةِ التَّحَامُلِ عَلٰی مُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامِ مَا لَا یَخْفٰی

ترجمہ: اِنْ اور اِذَا فعل مستقبل میں شرط کیلئے ہیں اور لَوْ فعل ماضی میں شرط کیلئے ہوتا ہے اور لفظ میں اصل یہ ہے کہ لفظ معنی کے تابع ہو پس اِنْ اور اِذَا کیساتھ فعل مضارع ہوگا اور لَوْ کے ساتھ فعل ماضی ہوگی جیسے وَاِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا الخ اگر وہ اہل جہنم فریاد کریں گے تو ایسے پانی سے ان کی فریادرسی کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا وَاِذَا تُرَدُّ الخ اور جب تم قلیل چیز کیطرف لوٹائے جاؤ گے تو قانع بن جاؤ گے اور وَلَوْ شَآءَ الخ اور اگر وہ چاہتا تم سبکو ہدایت دے دیتا۔

اور اِنْ اور اِذَا میں فرق یہ ہے کہ بیشک اصل یہ ہے کہ اِنْ کے ساتھ شرط کا واقع ہونا غیر یقینی ہے اور اِذَا کے ساتھ شرط کا واقع ہونا یقینی ہے اسی وجہ سے اِذَا کے ساتھ فعل ماضی کا استعمال ہونا بکثرت ہوتا ہے گویا اس صورت میں شرط بالفعل واقع ہوتی ہے، بخلاف اِنْ کے پس جب تو

کہے، اِنْ اَبْرَأْ مِنْ مَرَضِیْ الخ اگر میں اپنی بیماری سے شفایاب ہو گیا تو ایک ہزار دینار صدقہ کروں گا گویا کہ تم کو شفایاب ہونے میں شک ہے اور جب تم نے کہا اِذَا بَرِئْتُ مِنْ مَّرَضِیْ الخ جب میں اپنی بیماری سے شفا پالوں تو میں صدقہ کروں گا گویا کہ تجھے یقین ہے یا یقین کی مانند ہے۔

اسی مذکورہ قاعدہ پر وہ احوال جن کا وقوع کبھی کبھی ہوتا ہے ان کو اِنْ کے تحت ذکر کیا جائے گا اور وہ احوال جو کثرت سے پائے جاتے ہیں ان کو اِذَا کے تحت ذکر کیا جائے گا اور اسی قبیل سے اللہ تعالیٰ کا قول ہے فَاِذَا جَآئَتْهُمُ الْحَسَنَةُ الخ پس جب آتی ہے ان کے پاس خوشحالی تو کہتے ہیں یہ تو ہمارے لیے ہونا ہی چاہیے اور انکو کوئی بدحالی پہنچے تو موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتلاتے ہیں، تو خوشحالی کے محقق ہونے کی وجہ سے (اس لئے اگر حسنہ سے مراد مطلق حسنہ ہے جو کہ شامل ہے بہت سی اقسام حسنہ کو جیسا کہ سمجھا جا رہا ہے الحسنة کے الف لام جنسی سے) ذکر کیا گیا ہے الحسنة کو کلمہ اِذَا کے ساتھ اور اس کو فعل ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے اور سیئہ کا آنا چونکہ نادر الوقوع ہے (کیونکہ سیئہ سے مراد ایک خاص قسم کا سیئہ مراد ہے جیسا کہ تنکیر سے سمجھا جا رہا ہے اور وہ قحط سالی ہے) اس لئے اسکو اِنْ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور اسکی تعبیر فعل مضارع سے کی ہے پس آیت مبارکہ میں ان کفار کے نعمتوں کا انکار اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر مظالم کی سختی کا بیان ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

تجزیہ عبارت: مذکورہ عبارت میں مصنفؒ نے اِنْ، اِذَا اور لَوْ کے درمیان باہمی امتیازات اور فروق بیان کیے ہیں اور ان تینوں میں سے ہر ایک کی الگ الگ وضاحت کی ہے۔

تشریح: قوله فَاِنْ وَاِذَا لِلشَّرْطِ فِي الْاِسْتِقْبَالِ الخ

اِنْ اِذَا اور لَوْ معنیٰ شرط میں تو متفق ہیں لیکن استعمال میں مختلف ہیں

اِنْ اور اِذَا یہ دونوں شرط کیلئے استعمال ہوتے ہیں لیکن زمانہ مستقبل میں، اور لَوْ بھی شرط کیلئے استعمال ہوتا ہے لیکن زمانہ ماضی میں، یعنی اِنْ اور اِذَا اس شرط کیلئے استعمال ہوتے ہیں جس کا تعلق زمانہ مستقبل کے ساتھ ہو اور لَوْ اس شرط کیلئے استعمال ہوتا ہے جس کا تعلق زمانہ ماضی کے ساتھ ہو، اور لفظ میں یہ قاعدہ کلیہ یاد رکھنا چاہیے کہ لفظ معنی کے تابع ہوتا ہے چونکہ اِنْ اور اِذَا مستقبل کا معنی دیتے ہیں لہذا شرط میں اِنْ اور اِذَا کے ساتھ فعل مضارع ہوگا کیونکہ فعل مضارع ہی استقبال کا معنی دیتا ہے، اور لَوْ ماضی کا معنی دیتا ہے لہذا شرط میں لَوْ کا مدخول فعل ماضی ہوگا جیسے وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ اگر وہ دوزخی فریاد طلب کریں گے تو ان کی فریاد رسی کی جائے گی ایسے پانی کے ذریعے جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا، اس آیت میں اِنْ کا مدخول فعل مضارع ہے اور زمانہ بھی استقبال کا ہے اسلئے کہ اس آیت میں کفار کی مدد چاہنے کا تذکرہ ہے جو قیامت میں ہوگا اور قیامت کا وقوع یہ زمانہ مستقبل میں ہوگا' اور اِنْ کے بعد فعل مضارع ہے اِنْ کے معنی کے تابع ہونے کی وجہ سے، اسیطرح اِذَا کی مثال جیسے محاورہ ہے وَاِذَا تُرَدُّ اِلٰى قَلِيْلٍ تَقْنَعُ اور اگر تجھے لوٹایا جائے قلیل چیز کیطرف تو تو قناعت کرے گا اس مثال میں بھی اِذَا کا مدخول فعل مضارع ہے اور زمانہ بھی استقبال کا ہے اِذَا کے معنی کے تابع ہونے کی وجہ سے، اور لَوْ کی مثال جیسے وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَهَدَاكُمْ اَجْمَعِيْنَ اگر اللہ تعالی چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا اس مثال میں لَوْ فعل ماضی پر داخل ہے اور شرط زمانہ ماضی کے ساتھ متعلق ہے اس لئے لَوْ کے بعد فعل ماضی ہے لَوْ کے معنی کے تابع ہونے کی وجہ سے۔

قوله وَالْفَرْقُ بَيْنَ اِنْ وَ اِذَا الخ

اِنْ اور اِذَا کے درمیان معنوی فرق

پہلے جو فرق بیان ہوا ہے وہ لفظی فرق تھا اب یہاں سے مصنفؒ اِنْ اور اِذَا کے درمیان

معنوی فرق بیان کرتے ہیں کہ اِنْ کے ساتھ شرط کا واقع ہونا غیر یقینی ہے یعنی اِنْ ایسی شرط میں استعمال ہوتا ہے جس کا زمانہ مستقبل میں پایا جانا کوئی ضروری اور یقینی نہ ہو بلکہ درجہ احتمال اور شک میں ہو۔

بخلاف اِذَا کے اس کے ساتھ شرط کا واقع ہونا یقینی ہے یعنی اِذَا ایسی شرط میں استعمال ہوتا ہے جہاں شرط کا وقوع زمانہ مستقبل میں ضروری اور یقینی ہو، اسی وجہ سے اِذَا کے ساتھ فعل ماضی کا استعمال بکثرت ہوتا ہے کیونکہ اِذَا یقین پر دلالت کرتا ہے اور ماضی میں بھی جو بات ہو چکی ہوتی ہے وہ بھی یقینی ہی ہوا کرتی ہے لہذا اِذَا کی شرط ایسی یقینی چیز ہے گویا کہ حقیقتاً وہ شرط زمانہ ماضی میں ہو چکی ہے۔

قوله فَإِذَا قُلْتَ اِنْ اَبْرَأَ مِنْ مَّرَضِیْ

اِنْ اور اِذَا کے فرق کی مثال

یہاں سے مصنفؒ اِنْ اور اِذَا کے درمیان معنوی فرق کی مثال پیش کر رہے ہیں کیونکہ مثال سے بات اَوْقَعْ فی النفس ہو جاتی ہے اگر مریض نے اِنْ کا استعمال کرتے ہوئے یوں کہا اِنْ اَبْرَأَ مِنْ مَّرَضِیْ اَتَصَدَّقْ بِاَلْفِ دِیْنَارٍ اگر میں اپنی بیماری سے شفایاب ہو جاؤں تو ایک ہزار دینار صدقہ کروں گا، اس مریض کو اپنی شفایابی میں شک ہے اس لئے اس نے اِنْ کو استعمال کیا ہے کیونکہ اِنْ سے یقین کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا اس لئے اِنْ کے ساتھ شرط کا واقع ہونا غیر یقینی ہے بخلاف اِذَا کے، اگر مریض نے اِذَا کا استعمال کرتے ہوئے یوں کہا اِذَا بَرِئْتُ مِنْ مَّرَضِیْ تَصَدَّقْتُ جب میں اپنی بیماری سے شفایاب ہو جاؤنگا تو میں صدقہ کرونگا گویا کہ اسے شفایابی کا یقین ہے اس لئے تو اس نے اِذَا کو بَرِئْتُ فعل ماضی پر داخل کر کے اشارہ کیا ہے کہ میری شفایابی ایسے یقینی امر میں ہے گویا کہ میں صحت یاب ہو چکا ہوں۔

قوله وَعَلٰی ذَالِكَ فَالْاَحْوَالُ النَّادِرَةُ الخ

نادر الوقوع اشیاء میں اِنْ کا استعمال اور کثیر الوقوع اشیاء میں اِذَا کا استعمال

یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ جب یہ بات پہلے معلوم ہو چکی ہے کہ کلمہ اِنْ میں ایسی شرط کو ذکر کیا جاتا ہے جس کا وقوع غیر یقینی ہوتا ہے، بخلاف اِذَا کے کہ وہاں ایسی شرط کو ذکر کیا جاتا ہے جس کا وقوع یقینی اور ضروری ہوتا ہے اسی وجہ سے وہ حالات جو نادر الوقع ہوں انکا تذکرہ اِنْ کے تحت ہوتا ہے اور وہاں فعل بھی مضارع استعمال ہوتا ہے اور وہ حالات جو کثیر الوقوع ہیں انکو کلمہ اِذَا کے تحت لاتے ہیں اور وہاں فعل بھی فعل ماضی استعمال کرتے ہیں کیونکہ کثیر الوقوع حالات اکثر یقینی اور غیر مشکوک ہوتے ہیں جیسے اللہ تعالی کا ارشاد ہے فَاِذَا جَآئَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ کہ جب ان پر خوشحالی آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ تو ہمارے لئے ہی ہونی چاہیے اور اگر ان کو کوئی بد حالی پیش آتی ہے تو حضرت موسی علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتلاتے ہیں۔

اس آیت میں الحسنة کو اِذَا کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور فعل ماضی سے اس کی تعبیر کی گئی ہے کیونکہ اس کا وقوع محقق اور یقینی ہے کیونکہ حسنہ سے مراد مطلق حسنہ ہے جو اپنے اطلاق کی وجہ سے بہت سی انواع اور اقسام کو شامل ہے اور الف لام جنسی کے ذریعہ اسکا معرفہ لانا اسکی دلیل ہے مثلاً مال اور اولاد کی زیادتی، پیداواری اور ارزانی وغیرہ۔

اس کے برخلاف سَيِّئَةٌ ہے جو نادر الوقوع ہے اس لئے اس کو کلمہ اِنْ اور فعل مضارع کے ساتھ لایا گیا ہے اور سَيِّئَةٌ کے نادر الوقوع ہونے کی وجہ یہ کہ سَيِّئَةٌ سے مراد ایک خاص قسم کی سَيِّئَةٌ یعنی خشک سالی ہے جیسا کہ سَيِّئَةٌ کی تنکیر سے سمجھا جا رہا ہے، اس آیت میں قوم فرعون کی جہالت کا تذکرہ ہے ہر قسم کی بھلائی کی نسبت اپنی طرف کرتے تھے اور اللہ تعالی کی عطاء کی ہوئی نعمتوں کا انکار کرتے تھے اور برائی کی نسبت حضرت موسی علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی طرف

کرتے تھے۔

وَلَوْ لِلشَّرْطِ فِی الْمُضِیِّ وَلِذَا یَلِیْهَا الْفِعْلُ الْمَاضِیُّ نَحْوُ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِیْهِمْ خَیْرًا لَاَسْمَعَهُمْ وَمِمَّا تَقَدَّمَ یُعْلَمُ اَنَّ الْمَقْصُوْدَ بِالذَّاتِ مِنَ الْجُمْلَةِ الشَّرْطِیَّةِ هُوَ الْجَوَابُ فَاِذَا قُلْتَ اِنِ اجْتَهَدَ زَیْدٌ اَکْرَمْتُهٗ کُنْتَ مُخْبِرًا بِاَنَّكَ سَتُکْرِمُهٗ وَلٰکِنْ فِیْ حَالِ حُصُوْلِ الْاِجْتِهَادِ لَا فِیْ عُمُوْمِ الْاَحْوَالِ وَ یَتَفَرَّعُ عَلٰی هٰذَا اَنَّهَا تُعَدُّ خَبَرِیَّةً اَوْ اِنْشَآئِیَّةً بِاِعْتِبَارِ جَوَابِهَا

وَاَمَّا النَّفْیُ فَالتَّقْیِیْدُ بِهٖ یَکُوْنُ بِسَلْبِ النِّسْبَةِ عَلٰی وَجْهٍ مَّخْصُوْصٍ مِمَّا تُفِیْدُهٗ اَحْرُفُ النَّفْیِ وَهِیَ سِتَّةٌ لَاوَمَا وَ اِنْ وَ لَنْ وَلَمْ وَلَمَّا فَلَا لِنَفْیِ مُطْلَقًا وَ مَا وَ اِنْ لِنَفْیِ الْحَالِ اِنْ دَخَلَا عَلَی الْمُضَارِعِ وَ لَنْ لِنَفْیِ الْاِسْتِقْبَالِ وَلَمْ وَلَمَّا لِنَفْیِ الْمُضِیِّ اِلَّا اَنَّهٗ بِلَمَّا یَنْسَحِبُ عَلٰی زَمَنِ التَّکَلُّمِ وَ یُخْتَصُّ بِالْمُتَوَقَّعِ وَ عَلٰی هٰذَا فَلَا یُقَالُ لَمَّا یَقُمْ زَیْدٌ ثُمَّ قَامَ وَ لَا لَمَّا یَجْتَمِعُ النَّقِیْضَانِ کَمَا یُقَالُ لَمْ یَقُمْ ثُمَّ قَامَ وَلَمْ یَجْتَمِعَا فَلَمَّا فِی النَّفْیِ تُقَابِلُ قَدْ فِی الْاِثْبَاتِ وَ حِیْنَئِذٍ یَکُوْنُ مَنْفِیُّهَا قَرِیْبًا مِنَ الْحَالِ فَلَا یَصِحُّ لَمَّا یَجِیْئُ مُحَمَّدٌ فِی الْعَامِ الْمَاضِیْ

ترجمہ: لَوْ شرط کیلئے آتا ہے زمانہ ماضی میں اسی وجہ سے فعل ماضی اس سے متصل ہوتی ہے جیسے وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِیْهِمْ الخ اور اگر اللہ تعالی ان میں کوئی بھلائی جان لیتا تو ضرور انہیں سنا دیتا، مذکورہ بیان سے یہ بات معلوم کی جاتی ہے کہ جملہ شرطیہ سے مقصود بالذات جواب ہوتا ہے پس جب تو کہے اِنِ اجْتَهَدَ زَیْدٌ الخ اگر زید نے کوشش کی تو میں اسکا اکرام کروں گا گویا کہ تو خبر دے رہا ہے اس بات کی کہ بیشک عنقریب تو اس کا اکرام کرے گا لیکن اس حال میں کہ اس سے محنت اور کوشش بھی ہو نہ کہ ہر حال میں، اور اسی پر متفرع ہے یہ بات کہ جملہ شرطیہ کو خبریہ یا انشائیہ شمار کیا جائے گا ان کے جواب کے اعتبار سے۔

اور بہر حال نفی کے ساتھ حکم کو مقید کرنا ہوتا ہے نسبت کے سلب کی وجہ سے مخصوص طریقہ پر، جس کا حروف نفی فائدہ دیتے ہیں اور وہ حروف نفی چھ ہیں لَا ، مَـا ، اِنْ ، لَـنْ ، لَمْ اور لَـمَّا ، پس لَا مطلق نفی کیلئے آتا ہے اور مَا اور اِنْ حال کی نفی کیلئے ہیں اگر چہ دونوں فعل مضارع پر داخل ہوں اور لَـنْ استقبال کی نفی کیلئے ہے اور لَـمْ اور لَـمَّـا ماضی کی نفی کیلئے ہوتے ہیں مگر یہ کہ لَـمَّـا کے ذریعے ماضی کی نفی زمانہ تکلم تک جاری رہتی ہے اور متوقع الحصول چیزوں کیساتھ خاص کی جاتی ہے اسی بنا پر نہیں کہا جائے گا لَـمَّا یَقُمْ زَیْدٌ ثُمَّ قَامَ اور نہ ہی لَـمَّـا یَجْتَمِعُ النَّقِیْضَانِ جیسا کہ نہیں کہا جاتا ہے لَـمْ یَـقُـمْ ثُـمَّ قَامَ وَلَمْ یَجْتَمِعَا پس لَـمَّا نفی میں مقابل ہے اثبات والے قَدْ کے، اسوقت لَمَّا کا منفی والا معنی حال سے قریب ہوگا پس نہیں صحیح ہوگا یہ کہنا لَمَّا یَجِیْئُ مُحَمَّدٌ الخ کہ اب تک محمد نہیں آیا گزشتہ سال میں۔

تجزیہ عبارت : مذکورہ عبارت میں صاحب کتاب نے لَوْ کی تفصیل بیان کرنے کے بعد حروف نفی کے ذریعے حکم کو مقید کرنے کی وجہ بیان کی ہے، اور حروف نفی میں سے ہر ایک کی تفصیل بیان کی ہے۔

تشریح : قولہ وَلَوْ لِلشَّرْطِ فِی الْمُضِیِّ الخ

حرفِ لو شرط کیلئے زمانہ ماضی میں استعمال ہوتا ہے

مصنفؒ اِنْ اور اِذَا کی تفصیل بیان کرنے کے بعد اب لَـوْ کی تفصیل بیان کر رہے ہیں کہ حرف لَـوْ ایسی شرط کیلئے آتا ہے جس کا تعلق زمانہ ماضی کے ساتھ ہو اسی وجہ سے لَـوْ کا دخول فعل ماضی پر ہی ہوتا ہے جیسے وَلَـوْ عَـلِمَ اللّٰهُ فِیْهِمْ خَیْرًا لَاَسْمَعَهُمْ کہ اگر اللہ تعالی ان میں کوئی بھلائی جان لیتا تو ضرور انہیں سنا دیتا، اس آیت میں عَلِمَ فعل ماضی ہے اور لَوْ اس پر داخل ہے اور ماضی شرط کیلئے استعمال ہو رہی ہے، کہ اگر ماضی میں ان کے اندر بھلائی اور خیر کا ثبوت ہوتا تو انہیں

سننے کی بھی توفیق دے دیتے اور جو لَوْ انتفائے ثانی کے لئے آتا ہے انتفائے اول کی وجہ سے اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اللہ تعالی ان میں کوئی بھلائی جان لیتا تو ضرور انہیں سنا دیتا، تو سنایا کیوں نہیں اس لئے کہ ان میں خیر اور بھلائی نہیں ہے۔

قوله وَمِمَّا تَقَدَّمَ يُعْلَمُ اَنَّ الْمَقْصُوْدَ الخ

جملہ شرطیہ میں مقصود بالذات جوابِ شرط ہوتا ہے

یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا بیان سے یہ معلوم ہو گیا کہ جملہ شرطیہ میں مقصود بالذات جواب ہوا کرتا ہے اور شرط حکم کیلئے بطور قید کے ذکر کی جاتی ہے مثلاً کسی نے کہا اِنِ اجْتَهَدَ زَيْدٌ اَكْرَمْتُهٗ اگر زید محنت کرے گا تو میں اس کا اکرام کروں گا اس جملے کا مطلب یہ ہوا کہ متکلم زید کے اکرام کی خبر دینا چاہتا ہے کہ جلدی ہی اسے انعام دیا جائے گا لیکن اکرام کو معلق کیا ہے محنت کے ساتھ، مطلقاً ہر حال میں اکرامِ زید مراد نہیں۔

جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ جملہ شرطیہ سے مقصود بالذات جواب شرط ہی ہے لہذا جملہ شرطیہ کے جواب کو دیکھ کر جملہ شرطیہ یا انشائیہ ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا چنانچہ اگر جواب سے کسی چیز کے متعلق خبر دینا معلوم ہو تو جملہ شرطیہ خبریہ ہوگا اور اگر جواب سے کسی چیز کی طلب معلوم ہو تو جملہ شرطیہ انشائیہ ہوگا۔

قوله وَاَمَّا النَّفْیُ فَالتَّقْيِيْدُ بِهٖ الخ

حرفِ نفی کے ذریعے مخصوص طریقوں پر نسبت کو سلب کرنا ہوتا ہے

یہاں سے مصنفؒ حروف نافیہ کے ذریعے حکم کو مقید کرنے کی وجہ بیان کر رہے ہیں کہ کلام کو کبھی حروف نفی کے ساتھ اس لئے مقید کیا جاتا ہے تا کہ نسبت کو ایسے مخصوص طریقے پر سلب کیا جائے جو مخصوص طریقے حروف نفی سے مستفاد ہوتے ہیں اور وہ حروف نفی چھ ہیں (۱) لَا (۲) مَا

(۳) إِنْ (۴) لَنْ (۵) لَمْ (۶) لَمَّا

قوله فَلَا لِلنَّفْيِ مُطْلَقًا الخ

حروفِ نفی میں سے ہر ایک کی تفصیل

یہاں سے مصنفؒ نے حروف نفی میں سے ہر ایک کی تفصیل بیان کی ہے۔

لا یہ مطلقاً نفی کیلئے آتا ہے: یہاں سے مصنفؒ حروف نفی میں سے پہلے حرف لا کی تفصیل بیان کر رہے ہیں کہ لا یہ مطلق نفی کیلئے آتا ہے اسمیں کسی خاص زمانہ یعنی ماضی، حال، استقبال وغیرہ میں سے کسی زمانے کی کوئی قید نہیں ہوتی جیسے دوسرے حروف نفی میں زمانے کی قید ملحوظ ہوتی ہے اور نہ مکان وغیرہ کی قید ہوتی ہے جیسے لَا زَیْدٌ فِی الدَّارِ زید گھر میں نہیں ہے، اس مثال میں لا سے مطلقاً زید کے گھر میں ہونے کی نفی ہو رہی ہے کسی زمانے کی اس میں کوئی قید نہیں ہے۔

مَا اور اِنْ حال کی نفی کیلئے آتے ہیں: حروف نفی میں سے مَا اور اِنْ یہ دونوں حال کی نفی کیلئے آتے ہیں بشرطیکہ یہ دونوں فعل مضارع پر داخل ہوں مَا کی مثال جیسے مَا یَکْتُبُ زَیْدٌ کہ زید نہیں لکھ رہا اور اِنْ کی مثال جیسے اِنْ یَقْرَءُ زَیْدٌ زید نہیں پڑھ رہا ہے۔

حرف لَنْ یہ استقبال کی نفی کیلئے آتا ہے: حروف نفی میں سے حرف لَنْ یہ استقبال کی نفی کیلئے آتا ہے اور یہ حروف ناصبہ میں سے ہے اور فعل مضارع پر داخل ہو کر اس کو نصب دیتا ہے جیسے لَنْ یَضْرِبَ وہ ہرگز نہیں مارے گا۔

لم اور لمّا میں فرق:

لَمْ اور لَمَّا یہ دونوں ماضی کی نفی کیلئے آتے ہیں مگر ان دونوں کے درمیان فرق بھی ہے۔

پہلا فرق: لَمَّا کی نفی استمرار اور استغراق کے ساتھ خاص ہوتی ہے یعنی نفی کا تعلق زمانہ ماضی سے لے کر زمانہ تکلم اور حال تک ہوتا ہے جیسے لَمَّا يَضْرِب یعنی ضرب کی نفی زمانہ ماضی سے زمانہ تکلم تک ہے درمیان میں اس سے کہیں بھی ضرب نہیں پائی گئی، لیکن جو نفی لَمْ کے ذریعے سے ہوتی ہے اس میں کبھی استمرار ہوتا ہے جیسے لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ یہ زمانہ ماضی سے ہے اور یہ نفی ہمیشہ کیلئے ہے کبھی کسی زمانہ میں بھی اللہ کے لئے اولاد کا ثبوت نہ ہوگا، اور لَمْ میں کبھی نفی دائمی نہیں ہوتی جیسے لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَذْكُوْرًا اس میں انسان کا عدم مذکور دائمی نہیں بلکہ پہلے عدم میں تھا اب انسان وجود میں ہے۔

دوسرا فرق: لَمَّا کے ذریعے جو نفی ہوتی ہے وہ متوقع الحصول چیزوں کی ہوتی ہے یعنی لَمَّا جس فعل پر داخل ہوتا ہے اس کا وقوع متوقع ہوتا ہے جیسے وَصَلَ الْاُسْتَاذُ اِلَى الْفَصْلِ وَ لَمَّا يَدْرُسْ کہ استاذ درسگاہ میں پہنچ گیا اور اب تک سبق نہیں پڑھایا یعنی پڑھنے کا آغاز تو اب تک نہیں ہوا مگر توقع ہے کہ آغاز ہو جائے۔

بخلاف لَمْ کے اس سے جس چیز کی نفی ہوتی ہے وہ کبھی متوقع الحصول بھی ہوتی ہے اور کبھی غیر متوقع الحصول، لہذا اس قاعدے کے مطابق لَمَّا يَقُمْ زَيْدٌ ثُمَّ قَامَ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ زید اب تک کھڑا نہیں ہوا پھر کھڑا ہو گیا، کیونکہ یہاں نفی زمانہ تکلم تک مستمرا نہیں حالانکہ لَمَّا میں نفی زمانہ ماضی سے زمانہ تکلم تک ہوتی ہے، اسی طرح یہ مثال بھی صحیح نہیں لَمَّا يَجْتَمِعُ النَّقِيْضَانِ اب تک دو نقیضیں جمع نہیں ہوئیں، کیونکہ لَمَّا کا استعمال اسی وقت صحیح ہوگا جب لَمَّا کے بعد والے فعل کا ہونا متوقع ہو اور نقیضین کا اجتماع متوقع ہی نہیں اس لئے لَمَّا يَجْتَمِعُ النَّقِيْضَانِ کہنا بھی صحیح نہیں ہوگا۔

بخلاف لَمْ کے اسمیں نفی زمانہ تکلم تک نہیں ہوتی اور یہ متوقع الحصول کیساتھ بھی مخصوص نہیں ہے بلکہ صرف نفی کے معنی دیتا ہے اس لئے لَمْ يَقُمْ ثُمَّ قَامَ اور لَمْ يَجْتَمِعُ النَّقِيْضَانِ

کہنا صحیح ہوگا۔

گویا لَمَّا نفی کا معنی دینے میں ایسے ہی ہے جیسے قَدْ اثبات میں، یعنی جس طرح کلمہ قَدْ اثبات میں فعل کو حال کے قریب کر دیتا ہے اسی طرح لَمَّا فعل منفی کو زمانہ حال کے قریب کر دیتا ہے لہٰذا لَمَّا کے ذریعے جو نفی ہوتی ہے وہ حال کے قریب ہوتی ہے لہٰذا اس طرح کہنا درست نہیں ہوگا لَمَّا يَجِئْ زَيْدٌ فِى الْعَامِ الْمَاضِىْ کہ اب تک زید نہیں آیا گزشتہ سال میں، کیونکہ لَمَّا کے ذریعے جو نفی ہے وہ زمانہ حال کے قریب ہے اور اَلْعَامِ الْمَاضِىْ سے فعل منفی بعید سمجھا جا رہا ہے جس کی وجہ حال کا ترجمہ نہیں ہو سکتا اس لئے یہ مثال درست نہیں ہے۔

وَاَمَّا التَّوَابِعُ فَالتَّقْيِيْدُ بِهَا يَكُوْنُ لِلْاَغْرَاضِ الَّتِىْ تُقْصَدُ مِنْهَا

فَالنَّعْتُ يَكُوْنُ لِلتَّمْيِيْزِ نَحْوُ حَضَرَ عَلِىٌّ الْكَاتِبُ وَ الْكَشْفِ نَحْوُ اَلْجِسْمُ الطَّوِيْلُ الْعَرِيْضُ الْعَمِيْقُ يَشْغَلُ حَيِّزًا مِّنَ الْفَرَاغِ، وَالتَّاكِيْدِ نَحْوُ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ وَالْمَدْحِ نَحْوُ حَضَرَ خَالِدُ الْهُمَامُ وَالذَّمِّ نَحْوُ "وَامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ" وَالتَّرَحُّمِ نَحْوُ اِرْحَمْ اِلٰى خَالِدِ الْمِسْكِيْنِ

وَعَطْفُ الْبَيَانِ يَكُوْنُ لِمُجَرَّدِ التَّوْضِيْحِ نَحْوُ اَقْسَمَ بِاللّٰهِ اَبُوْ حَفْصٍ عُمَرُ اَوْ لِلتَّوْضِيْحِ مَعَ الْمَدْحِ نَحْوُ "جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِلنَّاسِ" وَيَكْفِىْ فِى التَّوْضِيْحِ عَنْ يُّوَضِّحَ الثَّانِىَ الْاَوَّلَ عِنْدَ الْاِجْتِمَاعِ وَ اِنْ لَّمْ يَكُنْ اَوْضَحَ مِنْهُ عِنْدَ الْاِنْفِرَادِ كَعَلِىٍّ زَيْنِ الْعَابِدِيْنَ وَالْعَسْجَدِ الذَّهَبِ

وَعَطْفُ النَّسَقِ يَكُوْنُ لِلْاَغْرَاضِ الَّتِىْ تُؤَدِّيْهَا اَحْرُفُ الْعَطْفِ كَالتَّرْتِيْبِ مَعَ التَّعْقِيْبِ فِى الْفَآءِ وَ مَعَ التَّرَاخِىْ فِىْ ثُمَّ

وَالْبَدَلُ يَكُوْنُ لِزِيَادَةِ التَّقْرِيْرِ وَالْاِيْضَاحِ نَحْوُ قَدِمَ اِبْنِىْ عَلِىٌّ فِىْ بَدَلِ الْكُلِّ وَ سَافَرَ الْجُنْدُ اَغْلَبُهٗ فِىْ بَدَلِ الْبَعْضِ وَنَفَعَنِى الْاُسْتَاذُ عِلْمُهٗ فِىْ بَدَلِ الْاِشْتِمَالِ

ترجمہ: اور توابع کے ساتھ حکم کو مقید کرنا ان اغراض کیلئے ہوتا ہے جن کا ان کے ذریعے ارادہ کیا جاتا ہے پس صفت تمیز کیلئے ہوتی ہے جیسے حَضَرَ عَلِیٌّ الْکَاتِبُ علی کاتب حاضر ہو گیا، اور موصوف کے معنی کی وضاحت کے لئے جیسے اَلْجِسْمُ الطَّوِیْلُ الخ لمبا، چوڑا، گہرا جسم خالی جگہ بھر دیتا ہے۔

اور تاکید کیلئے جیسے تِلْکَ عَشَرَةٌ کَامِلَةٌ یہ پورے دس (روزے) ہیں اور مدح کیلئے جیسے حَضَرَ خَالِدُ الْهُمَامُ بلند ہمت والا خالد حاضر ہوا اور مذمت کیلئے جیسے وَ امْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ اس کی بیوی جو سر پر لکڑیاں لاد کر لاتی ہے اور ترحم کے لئے جیسے اِرْحَمْ اِلٰی خَالِدِ الْمِسْکِیْنِ تو مسکین خالد پر رحم کر۔

عطف بیان صرف وضاحت کیلئے ہوتا ہے جیسے اَقْسَمَ بِاللّٰهِ الخ اللہ کی قسم کھائی ابو حفص یعنی عمرؓ نے، یا مدح کے ساتھ وضاحت کیلئے ہوتا ہے جیسے جَعَلَ اللّٰهُ الْکَعْبَةَ الخ کہ اللہ تعالی نے کعبہ یعنی بیت اللہ کو لوگوں کے قیام کیلئے بنایا ہے اور توضیح میں یہ بات کافی ہے کہ ثانی اول کو واضح کر دے اجتماع کیوقت، اگر چہ اس سے زیادہ واضح نہ ہو انفراد کیوقت جیسے عَلِیٌّ زَیْنُ الْعَابِدِیْنَ کہ علی یعنی زین العابدین اور اَلْعَسْجِدُ الذَّهَبُ کہ عسجد یعنی سونا۔

اور عطف نسق یعنی عطف بحرف ان اغراض کیلئے ہوتا ہے جنہیں حروف عطف ادا کرتے ہیں جیسے ترتیب مع التعقیب حرف فَا میں اور ترتیب مع التراخی حرف ثُمَّ میں،

اور بدل زیادتی تقریر اور وضاحت کیلئے ہوتا ہے جیسے میرا بیٹا علی آیا ہے بدل الکل میں، لشکر کا اکثر حصہ سفر میں روانہ ہو گیا بدل البعض میں، اور نفع پہنچایا مجھ کو استاذ نے یعنی ان کے علم نے بدل الاشتمال میں۔

تجزیہ عبارت: مذکورہ عبارت میں مصنفؒ نے توابع کے ساتھ حکم کو مقید کرنے کی وجہ بیان کی ہے اور ساتھ توابع کی اقسام اور ان کے ذریعے حکم کو مقید کرنے کی وجہ بیان کی ہے۔

تشریح: قولہ وَاَمَّا التَّوَابِعُ فَالتَّقْيِيدُ بِهَا الخ

توابع کے ساتھ حکم کو مقید کرنے کی وجہ

یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ توابع کے ساتھ حکم کو مقید کرنا انہی اغراض اور اسباب کیلئے ہوتا ہے جو انہی توابع سے مقصود ومطلوب ہوتے ہیں جیسے تمیز، توضیح، مدح وذم وغیرہ۔

تابع کی تعریف: تابع ہر وہ دوسرا اسم ہے جو اپنے ماقبل اسم کے ایک ہی جہت سے اعراب میں موافق ہو یعنی اگر پہلا اسم فاعلیت کی بنا پر مرفوع ہے تو دوسرا بھی فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا جیسے جَآئَنِیْ زَیْدُ الْعَاقِلُ اس مثال میں العاقل، زید کا تابع ہے اور جیسے زید فاعلیت کی بنا پر مرفوع ہے العاقل بھی فاعلیت کی بنا پر مرفوع ہے، اسی طرح اگر پہلا اسم مفعولیت کی بنا پر منصوب ہے تو دوسرا اسم بھی مفعولیت کی بنا پر منصوب ہوگا، اسی طرح اگر پہلا اسم مجروریت کی بنا پر مجرور ہے تو دوسرا اسم بھی مجروریت کی بنا مجرور ہوگا، یعنی توابع کلام کے ان اجزا کو کہتے ہیں جو جملہ کے ارکان نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کا مستقل اعراب ہوتا ہے البتہ کلام کی تحسین وتوضیح وغیرہ کیلئے مددگار ثابت ہوتے ہیں جیسے صفت، تاکید، عطف بیان، عطف بحرف اور بدل وغیرہ۔

قولہ فَالنَّعْتُ يَكُوْنُ الخ

صفت کی تعریف:

صفت وہ تابع ہے جو متبوع کی اچھی یا بری حالت کو بیان کرے جیسے جَآئَنِیْ رَجُلٌ عَالِمٌ اس مثال میں عالم نے رجل کی علمی حالت کو ظاہر کیا، اور جیسے جَآئَنِیْ رَجُلٌ فَاسِقٌ اس مثال میں فاسق نے رجل کی بری حالت کو ظاہر کیا ہے، بعض نے یوں تعریف کی ہے صفت وہ تابع ہے جو اپنے متبوع یعنی موصوف یا متعلق متبوع کے معنی اور صفت پر دلالت کرے۔

قولہ فَالنَّعْتُ يَكُوْنُ لِلتَّمِيْزِ الخ

صفت کے ساتھ حکم کو مقید کرنے کی وجہ اور مقاصد

صفت کے ساتھ حکم کو مقید کرنے کی کئی وجوہ اور اغراض ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) **تمیز کیلئے**: یعنی صفت اپنے موصوف کو ماعدا سے ممتاز اور جدا کردے تاکہ کوئی دوسرا فرد اس موصوف کا شریک نہ ہو جیسے حَضَرَ عَلِيٌّ الْكَاتِبُ اب مثلاً علی نام کے دو شخص ہیں ایک کاتب ہے اور ایک قاری ہے جب آپ نے حَضَرَ عَلِيٌّ الْكَاتِبُ کہا کہ وہ علی آیا جو کاتب ہے تو وصف کاتب نے علی کو اس علی سے ممتاز کردیا جو قاری ہے تو معلوم ہوا کہ آنے والا وہ علی ہے جو کاتب ہے، نہ کہ وہ علی جو قاری ہے اسی طرح جب کہا جَاءَنِيْ رَجُلٌ عَالِمٌ رجولیت میں عالم اور غیر عالم دونوں شامل تھے لیکن صفت عالم نے اس کو جاہل سے ممتاز کردیا اس صفت کو صفت ممیزہ کہتے ہیں۔

(۲) **کشف اور وضاحت کیلئے**: کبھی صفت لانے کا مقصد اور وجہ یہ ہوتی ہے تاکہ سامع کے سامنے موصوف کے معنی واضح اور منکشف ہوجائیں تاکہ اس میں اشتباہ باقی نہ رہے جیسے اَلْجِسْمُ الطَّوِيْلُ الْعَرِيْضُ الْعَمِيْقُ يَشْغَلُ حَيِّزًا مِّنَ الْفَرَاغِ کہ لمبا چوڑا جسم خالی جگہ گھیر لیتا ہے، اس مثال میں الطویل اور العریض اور العمیق یہ جسم کی صفات ہیں ان سے جسم کی تعریف اور وضاحت ہوتی ہے جن سے موصوف اچھی طرح واضح ہوجاتا ہے، اسی طرح دوسری مثال جَاءَنِيْ زَيْدُ الْفَاضِلُ اس مثال میں لفظ فاضل نے زید کی وضاحت کردی پہلے زید میں اجمال تھا یہ معلوم نہ تھا کہ کونسا زید آیا فاضل یا غیر فاضل، جب اس کی صفت فاضل لائے اس نے وضاحت کردی ایسی صفت کو صفت کاشفہ کہتے ہیں۔

(۳) **تاکید کیلئے:** کبھی صفت لانے کا مقصد موصوف کی تاکید اور تقریر ہوتی ہے تاکہ موصوف پختہ ہو جائے لیکن یہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ مسند الیہ اس وصف کے معنی کو متضمن ہو جیسے تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ اس مثال میں لفظ کَامِلَةٌ کو عَشَرَةٌ کی تاکید کیلئے لایا گیا ہے اگر کاملہ نہ بھی ذکر کیا جاتا تب بھی عشرۃ سے دس دن ہی مراد ہوتے تو گویا کہ لفظ عشرۃ پہلے ہی سے کاملۃ کے معنی کو متضمن تھا تو کاملۃ کو صرف تاکید کیلئے لایا گیا ہے۔

اسی طرح دوسری مثال جیسے نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ اسمیں نَفْخَةٌ کی تاء اگرچہ وحدت پر دلالت کرتی ہے لیکن لفظِ واحدۃ نے اس وحدت والے معنی میں مزید تاکید پیدا کردی ایسی صفت کو صفت مؤکدہ کہتے ہیں۔

(۴) **مدح کیلئے:** کبھی صفت لانے کا مقصد موصوف کی مدح اور ثنا کرنا ہوتا ہے تاکہ موصوف کی مدح سرائی ہو جائے جیسے حَضَرَ خَالِدُ نِ الْهُمَامُ کہ بلند ہمت والا خالد حاضر ہوا ،اس مثال میں اَلْهُمَامُ کو موصوف کی تعریف اور ثنا کے لئے لایا گیا ہے اسی طرح دوسری مثال بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اس مثال میں الرحمٰن اور الرحیم مدح اور ثنا کیلئے لائے گئے ہیں ایسی صفت کو صفت مادحہ کہتے ہیں۔

(۵) **مذمت کیلئے:** کبھی صفت لانے کا مقصد موصوف کی مذمت اور قباحت بیان کرنا ہوتا ہے تاکہ موصوف کی خوب قباحت اور برائی سامعین پر واضح ہو جائے جیسے وَامْرَأَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ اسکی بیوی جو سر پر لکڑیاں اٹھائے پھرتی ہے،اس مثال میں حَمَّالَةَ الْحَطَبِ، امرأتہ کی مذمت بیان کرنے کیلئے صفت لائی گئی ہے،اسی طرح دوسری مثال اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ اس مثال میں الرجیم صفت ہے اس سے مقصود شیطان کی مذمت بیان کرنا ہے ایسی صفت کو صفت ذامہ کہتے ہیں۔

(۶) **رحم اور طلب شفقت کیلئے** : کبھی صفت لانے کا مقصد موصوف پر رحم اور شفقت کو طلب کرنا ہوتا ہے تاکہ سامع موصوف پر رحم اور شفقت کا معاملہ کرے جیسے اِرْحَمْ اِلٰی خَالِدِ نِ الْمِسْکِیْنِ یعنی عاجز اور غریب خالد پر رحم کر، اس مثال میں اَلْمِسْکِیْنِ کو ترحم کیلئے لایا گیا ہے اس لئے کہ المسکین کا لفظ ہی یہ بتلا رہا ہے کہ موصوف بہت ہی لاچار اور مجبور ہے اس کے ساتھ مہربانی والا معاملہ کرنا چاہیے، دوسری مثال میں تَصَدَّقْ اِلٰی زَیْدِ الْفَقِیْرِ الْیَتِیْمِ تو صدقہ کر یتیم فقیر زید پر، اس مثال میں الفقیر اور الیتیم سے رحم اور شفقت طلب کرنے کیلئے صفت لائی گئی ہے ایسی صفت کو صفت ترحم کہتے ہیں۔

قولہ وَعَطْفُ الْبَیَانِ الخ

عطف بیان کی تعریف

عطف بیان وہ تابع ہے جو صفت تو نہیں ہوتا لیکن اپنے متبوع کو واضح کردیتا ہے اور وہ متبوع کے دو مشہور ناموں میں سے ایک مشہور نام ہوتا ہے، یعنی متبوع کے دو نام ہوتے ہیں ایک علم اور دوسرا کنیت ایک مشہور اور دوسرا غیر مشہور ہوتا ہے، غیر مشہور نام ذکر کرنے کے بعد متکلم زیادہ مشہور نام کو ذکر کرتا ہے تاکہ متبوع واضح ہو جائے، علم اور کنیت میں سے جو زیادہ مشہور ہوگا وہی عطف بیان ہوگا جیسے قَامَ عَبْدُاللّٰہِ بْنُ عُمَرَؓ اس مثال میں ابن عمر عطف بیان ہے کیونکہ اسم اور کنیت میں سے جو زیادہ مشہور ہو اس کو عطف بیان بنایا جاتا ہے چونکہ عبداللہ غیر مشہور ہیں اور ابن عمر کی کنیت زیادہ مشہور ہے اسلئے ابن عمر عطف بیان ہے جو اپنے متبوع کو واضح کر رہا ہے۔

قولہ یَکُوْنُ لِمُجَرَّدِ التَّوْضِیْحِ الخ

عطف بیان کے ساتھ حکم کو مقید کرنے کی وجوہ اور مقاصد

عطف بیان کے ساتھ حکم کو مقید کرنے کے مختلف اسباب اور مقاصد ہوتے ہیں جو

مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) **محض توضیح کیلئے:** عطف بیان کے ساتھ حکم کو مقید کرنے کا مقصد کبھی متبوع کو واضح کرنا ہوتا ہے کہ عطف بیان سے متبوع کی وضاحت ہو جاتی ہے جیسے اَقْسَمَ بِاللّٰہِ اَبُوْ حَفْصٍ عُمَرُ" اللہ کی قسم کھائی ابو حفص یعنی عمرؓ نے، اس مثال میں ابو حفص حضرت عمرؓ کی کنیت ہے مگر غیر مشہور ہونے کی وجہ سے صرف ابو حفص کہنے سے اس کا مصداق واضح نہیں ہوتا عمر عطف بیان لانے سے اس کا مصداق واضح ہو گیا اس مثال میں علم اور کنیت میں سے علم زیادہ مشہور ہے۔

فائدہ : اقسم باللہ ابو حفص عمرؓ کا شان ورود

ایک اعرابی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہو کر کہنے لگا میرا گھر دور ہے لیکن میری اونٹنی دبلی اور کمزور ہے اس کی پیٹھ زخمی اور اس کے پاؤں میں سوراخ ہو گئے ہیں آپ مجھے اونٹنی عنائیت فرمائیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گمان کیا کہ یہ اعرابی جھوٹ بول رہا ہے اور اونٹنی دینے سے انکار کر دیا یہ سن کر اعرابی چلا گیا اور اپنی اونٹنی کے پیچھے پتھریلی زمین پر چلتا ہوا جا رہا تھا اور یہ شعر پڑھ رہا تھا۔

اَقْسَمَ بِاللّٰہِ اَبُوْ حَفْصٍ عُمَرْ ☆ مَا مَسَّهَا مِنْ نَّقَبٍ وَّلَا دَبَرٍ

اِغْفِرْ لَهُ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ فَجَرَ

ابو حفص یعنی عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی کہ اس کی اونٹنی کو پاؤں کے سوراخ نے چھوا ہے اور نہ پیٹھ کے زخم نے، اے اللہ اگر عمرؓ نے جھوٹی قسم کھائی ہے تو اسے بخش دے اتفاقاً حضرت عمرؓ سامنے سے آرہے تھے تو اسکا کلام سنا اور فرمایا اَللّٰهُمَّ صَدِّقْ، صَدِّقْ اے اللہ تو اس اعرابی کے قول کو سچا کر دے، پھر حضرت عمرؓ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا اپنی اونٹنی سے سامان اتارو اس نے سامان نیچے اتارا تو واقعتاً وہ اونٹنی بیمار اور کمزور تھی پھر حضرت عمرؓ نے اس اعرابی کو اپنا اونٹ دیا اور زادِ راہ اور پہننے کیلئے کپڑے دیکر رخصت کیا۔

(۲) **توضیح مع المدح کیلئے** : کبھی عطف بیان توضیح مع المدح کیلئے آتا ہے یعنی عطف بیان لانے کا مقصد وضاحت کے ساتھ ساتھ مدح بھی کرنا ہوتا ہے جیسے جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِلنَّاسِ یعنی اللہ تعالی نے بنایا ہے خانہ کعبہ یعنی بیت الحرام کو لوگوں کیلئے قیام کا ذریعہ، اس مثال میں البیت الحرام، کعبہ سے عطف بیان ہے جس سے کعبہ کی وضاحت بھی ہو رہی ہے اور مدح بھی، وضاحت تو ظاہر ہے کہ کعبہ سے مراد بیت الحرام ہے اور مدح اس طرح ہو رہی ہے کہ کعبہ ایسا حرمت والا گھر ہے جس میں فسق و فجور لڑائی جھگڑا اور قتل و غارت سب حرام ہیں اور بیت الحرام میں داخل ہونے والا شخص مامون ہے۔

قوله وَيَكْفِيْ فِي التَّوْضِيْحِ اَنْ يُّوَضِّحَ الثَّانِيْ الخ

توضیح کیلئے کافی ہے اور ثانی امر اول کو واضح کرے

یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ عطف بیان میں اگر دوسرا اسم زیادہ واضح نہ ہو لیکن توضیح میں اتنی بات بھی کافی ہے کہ اجتماع کے وقت دوسرا اسم پہلے اسم کو واضح کر دے، اگر چہ دوسرا اسم منفرد ہونے کی حالت میں پہلے اسم سے زیادہ واضح نہ ہو جیسے عَلِيٌّ زَيْنُ الْعَابِدِيْنَ یعنی علی زین العابدین ہے، اس مثال میں زین العابدین، علی کا عطف بیان ہے اگر چہ زیادہ مشہور نہیں لیکن علی کے ساتھ ملنے سے علی کی وضاحت ہو رہی ہے یعنی کوئی شخص علی کو نہیں جانتا اس کی وضاحت زین العابدین سے کر دی جائے تو وضاحت کے لئے کافی ہے اسی طرح دوسری مثال اَلْعَسْجَدُ الذَّهَبُ عسجد یعنی سونا، اس مثال میں الذہب عطف بیان ہے العسجد کا تو العسجد کی تعریف اور وضاحت الذہب سے کر دی کہ العسجد کے معنی سونے کے ہیں۔

قوله وَعَطْفُ النَّسَقِ الخ

عطف بحرف کی تعریف

عطف بحرف وہ تابع ہے جو چیز اس کے متبوع کی طرف منسوب ہو وہی چیز تابع کی طرف بھی منسوب ہو اور دونوں اس نسبت سے مقصود بھی ہوں آسان لفظوں میں یوں سمجھ لیں کہ عطف بحرف وہ تابع ہے جو حرف عطف کے بعد آئے اور جو نسبت متبوع کی طرف ہو وہی تابع کی طرف ہو، متبوع کو معطوف علیہ اور تابع کو معطوف کہتے ہیں جیسے جَآئَنِیْ زَیْدٌ وَ عَمْرٌو جیسے آنے کی نسبت زید کی طرف ہے ایسے ہی عمرو کی طرف حرف عطف کے واسطے سے ہو رہی ہے اور اسکی شرط یہ ہے کہ اسکے اور اسکے متبوع کے درمیان حروف عاطفہ میں سے کوئی حرف مذکور ہو۔

عطف النسق کی وجہ تسمیہ

عطف بحرف کا دوسرا نام عطف النسق بھی ہے النسق عربوں کے قول ثَغَرَ النَّسَقِ سے ماخوذ ہے یہ اسوقت کہتے ہیں جب دانت بالکل برابر اور مساوی ہوں اسکو عطف النسق اسلئے کہتے ہیں کیونکہ حرف عطف تابع اور متبوع کو اعراب کے اعتبار سے مساوی اور برابر کر دیتا ہے۔

قولہ وَعَطْفُ النَّسَقِ یَکُوْنُ لِلْاَغْرَاضِ الَّتِیْ الخ

عطف بحرف کے ذریعے حکم کو مقید کرنا ان اغراض کیلئے ہوتا ہے جن کو حروف عطف ظاہر کرتے ہیں

یہاں سے مصنفؒ عطف بحرف کے ذریعے حکم کو مقید کیے جانے کی وجہ بیان کر رہے ہیں کہ عطف بحرف کے ذریعے بھی حکم کو مقید کرنا ان اغراض اور اسباب کیلئے ہوتا ہے جن کو حروف عاطفہ ظاہر کرتے ہیں جیسے حروف عاطفہ میں سے ایک فاء ہے جو ترتیب مع التعقیب کا فائدہ دیتی ہے تو گویا فاء کے ذریعے عطف کرنا ترتیب اور تعقیب کیلئے ہوگا جیسے جَآئَنِیْ زَیْدٌ فَعَمْرٌو اس مثال میں فاء عطف ترتیب مع التعقیب کیلئے ہے فاء نے اس بات کا فائدہ دیا کہ یہاں ترتیب ہے پہلے زید آیا اور بعد میں عمرو آیا اور ساتھ تعقیب کا بھی فائدہ دیا کہ زید کے فوراً بعد عمرو آ گیا بغیر

مہلت کے۔

اسی طرح حروف عاطفہ میں سے ثُمَّ یہ ترتیب کیساتھ تراخی کیلئے آتا ہے تو گویا ثُمَّ کے ساتھ عطف کرنا ترتیب مع التراخی کیلئے ہوگا جیسے جَآءَ زَیْدٌ ثُمَّ خَالِدٌ اس مثال میں ثُمَّ نے تراخی کا فائدہ دیا لیکن مہلت کے ساتھ کہ پہلے زید آیا پھر کچھ دیر بعد خالد آیا۔

قوله وَالْبَدَلُ

بدل کی تعریف

بدل وہ تابع ہے کہ متبوع کی طرف جس چیز کی نسبت کی گئی ہو بعینہ اسی چیز کی نسبت تابع کی طرف کی گئی ہو مگر اس نسبت سے بدل مقصود ہو مبدل منہ مقصود نہ ہو اور مبدل منہ بطور توطیہ اور تمہید کے ذکر کیا گیا ہو۔

قوله وَالْبَدَلُ یَکُوْنُ لِزِیَادَۃِ التَّقْرِیْبِ الخ

بدل کے ساتھ حکم کو مقید کرنے کی وجوہ اور اغراض

یہاں سے مصنفؒ فرمارہے ہیں کہ توابع میں سے ایک بدل ہے جس کے ساتھ حکم کو مقید کرتے ہیں اور اس سے مقصود مبدل منہ کی زیادتی تقریر اور توضیح ہوتا ہے۔

بدل کی اقسام

(۱) بدل الکل (۲) بدل البعض (۳) بدل الاشتمال

کتب نحو میں اگرچہ بدل کی چار قسمیں بیان کی ہیں (۱) بدل الکل (۲) بدل الاشتمال (۳) بدل البعض (۴) بدل الغلط، لیکن یہاں بدل الغلط کو اس لئے نہیں بیان کیا کہ کلام فصیح میں بدل الغلط استعمال نہیں کیا جاتا۔

(۱) **بدل الکل**: وہ تابع کہ اس کا مدلول بعینہ متبوع کا مدلول ہو یعنی جس پر متبوع دلالت کر رہا ہے بعینہ اسی پر بدل بھی دلالت کر رہا ہو بعض نے یوں تعریف کی ہے کہ اس کا اور مبدل منہ کا مصداق ایک ہی ہو اور اس سے مقصود مبدل منہ کی زیادتی تقریر اور وضاحت ہو جیسے قَدِمَ اِبْنِیْ عَلِیٌّ میرا بیٹا علی آیا اس مثال میں اِبْنِیْ مبدل منہ ہے اور علی بدل ہے اور اِبْنِیْ کا مدلول اور علی کا مدلول ایک ذات ہے اور بدل مبدل منہ کی وضاحت کر رہا ہے۔

(۲) **بدل البعض**: وہ بدل ہے جس کا مدلول متبوع کے مدلول کا جز ہو بعض نے یوں تعریف کی ہے کہ بدل البعض وہ بدل ہے جو اپنے مبدل منہ کا ایک حصہ ہو جیسے سَافَرَ الْجُنْدُ اَغْلَبُهٗ کہ سفر کیا اکثر لشکر نے اس مثال میں اَلْجُنْدُ مبدل منہ ہے اور اَغْلَبُهٗ یہ بدل ہے اَلْجُنْدُ سے اور اَغْلَبُهٗ لشکر کے حصوں میں سے ایک حصہ ہے اور یہاں اَغْلَبُه الْجُنْدُ کی وضاحت کر رہا ہے۔

(۳) **بدل الاشتمال**: وہ بدل ہے جس کا مدلول متبوع کا متعلق ہو بعض نے یوں تعریف کی ہے کہ بدل الاشتمال وہ بدل ہے جس کا مبدل منہ سے کچھ لگاؤ اور تعلق ہو جیسے نَفَعَنِیَ الْاُسْتَاذُ عِلْمُهٗ کہ نفع دیا مجھے استاذ کے علم نے اس مثال میں عِلْمُهٗ بدل الاشتمال ہے اور اس کا الاستاذ سے تعلق اور لگاؤ ہے اور علمہ استاذ کی وضاحت کر رہا ہے۔

تم الباب الخامس فی الاطلاق والتقیید بحمد اللہ تعالیٰ

محمد اصغر علی استاذ جامعہ اسلامیہ عربیہ غلام محمد آباد، فاضل عربی، فاضل دار العلوم فیصل آباد

اَلْبَابُ السَّادِسُ فِی الْقَصْرِ

اَلْقَصْرُ تَخْصِیْصُ شَیْئٍ بِشَیْئٍ بِطَرِیْقٍ مَّخْصُوْصٍ وَ یَنْقَسِمُ اِلٰی حَقِیْقِیٍّ وَاِضَافِیٍّ فَالْحَقِیْقِیُّ مَا کَانَ الْاِخْتِصَاصُ فِیْهِ بِحَسْبِ الْوَاقِعِ وَالْحَقِیْقَةِ لَا بِحَسْبِ الْاِضَافَةِ اِلٰی شَیْئٍ اٰخَرَ نَحْوُ لَاکَاتِبَ فِی الْمَدِیْنَةِ اِلَّا عَلِیٌّ اِذَا لَمْ یَکُنْ غَیْرُهٗ فِیْهَا مِنَ الْکُتَّابِ وَالْاِضَافِیُّ مَا کَانَ الْاِخْتِصَاصُ فِیْهِ بِحَسْبِ الْاِضَافَةِ اِلٰی شَیْئٍ مُّعَیَّنٍ نَحْوُ مَا عَلِیٌّ اِلَّا قَائِمٌ اَیْ اِنَّ لَهٗ صِفَةَ الْقِیَامِ لَا صِفَةَ الْقُعُوْدِ وَلَیْسَ الْغَرَضُ نَفْیَ جَمِیْعِ الصِّفَاتِ عَنْهُ مَا عَدَا صِفَةِ الْقِیَامِ وَکُلٌّ مِّنْهُمَا یَنْقَسِمُ اِلٰی قَصْرِ صِفَةٍ عَلٰی مَوْصُوْفٍ نَحْوُ لَا فَارِسَ اِلَّا عَلِیٌّ وَ قَصْرِ مَوْصُوْفٍ عَلٰی صِفَةٍ نَحْوُ "مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ" فَیَجُوْزُ عَلَیْهِ الْمَوْتُ

چھٹا باب قصر کے بیان میں

ترجمہ: قصر ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ خاص کر دینا ہے مخصوص طریقے سے اور قصر منقسم ہوتا ہے حقیقی اور اضافی کی طرف، قصر حقیقی وہ کہ جس میں اختصاص واقع اور حقیقت کے اعتبار سے ہو نہ کہ دوسری چیز کی طرف نسبت کرنے کے اعتبار سے جیسے لَا کَاتِبَ فِی الْمَدِیْنَةِ اِلَّا عَلِیٌّ کہ شہر میں علی کے علاوہ کوئی کاتب نہیں یہ اس وقت صحیح ہوگا جب کہ شہر میں اس کے علاوہ کوئی کاتب نہ ہو۔

قصر اضافی وہ ہے کہ جس میں اختصاص کسی شے معین کی طرف نسبت کرنے کے اعتبار سے ہو جیسے مَا عَلِیٌّ اِلَّا قَائِمٌ نہیں ہے علی مگر کھڑا یعنی اس کیلئے صفت قیام ہے نہ کہ صفت قعود اور نہیں مقصد اس سے قیام کی صفت کے علاوہ تمام صفتوں کی نفی کرنا اور قصر حقیقی اور اضافی سے ہر ایک تقسیم ہوتا ہے قصر صفت علی موصوف کی طرف جیسے لَا فَارِسَ اِلَّا عَلِیٌّ کوئی گھوڑ سوار نہیں مگر

علی اور قصر موصوف علی صفت کی طرف جیسے وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ کہ نہیں ہیں محمد ﷺ مگر ایک رسول ہی، لہذا آپ ﷺ پر موت کا طاری ہونا ممکن ہے۔

تجزیہ عبارت: مذکورہ عبارت میں مصنفؒ نے قصر کی تعریف کے بعد قصر کی دو قسمیں حقیقی اور اضافی بیان کی ہیں پھر قصر حقیقی اور اضافی میں سے ہر ایک کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

تشریح: قولہ اَلْقَصْرُ تَخْصِيْصُ شَيْءٍ بِشَيْءٍ الخ

قصر کی لغوی تعریف: قصر کا لغوی معنی ہے محبوس کرنا، بند کرنا، خاص کرنا جیسے کہا جاتا ہے قَصَرَ عَلٰى نَفْسِهٖ نَاقَةً اس نے اونٹنی کو اپنے دودھ پینے کیلئے خاص کرلیا اور وہ ناقہ مقصورہ کہلاتی ہے اور جیسے کہا جاتا ہے قَصَرْتُ اللُّقْحَةَ عَلٰى فَرَسِيْ کہ میں نے اونٹنی کے دودھ کو گھوڑے کیلئے خاص کردیا اور محدود کردیا اور قرآن پاک میں بھی ہے حُوْرٌ مَّقْصُوْرَاتٌ فِي الْخِيَامِ اَيِ الْمَحْبُوْسَاتُ فِيْهَا یعنی حوریں خیموں میں بند کی ہوئی ہوں گی۔

قصر کی اصطلاحی تعریف: قصر کہتے ہیں ایک شے کو دوسری شے کے ساتھ خاص کردینا مخصوص طریقے کے ساتھ یعنی قصر کے چار مخصوص طریقوں میں سے کسی ایک طریقے پر ایک شے کو دوسری شے کے ساتھ اس طرح خاص کردینا کہ وہ چیز اس میں محصور ہوجائے اس سے آگے نہ بڑھ سکے وہ چار طریقے یہ ہیں (۱) نفی واستثناء (۲) کلمہ انما (۳) عطف بذریعہ لا یا لکن یا بل (۴) تقدیم ماحقہ التاخیر جیسے مَا اَمِيْنٌ اِلَّا زَيْدٌ نہیں ہے امانت دار مگر زید ہی اس مثال میں امانت کو زید کے ساتھ خاص دیا گیا۔

قولہ وَيَنْقَسِمُ اِلٰى حَقِيْقِيٍّ وَاِضَافِيٍّ الخ

قصر کی دو قسمیں حقیقی اور اضافی

یہاں سے مصنفؒ نے قصر کی دو قسمیں بیان کی ہیں (۱) قصر حقیقی (۲) قصر اضافی

قصر حقیقی کی تعریف: قصر حقیقی وہ ہے کہ جس میں اختصاص نفس الامر اور حقیت کے اعتبار سے ہو، نہ کہ کسی دوسری شے کی طرف محض نسبت کرنے کے اعتبار سے یعنی قصر حقیقی وہ ایک شے کو دوسری شے پر جمیع ماعدا کے لحاظ سے مقصور اور بند کر دیا جاتا ہے اور شے مقصور سوائے مقصور علیہ کے کسی دوسری شے میں نہیں پائی جاتی جیسے لَا كَاتِبَ فِي الْمَدِينَةِ إِلَّا عَلِيٌّ شہر میں کوئی کاتب نہیں سوائے علی کے، اس مثال میں کاتب ہونے کا قصر علی کی ذات پر منحصر ہے کہ اس کے علاوہ شہر میں کوئی اور کاتب ہے ہی نہیں کتابت کا ثبوت شہر میں علی کے ماسوا ہر شخص سے ہے یہ کہنا اس وقت درست ہوتا ہے جب حقیقت اور نفس الامر میں علی کے علاوہ شہر میں کوئی کاتب نہ ہو۔

اور جیسے کلمہ توحید لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہ الوهیت اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر شے سے ہے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے ہی ثابت ہے۔

قصر اضافی کی تعریف: قصر اضافی وہ ہے جس میں اختصاص کسی خاص چیز کی طرف نسبت کرنے کے لحاظ سے ہو یعنی جس میں ایک شے کو دوسری شے پر بعض ماعدا کے لحاظ سے مقصور اور بند کیا گیا ہو اور اس میں حصر بعض اعتبار سے حقیقت ہو اور نفس الامر کے اعتبار سے نہ ہو جیسے مَا عَلِيٌّ إِلَّا قَائِمٌ علی کھڑا ہی ہے اس مثال میں علی کیلئے صفت قعود کے مقابلے میں صفت قیام کا قصر کیا گیا ہے نہ یہ کہ علی سے قیام کے علاوہ باقی دوسری صفات ہی کی نفی کی گئی اور یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ قائم ہے اور کچھ نہیں نہ انسان نہ حیوان نہ ناطق وغیرہ

قوله وَكُلٌّ مِّنْهُمَا يَنْقَسِمُ الخ

قصر حقیقی اور اضافی میں سے ہر ایک کی دو قسمیں

یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ قصر حقیقی اور اضافی میں سے ہر ایک قسم دو دو قسموں میں منقسم ہوتی ہے (۱) قصر الصفۃ علی الموصوف، صفت کا موصوف پر قصر کرنا (۲) قصر الموصوف علی الصفۃ، موصوف کا صفت پر قصر کرنا، اب دو کو دو سے ضرب دینے سے کل چار قسمیں بن گئیں (۱) صفت کا موصوف پر قصر حقیقی (۲) موصوف کا صفت پر قصر حقیقی (۳) صفت کا موصوف پر قصر اضافی (۴) موصوف کا صفت پر قصر اضافی

(۱) صفت کا موصوف پر قصر حقیقی: یہ ہے کہ وہ صفت اس موصوف کے علاوہ کسی اور موصوف میں حقیقت کے اعتبار سے نہ پائی جائے البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ وہ موصوف اس صفت کے علاوہ دوسری صفات کے ساتھ بھی متصف ہو جیسے قرآن پاک میں ہے لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ اللہ تعالی ہی غائب کو جاننے والے ہیں اس مثال میں صفت کا موصوف پر اس طرح قصر ہے کہ اللہ تعالی کے علاوہ دیگر کوئی فرد اس صفت کے ساتھ متصف نہیں ہے، ہاں البتہ اللہ تعالی اس صفت کے علاوہ اور بھی بہت سارے اوصاف کے ساتھ متصف ہیں۔

(۲) موصوف کا صفت پر قصر حقیقی: یہ ہے کہ موصوف میں اس صفت کے علاوہ کوئی اور صفت حقیقت اور نفس الامر کے اعتبار سے نہ پائی جائے یعنی موصوف اس صفت پر ہی محدود ہے جیسے مَا خَالِدٌ إِلَّا شَاعِرٌ کہ خالد شاعر ہی ہے، اس میں شاعر ہونے کے علاوہ کوئی اور صفت حقیقت کے اعتبار سے پائی ہی نہیں جاتی، اس مثال میں خالد موصوف کا قصر کیا ہے صفت شاعر ہونے پر۔

(۳) صفت کا موصوف پر قصر اضافی: یہ ہے کہ صفت کو ایک موصوف کے ساتھ خاص کر دیا جائے دوسرے موصوف کے اعتبار سے، یعنی وہ صفت اسی معین موصوف تک محدود ہو اس سے متجاوز ہو کر دوسرے موصوف میں نہ پائی جائے جیسے لَا فَارِسَ إِلَّا عَلِيٌّ علی ہی شہسوار

ہے یہ اس شخص سے کہا جائے جس کا ذہن ہو کہ علی کے علاوہ زید بھی شہسوار ہے تو اس سے کہا جائے کہ علی اور زید دونوں میں سے صرف علی ہی شہسوار ہے زید نہیں۔

(۴) **موصوف کا صفت پر قصر اضافی**: یہ ہے کہ موصوف کو ایک صفت کے ساتھ کسی دوسری صفت کے اعتبار سے خاص کرنا کہ موصوف اسی صفت پر محدود ہے اس سے دوسری صفت کی طرف متجاوز نہیں جیسے وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ اس آیت کے مخاطب حضرات صحابہ کرامؓ ہیں جنہیں حضور اقدس ﷺ کے وصال پر حیرانگی ہوئی، گویا کہ انہوں نے آپ کیلئے دو صفتیں ثابت کیں (۱) رسالت (۲) موت کا نہ آنا، اللہ تعالی نے وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ فرما کے حضور اقدس ﷺ کی صفت رسالت پر قصر کر دیا کہ آپ صرف رسول ہیں اِلٰـہ نہیں ہیں کہ آپ ﷺ موت سے بری ہوں لہذا آپ ﷺ کے وصال سے تمہیں حیرانگی اور پریشانی نہیں ہونی چاہیے لہذا آپ ﷺ پر موت کا طاری ہونا ممکن ہے۔

وَالْقَصْرُ الْاِضَافِيُّ يَنْقَسِمُ بِاِعْتِبَارِ حَالِ الْمُخَاطَبِ اِلٰى ثَلَاثَةِ اَقْسَامٍ قَصْرِ اِفْرَادٍ اِذَا اعْتَقَدَ الْمُخَاطَبُ الشِّرْكَةَ وَقَصْرُ قَلْبٍ اِذَا اعْتَقَدَ الْعَكْسَ وَقَصْرُ تَعْيِيْنٍ اِذَا اعْتَقَدَ وَاحِدًا غَيْرَ مُعَيَّنٍ

وَلِلْقَصْرِ طُرُقٌ مِّنْهَا النَّفْيُ وَالْاِسْتِثْنَآءُ نَحْوُ "اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ" وَمِنْهَا اِنَّمَا نَحْوُ اِنَّمَا الْفَاهِمُ عَلِيٌّ وَمِنْهَا الْعَطْفُ بِلَا اَوْ بَلْ اَوْ لٰكِنْ نَحْوُ اَنَا نَاثِرٌ لَا نَاظِمٌ، وَمَا اَنَا حَاسِبٌ بَلْ كَاتِبٌ، وَمِنْهَا تَقْدِيْمُ مَا حَقُّهُ التَّاخِيْرُ نَحْوُ اِيَّاكَ نَعْبُدُ

ترجمہ: اور قصر اضافی مخاطب کے حال کے اعتبار سے منقسم ہوتا ہے تین قسموں کی طرف، قصر افراد، جب مخاطب شرکت کا اعتبار رکھے اور قصر قلب، جب مخاطب متکلم کے حکم کے عکس کا اعتقاد رکھے اور قصر تعیین، جب کسی ایک فرد غیر معین کا اعتقاد رکھے۔

قصر کے کئی طریقے ہیں ان میں سے ایک نفی اور استثناء ہے اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ نہیں یہ کوئی مگر بزرگ فرشتہ، اور طریقوں میں سے انما جیسے اِنَّمَا الْفَاهِمُ عَلِیٌّ سمجھدار تو صرف علی ہے اور طریقوں میں سے لَا یا بَلْ یا لٰكِنْ کے ساتھ عطف کرنا ہے جیسے اَنَا نَاثِرٌ لَا نَاظِمٌ میں نثر کرنے والا ہوں نظم کہنے والا نہیں ہوں اور مَا اَنَا حَاسِبٌ بَلْ كَاتِبٌ میں حساب جاننے والا نہیں ہوں بلکہ کاتب ہوں، اور طریقوں میں سے اس چیز کو مقدم کر دینا جس کا حق مؤخر کرنے کا تھا جیسے اِيَّاكَ نَعْبُدُ اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔

تجزیہ عبارت: مذکورہ عبارت میں مصنف ؒ نے قصر اضافی کی تین قسمیں، قصر افراد، قصر قلب اور قصر تعیین کو بیان کرنے کے بعد طرقِ قصر کو مثالوں کے ساتھ واضح کیا ہے۔

تشریح: قوله وَالْقَصْرُ الْاِضَافِيُّ يَنْقَسِمُ بِاعْتِبَارِ الخ

قصر اضافی کی تین قسمیں

یہاں سے مصنف ؒ فرماتے ہیں قصر اضافی کی مخاطب کے حال کے اعتبار سے تین قسمیں ہیں (۱) قصر افراد (۲) قصر قلب (۳) قصر تعیین

(۱) **قصر افراد:** قصر افراد یہ ہے کہ مخاطب دو چیزوں کو کسی ایک امر میں شریک سمجھتا ہو تو متکلم شرکت کے گمان کو ختم کر کے حکم کو ایک چیز پر منحصر کر دے یعنی مخاطب شرکت کا گمان رکھتا ہو متکلم ایک کے ساتھ خاص کر دے جیسے مَا قَائِمٌ اِلَّا خَالِدٌ صرف خالد ہی کھڑا ہے یہ اس شخص کیلئے کہا جاتا ہے جو یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ خالد اور عمرو دونوں کھڑے ہیں تو متکلم نے خالد پر کھڑے ہونے کا قصر کر کے شرکت کے اعتقاد کو ختم کر دیا ہے۔

(۲) **قصر قلب:** قصر قلب یہ ہے کہ مخاطب متکلم کے حکم کے خلاف سمجھتا ہو جیسے مخاطب یہ اعتقاد

رکھتا ہو کہ صرف عمرو ہی کھڑا ہے تو متکلم یوں کہے گا مَا قَائِمٌ اِلَّا زَیْدٌ کہ صرف زید ہی کھڑا ہے اور زید کے کھڑے ہونے کا حکم مخاطب کے اعتقاد کے بالکل برعکس ہے یعنی قصر قلب میں ہوتا ہے کہ مخاطب جس کا خیال اور گمان رکھتا ہے متکلم اس حکم کی نفی کر کے دوسرا حکم ثابت کرتا ہے۔

(۳) **قصر تعیین:** مخاطب دو چیزوں کے درمیان متردد ہو تو متکلم ایک چیز کو متعین کر دے یعنی مخاطب حکم تو جانتا ہے لیکن تعیین محکوم علیہ مخاطب کو حاصل نہیں تو متکلم محکوم علیہ کو متعین کر دے جیسے مخاطب کو یہ تردد ہو کہ خالد کھڑا ہے یا عمرو کھڑا ہے لیکن اتنا جانتا ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک کھڑا ہے تو متکلم یوں کہے مَا قَائِمٌ اِلَّا زَیْدٌ تو متکلم نے خالد کے کھڑے ہونے کو متعین کر دیا یہی قصر تعیین ہے۔

طرقِ قصر

قولہ وَلِلْقَصْرِ طُرُقٌ الخ

یہاں سے مصنفؒ قصر کے طریقوں کو بیان کرتے ہیں قصر کے چار مشہور طریقے ہیں

قصر کا پہلا طریقہ نفی اور استثناء: کلام میں قصر پیدا کرنا نفی اور استثناء سے، نفی عام ہے چاہے لیس سے ہو یا ما سے یا اِنْ نافیہ سے یا کسی اور حرف نفی سے، اسی طرح استثناء الا سے ہو یا دوسرے حروف استثناء سے جیسے اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ نہیں ہے یہ کوئی مگر بزرگ فرشتہ اس مثال میں اِنْ نافیہ ہے اس کے بعد اِلَّا سے استثناء کیا گیا ہے اس صورت میں مقصور علیہ حرف استثناء کے بعد ہو گا یعنی یہ بزرگ فرشتہ ہی ہے۔

قصر کا دوسرا طریقہ اِنَّمَا کا استعمال: قصر کا دوسرا طریقہ اِنَّمَا کا استعمال ہوتا ہے کلمہ انما یہ قصر کا فائدہ دیتا ہے جیسے اِنَّمَا الْفَاهِمُ عَلِیٌّ سمجھنے والا تو علی ہی ہے اس طریقے میں مقصور علیہ وجوباً مؤخر ہے۔

قصر کا تیسرا طریقہ لا یا بل یا لکن کے ذریعے عطف:

قصر کا تیسرا طریقہ لَا یا بَلْ یا لٰکِنْ کے ذریعے عطف کرنا ہے جیسے اَنَا نَاثِرٌ لَا نَاظِمٌ میں نثر کہنے والا ہوں نظم کہنے والا نہیں ہوں یہ لا کے ذریعے عطف کی مثال ہے اور جیسے مَا اَنَا حَاسِبٌ بَلْ کَاتِبٌ میں حساب جاننے والا نہیں ہوں بلکہ کاتب ہوں یہ بل کے ذریعے عطف کی مثال ہے اور جیسے مَا اَنَا طَامِعٌ لٰکِنْ قَانِعٌ میں حریص نہیں ہوں لیکن قناعت کرنے والا ہوں یہ لکن کے ذریعے عطف کی مثال ہے۔

قصر کا چوتھا طریقہ تقدیم ماحقہ التاخیر:

قصر کا چوتھا طریقہ یہ ہے کہ اس چیز کو مقدم کر دیا جائے جس کو مؤخر ہونا چاہیے جیسے اِيَّاكَ نَعْبُدُ یا اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اس مثال میں اِيَّاكَ مفعول کو نَعْبُدُ فعل پر مقدم کیا حالانکہ مفعول بہ فعل کے بعد آتا ہے تو قصر اور تخصیص پیدا کرنے کیلئے مفعول کو فعل سے مقدم کیا گیا ہے۔

اَلْبَابُ السَّابِعُ فِی الْوَصْلِ وَالْفَصْلِ

اَلْوَصْلُ عَطْفُ جُمْلَةٍ عَلٰی اُخْرٰی وَالْفَصْلُ تَرْكُهٗ وَالْكَلَامُ هٰهُنَا قَاصِرٌ عَلَی الْعَطْفِ بِالْوَاوِ لِاَنَّ الْعَطْفَ بِغَيْرِهَا لَا يَقَعُ فِيْهِ اِشْتِبَاهٌ وَلِكُلٍّ مِّنَ الْوَصْلِ بِهَا وَالْفَصْلِ مَوَاضِعُ. مَوَاضِعُ الْوَصْلِ بِالْوَاوِ يَجِبُ الْوَصْلُ فِیْ مَوَاضِعَيْنِ اَلْاَوَّلُ اِذَا اتَّفَقَتِ الْجُمْلَتَانِ خَبَرًا اَوْ اِنْشَآءً وَكَانَ بَيْنَهُمَا جِهَةٌ جَامِعَةٌ اَیْ مُنَاسِبَةٌ تَامَّةٌ وَلَمْ يَكُنْ مَّانِعٌ مِّنَ الْعَطْفِ نَحْوُ ''اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِيْمٍ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِيْمٍ'' وَنَحْوُ ''فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّ لْيَبْكُوْا كَثِيْرًا''

اَلثَّانِیْ اِذَا اَوْهَمَ تَرْكُ الْعَطْفِ خِلَافَ الْمَقْصُوْدِ كَمَا اِذَا قُلْتَ لَا وَشَفَاهُ اللّٰهُ جَوَابًا لِمَنْ يَّسْاَلُكَ هَلْ بَرِیءَ عَلِیٌّ مِّنَ الْمَرَضِ فَتَرْكُ الْوَاوِ يُوْهِمُ

الدُّعَآءَ عَلَيْهِ وَغَرَضُكَ الدُّعَآءَ لَهٗ

مَوَاضِعُ الْفَصْلِ يَجِبُ الْفَصْلُ فِیْ خَمْسَةِ مَوَاضِعَ اَلْاَوَّلُ اَنْ يَّكُوْنَ بَيْنَ الْجُمْلَتَيْنِ اِتِّحَادٌ تَامٌّ بِاَنْ تَكُوْنَ الثَّانِيَةُ بَدَلًا مِّنَ الْاُوْلٰى نَحْوُ "اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ" اَوْ بِاَنْ تَكُوْنَ بَيَانًا لَهَا نَحْوُ "فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا اٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ" اَوْ بِاَنْ تَكُوْنَ مُؤَكِّدَةً لَّهَا نَحْوُ" فَمَهِّلِ الْكَافِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا" وَيُقَالُ فِیْ هٰذَا الْمَوْضَعِ اِنَّ بَيْنَ الْجُمْلَتَيْنِ كَمَالَ الْاِتِّصَالِ

اَلثَّانِیْ اَنْ يَّكُوْنَ بَيْنَ الْجُمْلَتَيْنِ تَبَايُنٌ تَامٌّ بِاَنْ يَّخْتَلِفَا خَبَرًا اَوْ اِنْشَآءً كَقَوْلِهٖ

وَقَالَ رَآئِدُهُمْ اَرْسُوْا نُزَاوِلُهَا ☆ فَحَتْفُ كُلِّ امْرِئٍ يَّجْرِیْ بِمِقْدَارٍ

اَوْ بِاَنْ لَّا يَكُوْنَ بَيْنَهُمَا مُنَاسَبَةٌ فِی الْمَعْنٰى كَقَوْلِكَ عَلِیٌّ كَاتِبٌ، اَلْحَمَامُ طَائِرٌ، فَاِنَّهٗ لَامُنَاسَبَةَ فِی الْمَعْنٰى بَيْنَ كِتَابَةِ عَلِیٍّ وَّطَيَرَانِ الْحَمَامِ وَيُقَالُ فِیْ هٰذَا الْمَوْضَعِ اِنَّ بَيْنَ الْجُمْلَتَيْنِ كَمَالَ الْاِنْقِطَاعِ

ساتواں باب وصل اور فصل کے بیان میں

ترجمہ: وصل ایک جملے کا دوسرے جملے پر عطف کرنا ہے اور فصل عطف کا چھوڑ دینا ہے اور بحث یہاں صرف عطف بالواو کے متعلق ہے کیونکہ واو کے علاوہ دوسرے حروف کے ذریعے جو عطف ہوتا ہے اس میں کسی طرح کا اشتباہ واقع نہیں ہوتا اور واو کے ذریعے ہر وصل اور فصل کے الگ الگ مواضع ہیں۔

واو کے ذریعے وصل کے مواقع دو جگہوں میں وصل ضروری ہے۔

اول جگہ جب دونوں جملے خبر یا انشاء ہونے میں یکساں ہوں اور ان دونوں کے درمیان کوئی وجہ جامع ہو یعنی مناسبت تامہ ہو اور عطف سے کوئی چیز مانع بھی نہ ہو جیسے اِنَّ الْاَبْرَارَ

لَفِیْ نَعِیْمٍ الخ بیشک نیک لوگ جنت میں ہونگے اور بیشک بدکار لوگ جہنم میں ہونگے اور جیسے فَلْیَضْحَکُوْا قَلِیْلًا وَّلْیَبْکُوْا کَثِیْرًا پس چاہیے کہ کم ہنسیں اور زیادہ روئیں۔

دوسری جگہ جب ترک عطف سے خلاف مقصود کا وہم ہو جیسے جب تم نے کہا "لا" وَشَفَاهُ اللّٰهُ نہیں اور اللہ تعالی اسے شفا دے اس شخص کے جواب میں جو تم سے سوال کرے کیا علی بیماری سے شفا پا گیا، تو واؤ کو چھوڑ دینا بدعا کا وہم پیدا کرتا ہے جبکہ تمہارا مقصد اسکو دعا دینا ہے

مواقع فصل

پانچ جگہوں میں فصل واجب ہے

اول جگہ کہ دو جملوں کے درمیان کامل اتحاد ہو اس طریقے سے کہ دوسرا جملہ پہلے جملے سے بدل واقع ہو جیسے اَمَدَّکُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ الخ اللہ تعالی نے تمہاری مدد کی ہے ایسی چیزوں سے جن کو تم جانتے ہو اس نے مدد کی تمہاری چوپاؤں اور بیٹوں سے یا دوسرا جملہ پہلے کیلئے بیان واقع ہو جیسے فَوَسْوَسَ اِلَیْهِ الشَّیْطَانُ الخ پھر شیطان نے انہیں بہکایا کہنے لگا اے آدم کیا میں تم کو ہیشگی کا درخت بتلا دوں یا دوسرا جملہ پہلے کیلئے تاکید واقع ہو جیسے فَمَهِّلِ الْکَافِرِیْنَ الخ آپ چھوڑ دیجئے کافروں کو، انکو مہلت دیجئے، اس مقام میں کہا جاتا ہے کہ دونوں جملوں کے درمیان کمال اتصال ہے۔

دوسری جگہ کہ دونوں جملوں کے درمیان کامل تباین ہو، بایں طور کہ دونوں مختلف ہوں خبر اور انشاء کے اعتبار سے جیسے شاعر کا قول وَقَالَ رَائِدُهُمْ الخ ان کے سردار نے کہا تم ٹھہر جاؤ ہم دشمن کا مقابلہ کریں گے، کیونکہ ہر شخص کی موت حکم الہی ہی سے واقع ہوتی ہے۔

یا اس طرح کہ دونوں جملوں کے درمیان کسی طرح کی معنوی مناسبت بھی نہ ہو جیسے تمہارا قول عَلِیٌّ کَاتِبٌ الخ ہے کہ علی کاتب ہے کبوتر اڑنے والا ہے کیونکہ علی کی کتابت اور کبوتر کی اُڑان کے درمیان کسی طرح کی معنوی مناسبت نہیں ہے اور اس مقام میں کہا جاتا ہے کہ دونوں جملوں کے درمیان کمال انقطاع ہے۔

تجزیہ عبارت: مذکورہ عبارت میں صاحب کتابؒ نے وصل اور فصل کی تعریف کرنے کے بعد مواضع وصل کو بیان کیا ہے اور مواضع فصل میں سے دو جگہوں کو بیان کیا ہے۔

تشریح: قولہ اَلْوَصْلُ عَطْفُ جُمْلَةٍ الخ

وصل اور فصل کا بیان

اس ساتویں باب میں مصنفؒ وصل اور فصل کے متعلق بیان فرما رہے ہیں کہ کہاں دو جملوں کے درمیان کے وصل ہوگا اور کہاں فصل ہوگا۔

وصل کی تعریف: وصل کا لغوی معنی ہے ملانا، جمع کرنا جیسے محاورے میں کہا جاتا ہے وَصَلَ الشَّیْئَ بِالشَّیْئِ اس نے شے کو شے کیساتھ ملایا اور وصل کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ ایک جملے کو دوسرے جملے کے ساتھ بذریعہ حرف عطف ملایا جائے جیسے زَیْدٌ یَّکْتُبُ وَ یَشْعُرُ اس مثال میں یَکْتُبُ معطوف علیہ ہے اور یَشْعُرُ معطوف ہے ان دونوں جملوں میں واؤ عاطفہ کے ذریعے وصل کیا گیا ہے۔

فصل کی تعریف: فصل کا لغوی معنی جدا کرنا، قطع کرنا، ممتاز کرنا اور علیحدہ کرنا ہے جیسے محاورے میں کہا جاتا ہے فَصَلَ بَیْنَهُمَا اس نے دو چیزوں کے درمیان جدائی کر دی اور رکاوٹ پیدا کر دی اور جیسے کہا جاتا ہے فَصَلَ الْوَلَدَ عَنِ الرَّضَاعِ اس نے جدا کر دیا بچہ کو دودھ سے اور بچہ کا دودھ چھڑا دیا۔

اور فصل کی اصطلاحی تعریف یہ کہ ایک جملے کا دوسرے جملے پر عطف نہ کیا جائے یعنی عطف کو چھوڑ دیا جائے جیسے اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُوْنَ اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ میں فصل ہے کیونکہ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُوْنَ الگ جملہ ہے اور اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ الگ جملہ ہے اور

ان دونوں کے درمیان حرف عطف نہیں ہے۔

قولہ وَالْكَلَامُ هٰهُنَا قَاصِرٌ الخ

وصل میں بحث صرف عطف بالواو کے متعلق ہے

یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ حروف عاطفہ تو دس ہیں ان میں سے ہر ایک کے ذریعے ایک جملے کا دوسرے جملے پر عطف ہوسکتا ہے لیکن یہاں پر بحث صرف عطف بالواو کے متعلق ہوگی کیونکہ واؤ کے علاوہ دوسرے حروف عاطفہ سے عطف کرنے سے کوئی اشتباہ نہیں ہوتا، اس لئے کہ وہ حروف دو چیزوں کے درمیان ربط دینے کے ساتھ ساتھ دوسرے مختلف معنوں کا فائدہ دیتے ہیں مثلاً فاء اور ثُمَّ وغیرہ دو چیزوں کے درمیان ربط دینے کے علاوہ تعقیب اور مہلت وغیرہ کا بھی معنی دیتے ہیں حروف عاطفہ میں سے صرف واؤ ہی کے ذریعے اشتباہ ہوتا ہے اس لئے کہ یہ صرف اشتراک کا فائدہ دیتی ہے دوسرا کوئی اس کا معنی نہیں ہوتا اس لئے بحث کو صرف واؤ پر ہی منحصر کیا ہے آگے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ واؤ کے ذریعے عطف کرنے اور ترک عطف میں یعنی وصل اور فصل کے کچھ مواقع ہیں اور واؤ کے ذریعے وصل دو جگہوں میں واجب ہے۔

قولہ اَلْاَوَّلُ اِذَا اتَّفَقَتِ الْجُمْلَتَانِ الخ

وصل کی دو وجوبی جگہیں

پہلی جگہ: جب دونوں جملے خبریہ یا انشائیہ ہونے میں موافق ہوں اور ان دونوں کے درمیان کوئی وجہ جامع ہو یعنی ان دونوں میں پوری مناسبت ہو اور عطف سے کوئی چیز مانع بھی نہ ہو پھر ان دونوں جملوں کے درمیان وصل واجب ہے جیسے اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ وَ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ بیشک نیک لوگ جنت میں ہوں گے اور بدکار لوگ جہنم میں ہونگے اس آیت میں دونوں جملوں میں واؤ کے ذریعے وصل کیا گیا ہے کیونکہ دونوں جملے خبریہ ہیں اور دونوں کے مسند الیہ یعنی

اَبْرَارَ اور فُجَّارَ کے درمیان وجہ جامع نسبت تضاد ہے اسی طرح نعیم اور جحیم میں نسبت تضاد وجہ جامع ہے اوران کے درمیان کوئی ایسا مانع نہیں جو عطف کو روکتا ہو۔

اسی طرح فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلاً وَّلْيَبْكُوا كَثِيرًا پس چاہیے کہ وہ تھوڑا ہنسیں اور زیادہ روئیں، اس آیت میں دونوں جملوں کے درمیان وصل ہے کیونکہ دونوں جملے انشائیہ ہیں اور وجہ جامع الضحک ،اور البکاء، میں نسبت تضاد ہے اور وصل سے کوئی چیز مانع بھی نہیں۔

دوسری جگہ: کبھی وصل یعنی عطف کرنا اس لئے بھی ضروری ہوتا ہے کہ عطف نہ کرنے کی صورت میں خلاف مقصود کا وہم ہو جاتا ہے اس وہم کو دور کرنے کیلئے عطف کرنا ضروری ہوتا ہے جیسے تم سے کوئی پوچھے کہ علی بیماری سے ٹھیک ہو گیا ہے تم اس کے جواب میں کہو لا، وَشَفَاهُ اللّٰه ''نہیں'' اللہ تعالی اسے شفا دے دیں گے اس مثال میں لَا ایک جملہ ہے اور شَفَاهُ اللّٰه دوسرا جملہ ہے اور کلمہ لَا لَمْ يَبْرَأْ کے معنی میں ہے یہ جملہ خبریہ ہے اور شَفَاهُ اللّٰه یہ جملہ انشائیہ دعائیہ ہے تو یہاں حرف عطف لا کر وصل کرنا ضروری ہے، اگر چہ خبریہ اور انشائیہ ہونے کے اعتبار سے دونوں جملوں میں کمال انقطاع موجب ترک عطف ہے لیکن وہم کو دور کرنے کیلئے عطف کیا گیا ہے کیونکہ ترک عطف کی صورت میں یوں جملہ بن جائے گا لَا شَفَاهُ اللّٰه جس سے سامع دعا کی بجائے بدعا سمجھ لے گا حالانکہ مقصود دعا دینا ہے نہ کہ بدعا دینا۔

قوله مَوَاضِعُ الْفَصْلِ الخ

پانچ جگہوں میں فصل واجب ہے

یہاں سے مصنف ''مواقع فصل کو بیان کرتے ہیں کہ کن جگہوں میں فصل واجب ہے چنانچہ فرمایا کہ پانچ جگہیں ایسی ہیں جہاں حرف عطف نہ لا کر فصل کرنا واجب ہے۔

قوله اَلْاَوَّلُ اَنْ يَّكُونَ بَيْنَ الْجُمْلَتَيْنِ الخ

مواقع فصل پہلی جگہ: جب دونوں جملوں کے درمیان کمال اتصال ہو اس طرح پر کہ دوسرا جملہ پہلے جملے کا بدل واقع ہو جیسے اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّ بَنِيْنَ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ان چیزوں سے مدد کی جن کو تم جانتے ہو مدد کی ہے تمہاری مویشی اور بیٹوں کے ذریعے، اس آیت میں دوسرا جملہ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّ بَنِيْنَ یہ پہلے جملے کا بدل ہے بدل لانے کی وجہ یہ ہے کہ پہلا جملہ پوری طرح مراد کو ادا نہیں کرتا بلکہ اس میں کچھ کمی ہے لہذا دوسرا جملہ بدل بنا کر لایا گیا ہے تاکہ پوری طرح مراد واضح ہو جائے اور ساتھ ہی اہتمام شان پر بھی دلالت ہو جائے جیسے اس آیت . اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ میں، اس آیت کا مقصد بندوں کو اللہ تعالیٰ کے انعامات پر متنبہ کرنا ہے اور چونکہ تنبہ فی نفسہ مقصود ہے اس وجہ سے مقام اس اہتمام کا مقتضی ہے جس پر پہلے جملے کی دلالت اجمالی اور دوسرے جملے تفصیلی ہے اس لئے دونوں جملوں میں فصل کر کے وَاَمَدَّكُمْ نہیں کہا گیا۔

یا دونوں جملوں کے درمیان کمال اتصال اس طرح پایا جائے کہ دوسرا جملہ پہلے جملے کا بیان ہو جیسے فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا اٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ پس شیطان نے ان کی طرف وسوسہ ڈالا کہنے لگا اے آدم کیا میں تم کو ہمیشگی کا درخت بتلا دوں، اس آیت میں فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطَانُ پہلا جملہ ہے اور قَالَ اٰدَمُ هَلْ الخ دوسرا جملہ ہے چونکہ پہلا جملہ مراد ادا کرنے میں خفی ہے کہ بہکانے کا انداز کیا تھا اس لئے بذریعے جملہ ثانیہ قَالَ يَا اٰدَمُ الخ بیان لایا گیا اس لئے دونوں جملوں میں فصل لایا گیا ہے۔

یا دونوں جملوں کے درمیان اتصال اس طرح ہو کہ دوسرا جملہ پہلے جملے کی تاکید ہو جیسے فَمَهِّلِ الْكَافِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا پس آپ مہلت دیں کافروں کو، مہلت دیں ان کو تھوڑی سی اس آیت میں دوسرا جملہ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا پہلے جملہ کی تاکید ہے اور دونوں جملوں کا مقصد ایک ہی ہے اسی وجہ سے دونوں جملوں کے درمیان واؤ عاطفہ نہیں لائی گئی اور یاد رکھو اس مقام میں کہا جاتا ہے کہ دونوں جملوں کے درمیان کمال اتصال ہے۔

قوله اَلثَّانِیُ اَنْ یَّکُوْنَ بَیْنَ الْجُمْلَتَیْنِ الخ

مواقع فصل کی دوسری جگہ

دوسری جگہ دونوں جملوں کے درمیان فصل واقع ہونے کی یہ ہے کہ دونوں جملوں کے درمیان کامل تباین ہو اس طرح پر کہ خبری اور انشائی ہونے کے لحاظ سے مختلف ہوں یعنی اول اگر جملہ خبریہ ہے تو دوسرا جملہ انشائیہ ہو یا اس کے برعکس ہو جیسے شاعر کا قول

شعر وَقَالَ رَائِدُهُمْ اَرْسُوْا نُزَاوِلُهَا ☆ فَحَتْفُ کُلِّ امْرِئٍ یَّجْرِیْ بِمِقْدَارٖ

شعر کی تشریح: رَائِدٌ کی جمع رُوَّادٌ اور رَادَةٌ آتی ہے بمعنی قوم کا سردار مقدمۃ الجیش کا لیڈر اور سردار، اَرْسُوْا صیغہ جمع مذکر حاضر، بحث امر حاضر معروف از باب افعال بمعنی ٹھہرنا ثابت ہونا، نُزَاوِلُ صیغہ جمع متکلم بحث اثبات فعل مضارع معروف از باب مفاعلہ بمعنی مقابلہ کرنا کوشش کرنا، حَتْفٌ بمعنی موت جیسے محاورے میں کہا جاتا ہے مَاتَ حَتْفَ اَنْفِهٖ وہ اپنی موت مرا یَجْرِیْ صیغہ واحد مذکر غائب بحث اثبات فعل مضارع معروف از باب ضرب بمعنی جاری ہونا، واقع ہونا۔

شعر کا مطلب: اور فوج کے سردار نے کہا تم ٹھہر جاؤ ہم دشمن کا مقابلہ کریں موت سے کیوں ڈریں جبکہ ہر دشمن کی موت حکم الٰہی کے مطابق واقع ہوتی ہے۔

محل استشہاد: اس شعر میں محل استشہاد اَرْسُوْا اور نُزَاوِلُهَا ہے کہ ان دونوں کے درمیان فصل کیا ہے اسلئے اَرْسُوْا صیغہ امر ہونے کی وجہ سے لفظاً اور معناً دونوں اعتبار سے انشائیہ ہے اور دوسرا جملہ نُزَاوِلُهَا لفظاً اور معناً دونوں اعتبار سے خبریہ ہے تو دونوں جملے خبریہ اور انشائیہ ہونے کے اعتبار سے مختلف ہیں اور یہی کمال انقطاع جو وصل سے مانع ہے اور فصل کو واجب کرتا ہے۔

یا دو جملوں کے درمیان فصل واقع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دونوں جملوں کے درمیان کسی طرح کی معنوی مناسبت بھی نہ ہو جیسے تمہارا قول عَلِیٌّ کَاتِبٌ ، اَلْحَمَامُ طَائِرٌ علی کاتب ہے اور کبوتر اڑنے والا ہے اس مثال میں اگرچہ دونوں جملے خبریہ ہی ہیں لیکن اس کے باوجود عطف نہیں کیا گیا اور دونوں میں فصل کیا گیا ہے کیونکہ علی کی کتابت اور کبوتر کی اڑان میں کسی طرح کی معنوی مناسبت موجود نہیں ہے ہر ایک جملہ اپنا اپنا مفہوم الگ الگ ادا کر رہا ہے ایسی جگہ میں دو جملوں کے درمیان کمال انقطاع ہوتا ہے جو فصل کو واجب قرار دیتا ہے۔

اَلثَّالِثُ کَوْنُ الْجُمْلَةِ الثَّانِيَةِ جَوَابًا عَنْ سَوَالٍ نَشَأَ مِنَ الْجُمْلَةِ الْاُوْلٰى كَقَوْلِهٖ

زَعَمَ الْعَوَاذِلُ اَنَّنِیْ فِیْ غَمْرَةٍ　☆　صَدَقُوْا وَلٰكِنْ غَمْرَتِیْ لَا تَنْجَلِیْ

كَـاَنَّـهٗ قِيْـلَ اَصَـدَقُـوْا فِیْ زَعْمِهِمْ اَمْ كَذَبُوْا فَقَالَ صَدَقُوْا يُقَالُ بَيْنَ الْجُمْلَتَيْنِ شِبْهُ كَمَالِ الْاِتِّصَالِ

اَلـرَّابِـعُ اَنْ تَسْبِقَ جُـمْـلَةٌ بِـجُـمْـلَتَيْـنِ يَصِحُّ عَطْفُهَا عَلٰى اَحَدِهِمَا لِـوُجُـوْدِ الْـمُـنَـاسَبَةِ وَفِـیْ عَـطْـفِهَا عَلَى الْاُخْرٰى فَسَادٌ فَيُتْرَكُ الْعَطْفُ دَفْعاً لِلْوَهْـمِ كَقَوْلِهٖ

وَتَظُنُّ سَلْمٰى اَنَّنِیْ اَبْغِیْ بِهَا　☆　بَدَلًا اُرَاهَا فِی الضَّلَالِ تَهِيْمُ

فَـجُـمْلَةُ "اُرَاهَا" يَصِحُّ عَطْفُهَا عَلٰى "تَظُنُّ" لٰكِنْ يَّمْنَعُ مِنْ هٰذَا تَوَهُّمُ الْعَطْفِ عَـلٰـى جُـمْـلَةِ "اَبْغِیْ بِهَا" فَتَكُوْنُ الْجُمْلَةُ الثَّالِثَةُ مِنْ مَّظْنُوْنَاتِ سَلْمٰى مَعَ اَنَّهٗ لَيْسَ مُرَادًا يُقَالُ بَيْنَ الْجُمْلَتَيْنِ فِیْ هٰذَا الْمَوْضَعِ شِبْهُ كَمَالِ الْاِنْقِطَاعِ

اَلْـخَـامِـسُ اَنْ لَّا يُـقْـصَدَ تَشْرِيْكُ الْجُمْلَتَيْنِ فِی الْحُكْمِ لِقِيَامِ مَانِعٍ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى "وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيَاطِيْنِهِمْ قَالُوْا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُوْنَ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ" فَجُمْلَةُ "اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ" لَا يَصِحُّ عَطْفُهَا عَلٰى "اِنَّا مَـعَـكُـمْ" لِاقْتِـضَـائِـهٖ اَنَّهٗ مِنْ مَقُوْلِهِمْ وَلَا عَلٰى جُمْلَةِ "قَالُوْا" لِاقْتِضَائِهٖ اَنَّ

اِسْتِهْزَاءَ اللّٰهِ بِهِمْ مُقَيَّدٌ بِحَالِ خُلُوِّهِمْ اِلٰى شَيَاطِيْنِهِمْ وَيُقَالُ بَيْنَ الْجُمْلَتَيْنِ فِيْ هٰذَا الْمَوَاضِعِ تَوَسُّطٌ بَيْنَ الْكَمَالَيْنِ

ترجمہ: تیسری جگہ مقام فصل کی یہ ہے کہ دوسرا جملہ اس سوال کا جواب ہو جو پہلے جملے سے پیدا ہوا ہو جیسا کہ شاعر کا یہ قول زَعَمَ الْعَوَاذِلُ الخ

ملامت کرنے والوں نے یہ گمان کیا کہ میں ایک مصیبت میں مبتلا ہوں انہوں نے سچا گمان کیا لیکن میری مصیبت دور ہونے والی نہیں، گویا کہ کہا گیا کہ وہ لوگ اپنے گمان میں سچے ہیں یا جھوٹے تو شاعر نے کہا کہ وہ لوگ سچے ہیں اور کہا جاتا ہے دونوں جملوں کے درمیان شبہ کمال اتصال ہے۔

چوتھی جگہ مقام فصل کی یہ ہے کہ دو جملوں سے پہلے ایک جملہ ہو اور اس ایک جملے کا عطف کرنا ان دونوں میں سے ایک پر صحیح ہو مناسبت کے پائے جانے کی وجہ سے اور دوسرے پر عطف کرنے میں فساد ہو پس وہم کو دور کرنے کیلئے عطف کو چھوڑ دیا جائے گا جیسے شاعر کا قول وَتَظُنُّ سَلْمٰى الخ سلمٰی گمان کرتی ہے کہ میں اسکے بدلے کسی اور محبوبہ کو چاہتا ہوں میں اسکو سمجھتا ہوں کہ وہ گمراہی میں بھٹک رہی ہے، پس جملہ اُرَاهَا کا تَظُنُّ پر عطف کرنا صحیح ہے لیکن اس عطف کو اس عطف کا وہم روک رہا ہے جو جملہ اَبْغِیْ پر ہوتا ہے پس جملہ ثالثہ اُرَاهَا بھی سلمٰی کے مظنونات میں سے ہو جائے گا حالانکہ جملے کا مظنوناتِ سلمٰی سے ہونا مقصود نہیں اور کہا جاتا ہے دونوں جملوں کے درمیان اس جگہ میں شبہ کمال انقطاع ہے۔

پانچویں جگہ مقام فصل کی یہ ہے کہ دو جملوں کو کسی ایک حکم میں شامل کرنے کا ارادہ نہ کیا جائے مانع کے پائے جانے کی وجہ سے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيَاطِيْنِهِمْ قَالُوْا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُوْنَ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ جب وہ تنہائی میں ہوتے ہیں اپنے شریر سرداروں کے پاس تو کہتے ہیں کہ بیشک ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو صرف استہزاء کرتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی ان سے استہزاء کرتا ہے تو اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ کے جملے کا عطف کرنا

اِنَّا مَعَکُمْ پر صحیح نہیں کیونکہ یہ عطف چاہتا ہے کہ اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ منافقین کا مقولہ ہو جائے حالانکہ کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

اسی طرح اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ کا عطف قَالُوْا پر بھی صحیح نہیں اس لئے کہ اس کا عطف کا اقتضاء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا استہزاء ان منافقین کے ساتھ اس حال سے مقید ہو کہ وہ اپنے سرداروں کے ساتھ تنہائی میں ہوں اور ایسی جگہ کہا جاتا ہے دونوں جملوں کے درمیان توسط بین الکمالین ہے۔

تجزیہ عبارت: مذکورہ عبارت میں مصنفؒ نے مواقع فصل میں سے تیسری، چوتھی اور پانچویں جگہ کو بیان فرما رہے ہیں کہ ان جگہوں میں فصل اور ترک عطف واجب ہے۔

قولہ کَوْنُ الْجُمْلَةِ الثَّانِيَةِ جَوَابًا الخ

مواقع فصل کی تیسری جگہ

ماقبل میں مصنفؒ نے فرمایا تھا مواقع فصل پانچ ہیں ان میں سے دو کا بیان ہو چکا اب یہاں سے تیسری جگہ کو بیان کر رہے ہیں کہ جہاں دو جملوں کے درمیان فصل اور ترک عطف واجب ہو وہ یہ ہے کہ دوسرا جملہ اس سوال کا جواب ہو جو پہلے جملہ سے پیدا ہوا ہے چونکہ سوال اور جواب میں شائبہ اتصال کا ہوتا ہے وہ اس طرح کہ سوال جواب کو مستلزم اور جواب سوال کو مستلزم ہوتا ہے اس شائبہ اتصال کی وجہ سے فصل اور ترک عطف واجب ہے جیسے شاعر کے اس قول میں

شعر زَعَمَ الْعَوَاذِلُ اَنَّنِیْ فِیْ غَمْرَةٍ ☆ صَدَقُوْا وَلٰکِنْ غَمْرَتِیْ لَا تَنْجَلِیْ

شعر کی تشریح: زَعَمَ صیغہ واحد مذکر غائب بحث اثبات فعل ماضی معروف از باب نصر بمعنی گمان کرنا، عَوَاذِلُ جمع ہے عَاذِلَةٌ کی بمعنی ملامت کرنے والیاں لیکن یہ جَمَاعَةٌ عَاذِلَةٌ کی تاویل میں ہے کیونکہ صَدَقُوْا مذکر کا صیغہ ہے بمعنی ملامت کرنے والے غَمْرَةٌ اس کی جمع

غُمَرٌ، غِمَارٌ، غَمَرَاتٌ آتی ہے بمعنی مصیبت اور شدت، صَدَقُوْا صیغہ جمع مذکر غائب بحث اثبات فعل ماضی معروف از باب نصر بمعنی سچ بولنا لَا تَنْجَلِیْ صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث اثبات فعل مضارع معروف، از باب انفعال جیسے محاورہ ہے اِنْجَلَی الْهَمُّ عَنْ قَلْبِیْ میرے دل سے غم دور ہو گیا یہاں یہی معنی ہیں میرا غم دور ہونے والا نہیں ہے۔

شعر کا مطلب: کہ ملامت کرنے والوں نے گمان کیا ہے کہ میں مصیبت میں مبتلا ہوں انہوں نے سچ گمان کیا ہے لیکن میری مصیبت دور ہونے والی نہیں یعنی میرے اندر جو عشق کی بیماری ہے وہ ختم ہونے والی نہیں اور لا علاج ہے۔

محل استشہاد: اس شعر میں محل استشہاد زَعَمَ الْعَوَاذِلُ الخ اور صَدَقُوْا الخ ہے دونوں جملوں میں فصل کیا گیا ہے، کیونکہ یہ جواب ہے پہلے جملہ سے پیدا ہونے والے سوال کا گویا کہ شاعر سے سوال کیا گیا کہ ملامت کرنے والے اپنے گمان میں سچے ہیں یا جھوٹے تو شاعر نے جواب دیا صَدَقُوْا الخ انہوں نے سچ کہا تو گویا دوسرا جملہ پہلے جملہ سے پیدا شدہ سوال کا جواب واقع ہے اور اب سوال اور جواب میں گہرا تعلق اور اتصال ہے اس لئے یہ بعض اعتبار سے کمال اتصال کے مشابہ ہے اس لئے اس کا نام شبہ کمال اتصال رکھا گیا ہے۔

اب یہاں تک تین وجوبی فصل ختم ہو چکے (۱) اتحاد تام (۲) تباین تام (۳) جواب عن السوال

قولہ اَلرَّابِعُ اَنْ تَسْبِقَ جُمْلَةٌ الخ

مواقع فصل کی چوتھی جگہ

جن پانچ جگہوں میں فصل اور ترک عطف واجب ہے ان میں تین جگہیں بیان ہو چکیں اب یہاں سے مصنفؒ چوتھی جگہ کو بیان کر رہے ہیں، کہ دو جملوں سے پہلے ایک جملہ ہو اس پر عطف کرنا بعد والے دونوں جملوں میں سے دوسرے جملے کا اسلئے صحیح ہو کہ انکے درمیان مناسبت

موجود ہے لیکن عطف کرنے میں اس بات کا وہم ہو کہ ممکن ہے کہ اس تیسرے جملے کا دوسرے جملے پر عطف ہو جو مقصود نہیں ہے لہذا اس وہم کو دور کرنے کیلئے جملہ اولی اور جملہ ثالثہ کے درمیان عطف ترک کر دیا جائے گا اور فصل واجب ہوگا۔

شعر وَتَظُنُّ سَلْمٰی اَنَّنِیْ اَبْغِیْ بِهَا بَدْلاً اُرَاهَا فِی الضَّلَالِ تَهِیْمُ

شعر کی تشریح: تَظُنُّ صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث اثبات فعل مضارع معروف، از باب نصر بمعنی گمان کرنا، اَبْغِیْ صیغہ واحد مذکر و مؤنث متکلم، بحث اثبات فعل مضارع معروف، از باب ضرب بمعنی تلاش کرنا، طلب کرنا، اُرٰی صیغہ واحد مذکر و مؤنث متکلم، بحث اثبات فعل مضارع مجہول، از باب فتح بمعنی دیکھنا تَهِیْمُ صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث اثبات فعل مضارع معروف از باب ضرب بمعنی بھٹکنا، پریشان ہونا۔

شعر کا مطلب: اور سلمی یہ گمان کرتی ہے کہ میں اس کے بدلے کسی اور محبوبہ کو ڈھونڈ رہا ہوں میں سمجھتا ہوں کہ وہ گمراہی میں بھٹک رہی ہے۔

محل استشہاد: اس شعر میں محل استشہاد تیسرے جملے اُرَاهَا کا عطف تظن پر درست ہو جاتا ہے اس لئے اگر عطف کے ساتھ وَ اُرَاهَا کہہ دیا جاتا تو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ اُرَاهَا کا عطف تَظُنُّ پر نہیں بلکہ اَبْغِیْ پر ہے اس صورت میں جملہ ثالثہ اُرَاهَا بھی سلمی کے مظنونات میں داخل ہو جاتا تو مطلب یہ بن جائے گا کہ سلمی یہ گمان کرتی ہے کہ میں اس کے بدلے دوسرے کو چاہتا ہوں اور یہ بھی گمان کرتی ہے کہ میں اس کو گمراہی میں بھٹکتی ہوئی خیال کرتا ہوں حالانکہ شاعر کا مقصد یہ ہے کہ سلمی کا یہ گمان کہ میں اس کے مقابلے میں کسی اور کو چاہتا ہوں اس کے اس گمان کے سلسلے میں میرا اپنا خیال یہ ہے کہ وہ گمراہی میں بھٹک رہی ہے لہذا اس خلاف مقصود کے وہم کو دور کرنے کیلئے عطف نہیں کیا جائے گا اور اُرَاهَا بغیر عطف کے ذکر کیا گیا ہے ایسی صورت کو دو جملوں کے درمیان شبہ

کمال انقطاع سے تعبیر کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مانع عطف پر مشتمل ہے اور مانع عطف کی وجہ سے انقطاع ذاتی نہیں اسلئے اسے کمال انقطاع نہیں کہتے بلکہ شبہ کمال انقطاع کہتے ہیں۔

قولہ اَلْخَامِسُ اَنْ لَّا یُقْصَدَ تَشْرِیْكُ الْجُمْلَتَیْنِ الخ

مواقع فصل کی پانچویں جگہ

جن پانچ جگہوں میں فصل اور ترک عطف واجب ہے ان میں سے چار جگہیں بیان ہو چکی اب یہاں سے مصنفؒ پانچویں جگہ کو بیان کرتے ہیں کہ جملہ ثانیہ کو جملہ اولی کے حکم اعرابی میں شریک کرنا مقصود نہ ہو مانع کی وجہ سے، تو اس وقت فصل لازم ہے کیونکہ بصورۃ وصل دونوں جملوں کو ایک حکم میں شامل کرنا لازم آیگا جو خلاف مقصود ہے جیسے وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ قَالُوْا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُوْنَ اللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ اور جب منافقین تنہا ہوتے ہیں اپنے شریر سرداروں کے پاس تو کہتے ہیں کہ بیشک ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو صرف استہزاء کیا کرتے ہیں اللہ تعالی بھی انسے استہزاء کرتے رہتے ہیں اس آیت میں اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ کا عطف اِنَّا مَعَكُمْ پر صحیح نہیں کیونکہ عطف کی صورت میں یہ جملہ اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ منافقین کا مقولہ بن جائے گا حالانکہ یہ اللہ تعالی کا مقولہ ہے اسی طرح اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ کا عطف قَالُوْا پر بھی صحیح نہیں کیونکہ قَالُوْا پر عطف کرنے کی صورت میں اللہ تعالی کا منافقین کے ساتھ استہزاء اس حال سے مقید ہو جائے گا جب منافقین اپنے سرداروں کے ساتھ تنہائی میں ہوتے ہیں حالانکہ یہ استہزاء عام ہے ایسی جگہ میں دو جملوں کے درمیان توسط بین الکمالین ہوتا ہے اس کی وجہ یہ کہ جملہ اولی کا مفہوم جملہ ثانیہ کے مخالف ہونے کی وجہ انقطاع ہے اور وجہ اتصال فی الخبریۃ وجہ جامع موجود ہے اس لئے اتصال ہوا، نہ من کل الوجوہ اتصال پایا گیا، اور نہ کمال انقطاع پایا گیا، اس لئے اس کو توسط بین الکمالین کہتے ہیں کہ کمال انقطاع اور کمال اتصال کے درمیان درمیان ہے۔

تم الباب السابع فی الوصل و الفصل بحمد اللہ تعالی

محمد اصغر علی فاضل دار العلوم فیصل آباد، فاضل عربی

استاذ جامعہ اسلامیہ عربیہ مدنی ٹاؤن ورحمانیہ چوک غلام محمد آباد فیصل آباد

اَلْبَابُ الثَّامِنُ فِی الْاِیْجَازِ وَالْاِطْنَابِ وَالْمُسَاوَاةِ

كُلُّ ما يَجُولُ فِي الصَّدرِ مِن المَعانِي يُمكِنُ انْ يُعَبَّرَ عَنه بثلاثِ طُرُقٍ

(۱) اَلْمُساوَاةُ وَ هِيَ تَأدِيَةُ الْمَعْنى الْمُرادِ بعِبارةٍ مُساوِيَةٍ لَّهُ بِاَنْ تَكُونَ عَلَى الْحَدِّ الَّذِيْ جَرٰى بِهٖ عُرْفُ اَوْسَاطِ النَّاسِ ، وَهُمُ الَّذِيْنَ لَمْ يَرْتَقُوْا اِلٰى دَرجَةِ الْبَلاغَةِ وَلَمْ يَنْحَطُّوا اِلٰى دَرجَةِ الْفَهَاهَةِ نَحْوُ ''وَاِذَا رَأَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْ اٰيَاتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ''

(۲) وَالْاِيْجَازُ وهُوَ تَأدِيَةُ الْمَعْنَى بِعِبَارَةٍ نَاقِصَةٍ عَنْهُ مَعَ فَائِهَا بِالْغَرْضِ نَحْوُ قِفَانَبْكِ مِنْ ذِكْرَىٰ حَبِيْبٍ وَّمَنْزِلٍ ، فَإِذَا لَمْ تَفِ بِالْغَرْضِ سُمِّيَ اِخْلاَلاً كَقَوْلِهٖ

وَالْعَيْشُ خَيْرٌ فِيْ ظِلَا ☆ لِ النُّوْكِ مِمَّنْ عَاشَ كَدًّا

مُرادُهُ اَنَّ الْعَيْشَ الرَّغد فِيْ ظِلَالِ الْحُمْقِ خَيْرٌ مِّنَ الْعَيْشِ الشَّاقِ فِيْ ظَلَالِ الْعَقْلِ

(۳) والاطْنَابُ وهُو تَادِيَةُ الْمَعْنٰى بِعِبَارَةٍ زَائِدَةٍ عَنْهُ مَعَ الْفَائِدَةِ نَحْوُ ''رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ واشتعل الرَّأْسُ شَيْبًا'' اَيْ كَبِرْتُ فإذَا لَمْ تَكُنْ فِي الزِّيَادَةِ فَائِدَةٌ سُمِّيَ تَطْوِيْلًا اِنْ كَانَتِ الزِّيَادَةُ غَيْرَ مُتَعَيِّنَةٍ وَ حَشْوًا اِنْ تَعَيَّنَتْ فَالتَّطْوِيْلُ نَحْوُ وَاَلْفَى قَوْلَهَا كَذِبًا وَ مَيْنًا وَالْحَشْوُ نَحْوُ وَاَعْلَمُ عِلْمَ الْيَوْمِ وَالْاَمْسِ قَبْلَهٗ

آٹھواں باب ایجاز، اطناب اور مساوات کے بیان میں

ترجمہ: ہر وہ معنی جو انسان کے دل میں گھومتے ہیں تین طریقوں سے انکی تعبیر کرنا ممکن ہے

(۱) مساوات: اور وہ معنی مقصود کو ادا کرنا ہے ایسی عبارت سے جو معنی مقصود کے برابر ہو اس طور پر کہ وہ عبارت اس معیار کی ہو جس پر اوسط درجے کے لوگوں کا عرفی محاورہ جاری ہو اوسط الناس سے مراد وہ لوگ ہیں جو درجہ بلاغت تک نہ پہنچے ہوں اور نہ درجہ جہالت تک گر گئے ہوں جیسے وَاِذَا رَأَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ الخ اور

جب آپ ایسے لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات میں پڑے رہتے ہیں تو آپ ان سے اعراض کریں۔

(۲) ایجاز: وہ معنی مقصود کو ایسی عبارت سے ادا کرنا جو اس معنی کی نسبت اگر چہ کم ہو ساتھ وہ عبارت غرض کو پوری کرتی ہو جیسے قِفَا نَبْكِ مِنْ الخ اے میرے دونوں ساتھیو ٹھہر جاؤ تا کہ ہم محبوب اور منزل محبوب کی یاد میں رولیں، پس عبارت جب غرض پوری ادا نہ کرے تو اسے اخلال کہتے ہیں جیسا کہ شاعر کا قول وَالْعَيْشُ خَيْرٌ الخ

''زندگی بیوقوفی کے سائے میں بہتر ہے اس شخص کی زندگی سے جو مشقت کی زندگی گزارے، شاعر کی مراد خوش کن زندگی حماقت کے سایوں میں بہتر ہے عقل کے سائے میں مشقت کی زندگی سے''۔

(۳) اطناب: وہ معنی مقصود کو ادا کرنا ہے اس سے زائد عبارت میں فائدے کے ساتھ جیسے رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ الخ اے میرے رب میری ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں اور بھڑک اٹھا میرے سر پر بڑھاپا یعنی میں بوڑھا ہو چکا ہوں پس جب زائد عبارت میں کوئی فائدہ نہ ہو اور زیادتی متعین نہ ہو تو اس کا نام تطویل رکھا جاتا ہے اور اگر زیادتی متعین ہو تو اس کا نام حشو رکھا جاتا ہے پس تطویل کی مثال جیسے وَاَلْفٰی قَوْلَهَا كِذْبًا وَّمَيْنًا پایا اس نے اس کے قول کو کذب ؎ جھوٹ اور حشو کی مثال جیسے وَاَعْلَمُ عِلْمَ الْيَوْمِ وَالْاَمْسِ قَبْلَهٗ اور میں جانتا ہوں آج کے علم کو اور کل گذشتہ کے علم کو جو آج سے پہلے ہے۔

تجزیہ عبارت: مذکورہ عبارت میں مصنفؒ نے مساوات، ایجاز اور اطناب میں سے ہر ایک کی تعریف کی ہے اور مثالوں کے ساتھ تینوں قسموں کی وضاحت کی ہے اور ساتھ تطویل اور حشو کو ذکر کیا ہے۔

تشریح: قولہ كُلُّ مَا يَجُوْلُ فِی الصَّدْرِ الخ

معانی کو تعبیر کرنے کے تین طریقے

یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ انسان کے دل میں جو معانی گردش کرتے ہیں ان کو

تین طریقوں سے تعبیر کرنا ممکن ہے وہ تین طریقے یہ ہیں پہلا طریقہ مساوات کا اور دوسرا طریقہ ایجاز کا اور تیسرا طریقہ اطناب کا، کیونکہ فصیح اور بلیغ شخص اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنے کیلئے انہی تین طریقوں میں سے کوئی ایک طریقہ اختیار کرتا ہے کہ کبھی تو درمیانی کلام کرتا ہے جو نہ مختصر ہو اور نہ طویل اس کو مساوات کہیں گے اور کبھی بہت مختصر کلام کرتا ہے اس کو ایجاز کہتے ہیں اور کبھی طویل کلام کرتا ہے اس کو اطناب کہیں گے مصنفؒ نے ہر ایک کی الگ الگ تفصیل بیان کی ہے۔

قولہ اَلْمُسَاوَاۃُ وَهِيَ تَأْدِيَةُ الْمَعْنَى الْمُرَادِ الخ

(۱) **مساوات کی تعریف**: مساوات کہتے ہیں کہ معنی مرادی کو ایسی عبارت سے ادا کیا جائے کہ عبارت معنی مرادی کے برابر ہو، یعنی اتنے ہی الفاظ ہوں جتنے معانی ہوں اور اتنے ہی معانی ہوں جتنے کہ الفاظ ہوں، نہ الفاظ معانی سے زیادہ ہوں اور نہ معانی الفاظ سے، عبارت کا معنی مرادی کے برابر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ عبارت اس معیار کی ہو کہ اس معیار پر درمیانی قسم کے لوگ کلام کو پہچانتے ہوں اور اس پر اوسط درجے کے لوگوں کے محاورہ کا عرف جاری ہو، اوسط درجے کے لوگوں سے وہ مراد ہیں جو نہ اتنے بلند ہوں کہ انہیں بلیغ کہا جائے اور نہ اتنے گرے ہوئے ہوں کہ وہ گویائی کے لحاظ سے عاجز اور جاہل ہوں جیسے وَاِذَا رَأَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْ اٰيَاتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ کہ جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات میں عیب جوئی کرتے ہیں تو آپ ان لوگوں سے اعراض کریں اور کنارہ کش ہو جایئے اس آیت میں مساوات ہے کہ معنی مرادی الفاظ کے برابر ہیں اور الفاظ صرف اتنے ہیں جتنے معانی، چنانچہ اگر اسمیں کوئی لفظ بڑھا دیا جائے تو الفاظ زیادہ ہو جائیں گے اور اگر کم کر دیا جائے تو معنی میں خلل واقع ہو جائے گا، اور یہ آیت اس معیار پر ہے کہ درمیانی قسم کے لوگوں کو سمجھ آتی ہے آیت کا مفہوم سمجھانے کیلئے مزید کلام کی ضرورت نہیں پڑتی۔

قولہ وَالْاِیْجَازُ وَهُوَ تَأْدِیَةُ الْمَعْنٰی الخ

(۲) **ایجاز کی تعریف**: ایجاز کہتے ہیں کہ معنی مقصود کو ایسی عبارت سے ادا کیا جائے جو عبارت اس معنی سے اگر چہ کم ہو لیکن غرض اس سے پوری ہو جاتی ہو، یعنی الفاظ معنی مقصود سے کم ہوں اور وہی مختصر عبارت معنی مقصود کو ادا کرنے کیلئے کافی ہو اور مقصود اس مختصر عبارت سے مکمل طور پر واضح ہو جاتا ہو جیسے اس شعر کے پہلے مصرعہ میں ایجاز کا طریقہ جاری ہے پورا شعر یوں ہے۔

شعر قِفَا نَبْكِ مِنْ ذِكْرٰی حَبِیْبٍ وَّمَنْزِلٖ ☆ بِسِقْطِ اللِّوٰی بَیْنَ الدَّخُوْلِ فَحَوْمَلٖ

شعر کی تشریح: قِفَا صیغہ تثنیہ مذکر حاضر، بحث امر حاضر معروف، از باب ضرب بمعنی ٹھہرنا، چپ چاپ کھڑا رہنا، نَبْكِ صیغہ تثنیہ وجمع مذکر ومؤنث متکلم بحث اثبات فعل مضارع معروف، از باب ضرب بمعنی رونا، حَبِیْبٍ بمعنی محبوب دَخُوْلِ اور حَوْمَلِ دونوں جگہ کے نام ہیں۔

شعر کا مطلب: یہ امرأ القیس کا شعر ہے اس میں کہہ رہا ہے اے میرے دونوں دوستو! ذرا توقف کرو اور ٹھہر جاؤ تا کہ ہم اپنی محبوب اور اس کی اس منزل کو یاد کر کے رولیں جو دخول اور حومل جگہ کے درمیان ریت کے تودوں کے کنارے پر واقع ہے۔

محل استشہاد: اس مصرعہ میں محل استشہاد نَبْكِ مِنْ ذِكْرٰی حَبِیْبٍ وَّمَنْزِلٖ ہے، نَبْكِ اصل میں نَبْكِیْ تھا تخفیف کی خاطر ''ی'' کو حذف کر دیا گیا، حبیب سے ضمیر متکلم نَا کو حذف کر دیا گیا جو اصل میں حَبِیْبَنَا تھا اور منزل سے ہٗ ضمیر کو حذف کر دیا گیا جو اصل میں مَنْزِلِهٖ تھا اس میں مضاف الیہ کو حذف کر دیا گیا ہے اس مصرعہ میں معنی مقصود کی نسبت سے عبارت قلیل ہے لیکن مقصود اس سے پورا ہو رہا ہے۔

قولہ فَاِذَا لَمْ تَفِ بِالْغَرَضِ الخ

اخلال کی تعریف: اخلال یہ ہے کہ عبارت معنی مقصود سے کم ہو اور معنی مقصود اس سے واضح نہ ہوگا بلکہ اس کو سمجھنے کیلئے تکلف اور غور وفکر کی ضرورت ہو یعنی جب یہ ناقص عبارت متکلم کی غرض پوری نہ کر رہی ہو تو اس کو اخلال کہتے ہیں جیسے شاعر کے اس قول میں

شعر وَالْعَيْشُ خَيْرٌ فِيْ ظِلَا ☆ لِ النُّوْكِ مِمَّنْ عَاشَ كَدًّا

شعر کی تشریح: اَلْعَيْشُ زندگی عَاشَ از باب ضرب بمعنی آرام سے زندگی گزارنا، خَيْرٌ اصل میں اَخْيَرُ تھا اسم تفضیل بمعنی زیادہ بہتر جیسے محاورہ میں کہا جاتا ہے خَيْرُ النَّاسِ سب مردوں سے بہتر خَيْرُ النِّسَاءِ سب عورتوں سے بہتر، خَيْرٌ کی جمع خُيُوْرٌ آتی ہے بمعنی خیر، بھلائی، اور چیز کا اپنے کمال کو پہنچنا، اَلنُّوْكُ بمعنی بیوقوف از باب سمع نَوْكًا و نَوَاكَةً بمعنی بیوقوف ہونا، كَدًّا از باب نصر بمعنی محنت کرنا مشقت اختیار کرنا۔

شعر کا مطلب: زندگی جو بیوقوفی کے سایوں میں ہے اس شخص کی زندگی سے بہتر ہے جو ذلت اور مشقت کی زندگی گزارے، شاعر کی مراد اس شعر میں یہ ہے کہ فراعت اور عیش کی زندگی بیوقوفی اور حماقت کے زیر سایہ بہتر ہے اس زندگی سے جو تکلیفوں اور مشقتوں سے بھرپور عقل کے سایہ میں ہو۔

محل استشہاد: مذکورہ شعر میں الفاظ تو مختصر ہیں مگر معنی مقصود مکمل طور پر الفاظ سے ظاہر نہیں ہو رہا گویا کہ اس میں اصل مراد کو ادا کرنے کیلئے الفاظ کم ہیں اور اصل مراد پر دلالت کرنے میں شعر محتاج ہے دوسرے الفاظ کا، کیونکہ شعر کے ظاہری معنی یہ ہیں بیوقوفی کی حالت میں زندگی خواہ خوشحال ہو یا نہ ہو اس مشقت کی زندگی سے بہتر ہے خواہ عقل مند ہو یا نہ ہو، اب اس میں غور وفکر کی ضرورت پڑ رہی ہے کہ بیوقوفی کی زندگی خوشحالی والی زندگی سے بہتر تو ہے مگر مطلقاً نہیں بلکہ اس

آدمی کی زندگی سے جو عقل مند ہونے کے باوجود مشقت اور تکلیفوں کی زندگی گزار رہا ہے۔

قوله وَالْإِطْنَابُ وَهُوَ تَأْدِيَةُ الْمَعْنٰى الخ

(۳) **اطناب کی تعریف**: اطناب کہتے ہیں معنی مقصود کو ایسی عبارت سے ادا کیا جائے جو اس معنی مقصود کی نسبت سے زائد ہو اور مفید بھی ہو، یعنی کسی فائدے کی غرض سے معنی مقصود کو اس سے زائد عبارت میں ادا کرنا جیسے حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنی دعا میں فرمایا ''رَبِّ إِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْباً'' اے میرے رب میری ہڈیاں کمزور ہو گئیں اور میرے سر پر بڑھاپا بھڑک اٹھا یعنی میں بوڑھا ہو چکا ہوں، اس آیت میں اطناب اس طرح ہے کہ وَهَنَ الْعَظْمُ سے معنی مقصود ادا ہو گیا کہ ہڈی جو بدن کا سب سے بڑا ستون ہے وہ کمزور ہو چکی تو اس سے بات ثابت ہو گئی کہ جسم کی قوت بالکل زائل ہو چکی ہے اور کمزوری اور ناتوانی لاحق ہو چکی ہے پھر جب دوسرا جملہ وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْباً استعمال کیا تو بطور استعارہ جو ابلغ من الصریح ہے اسی امر ضعیف کی مزید تاکید کی، اور سفیدی کی پورے سر میں پھیل جانے کو آگ کے شعلہ سے تشبیہ ہے اس اطناب میں فائدہ یہ ہے کہ دوسرے جملہ میں پہلے ہی معنی کو بلیغ اور خوبصورت انداز میں ادا کیا گیا ہے۔

قوله فَإِذَا لَمْ تَكُنْ فِي الزِّيَادَةِ فَائِدَةٌ الخ

تطویل کی تعریف

تطویل کہتے ہیں کہ معنی مقصود کو ادا کرنے کیلئے زائد عبارت لائی جائے اور اس زائد عبارت میں کوئی فائدہ نہ ہو بشرطیکہ زیادتی غیر متعینہ ہو جیسے وَأَلْفٰى قَوْلَهَا كِذْباً وَّ مَيْناً پایا جذیمۃ الابرش نے اس زباء کے قول کو کذب اور جھوٹ، اس مثال میں محل استشہاد لفظ كِذْباً وَّ مَيْناً ہے جن میں سے ایک زائد ہے اور بغیر کسی فائدہ کے ذکر کیا گیا ہے جو کذب کے معنی ہیں بعینہ وہی مینا کے معنی ہیں لہذا ان دونوں میں سے کوئی ایک لفظ بغیر تعیین کے زائد اور بے فائدہ ہے

قوله وَحَشْوًا اِنْ تَعَيَّنَتْ الخ

حشو کی تعریف: حشو کہتے ہیں کہ معنی مرادی کو ادا کرنے کیلئے زائد عبارت لائی جائے اور اس زائد عبارت میں کوئی فائدہ نہ ہو اور زیادتی متعین ہو، تطویل اور حشو کے درمیان فرق یہ ہے، کہ تطویل میں کوئی ایک لفظ بغیر تعیین کے زائد ہوتا ہے اور حشو میں تعیین ہوتی ہے کہ فلاں لفظ زائد ہے جیسے وَاَعْلَمُ عِلْمَ الْيَوْمِ وَالْاَمْسِ قَبْلَهٗ میں آج کا بھی علم رکھتا ہوں اور کل کا بھی، جو آج سے پہلے گزر چکا، پورا شعر یوں ہے

شعر وَاَعْلَمُ عِلْمَ الْيَوْمِ وَالْاَمْسِ قَبْلَهٗ ☆ وَلٰكِنَّنِىْ عَنْ عِلْمِ مَا فِىْ غَدٍ عَمٰى

ترجمہ شعر: اور میں آج کا بھی علم رکھتا ہوں اور کل کا بھی جو اس سے پہلے گزر چکا، لیکن حقیقت یہ ہے جو کل ہونے والا ہے اس کے علم سے اندھا ہوں، اس مثال میں محل استشہاد لفظ قَبْلَهٗ ہے جو زائد ہے اور کوئی فائدہ نہیں دے رہا کیونکہ امس کا معنی بھی کل گذشتہ ہے اور قَبْلَهٗ کا بھی یہی معنی ہے آج سے پہلے، لہذا دونوں کا معنی ایک ہی ہے لہذا قَبْلَهٗ زائد ہے اور اس کا کوئی فائدہ نہیں اور متعین بھی ہے لہذا قَبْلَهٗ کو حشو کہیں گے۔

وَمِنْ دَوَاعِى الْاِيْجَازِ تَسْهِيْلُ الْحِفْظِ وَتَقْرِيْبُ الْفَهْمِ وَضِيْقُ الْمَقَامِ وَالْاِخْفَاءُ وَسَآمَةُ الْمُحَادَثَةِ

وَمِنْ دَوَاعِى الْاِطْنَابِ تَثْبِيْتُ الْمَعْنٰى وَتَوْضِيْحُ الْمُرَادِ وَالتَّوْكِيْدُ وَدَفْعُ الْاِبْهَامِ

اَقْسَامُ الْاِيْجَازِ: اَلْاِيْجَازُ اِمَّا اَنْ يَّكُوْنَ بِتَضَمُّنِ الْعِبَارَةِ الْقَصِيْرَةِ مَعَانِىَ كَثِيْرَةً وَهُوَ مَرْكَزُ عِنَايَةِ الْبُلَغَاءِ وَبِهٖ تَتَفَاوَتُ اَقْدَارُهُمْ وَيُسَمّٰى اِيْجَازَ قَصْرٍ نَحْوُ قَوْلِهٖ تَعَالٰى ''وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ''

وَاِمَّا اَنْ يَّكُوْنَ بِحَذْفِ كَلِمَةٍ اَوْ جُمْلَةٍ اَوْ اَكْثَرَ مَعَ قَرِيْنَةٍ تُعَيِّنُ الْمَحْذُوْفِ

وَيُسَمّٰى اِيْجَازُ حَذْفٍ فَحَذْفُ الْكَلِمَةِ كَحَذْفِ لَا فِىْ قَوْلِ اِمْرَأُ الْقَيْسِ

فَقُلْتُ يَمِيْنُ اللّٰهِ اَبْرَحُ قَاعِدًا ☆ وَلَوْ قَطَعُوْا رَأْسِىْ لَدَيْكَ وَاَوْصَالِىْ

وَ حَذْفُ الْجُمْلَةِ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى ''وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ'' اَىْ فَتَأَسَّ وَاصْبِرْ

وَحَذْفُ الْاَكْثَرِ نَحْوُ قَوْلِهٖ تَعَالٰى ''فَاَرْسِلُوْنِ يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ'' اَىْ اَرْسِلُوْنِىْ اِلٰى يُوْسُفَ لِاَسْتَعْبِرَهُ الرُّؤْيَا فَفَعَلُوْا فَاَتَاهُ وَقَالَ لَهٗ يَا يُوْسُفُ

ترجمہ: ایجاز کے اسباب میں سے ہے حفظ میں آسانی پیدا کرنا، اور عبارت کے مطلب کو فہم کے قریب کرنا، اور مقام کی تنگی اور اخفاء، اور گفتگو سے اکتاہٹ، اور اطناب کے اسباب میں سے ہے معنی کو ثابت کرنا، اور مراد کو واضح کرنا، اور تاکید پیدا کرنا، اور وہم کو دور کرنا،

ایجاز کی قسمیں: ایجاز یا تو اس طرح ہوتا ہے کہ ایک چھوٹی سی عبارت مشتمل ہو بہت زیادہ معانی کو اور یہی وہ قسم ہے جو بلغاء کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہے اور اسی سے بلغاء کے مرتبوں کا فرق ظاہر ہوتا ہے اور اسکا نام رکھا جاتا ہے ایجاز قصر جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ اور تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے۔

یا تو کسی کلمے یا جملے یا اس سے زیادہ کے حذف کے ساتھ ہوگا قرینے کے پائے جانے کے ساتھ محذوف کی تعیین پر اور اس کا نام رکھا جاتا ہے ایجاز حذف، پس کلمے کا حذف جیسا کہ لَا کا حذف کرنا ہے امرالقیس کے قول میں فَقُلْتُ يَمِيْنُ اللّٰهِ الخ

پس میں نے کہا اللہ کی قسم میں ہمیشہ بیٹھا رہوں گا، اگرچہ وہ لوگ تمہارے سامنے میرے سر اور جوڑوں کو کاٹ دیں۔

اور ایجاز میں سے ہے جملہ کا حذف کرنا جیسے اللہ تعالیٰ کا قول وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ الخ اور اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ ﷺ سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر جھٹلائے جا چکے ہیں

آپ ﷺ اس معاملہ میں ان کی پیروی کریں اور صبر سے کام لیں، اور جملہ سے زیادہ کا حذف جیسے اللہ تعالیٰ کا قول فَأَرْسِلُوْنِ يُوْسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيْقُ پس مجھے بھیجوا ے یوسفؑ اے صدیق، یعنی تم مجھے بھیجو حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس تا کہ میں ان سے خواب کی تعبیر دریافت کروں پس ان لوگوں نے ایسے ہی کیا چنانچہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آیا اور انسے کہا اے یوسفؑ۔

تجزیہ عبارت: مذکورہ عبارت میں مصنفؒ نے ایجاز کے اسباب بیان کرنے کے بعد اطناب کے اسباب کو بیان کیا ہے اور ساتھ ایجاز کی دو قسمیں ایجازِ قصر اور ایجازِ حذف کو بیان کیا ہے۔

تشریح: قوله وَمِنْ دَوَاعِي الْإِيْجَازِ الخ

ایجاز کے اسباب

یہاں سے مصنفؒ ایجاز کے اسباب کو بیان فرما رہے ہیں چونکہ ایجاز اور اطناب کا استعمال اسباب اور دواعی کے بغیر نہیں ہوتا اسلئے ان دونوں میں سے ہر ایک کے کچھ اسباب اور دواعی ہیں، تو مصنفؒ نے دونوں کے اسباب بیان کیے ہیں، اب یہاں سے ان اسباب کو بیان کیا جا رہا ہے جن کی بنا پر ایجاز کا استعمال ہوتا ہے۔

پہلا سبب: حفظ میں آسانی پیدا کرنا یعنی کلام کو مختصر اس لئے لایا جاتا ہے تا کہ اسے ضبط کرنے اور یاد کرنے میں آسانی ہو کیونکہ مختصر بات کو یاد کرنا آسان ہوتا ہے بنسبت لمبی بات کے اس لئے کلام میں ایجاز کرتے ہیں۔

دوسرا سبب: عبارت کے مطلب کو فہم کے قریب کرنا، یعنی مختصر بات کو آدمی جلدی سمجھ جاتا ہے اور طویل بات سے کبھی کبھی مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے اس لئے کلام میں ایجاز کرتے ہیں۔

تیسرا سبب: مقام کی تنگی ہے کیونکہ موقع ومحل کے تنگ ہونے کیوجہ سے بھی بعض دفعہ آدمی طویل گفتگو کرنے سے عاجز ہو جاتا ہے اس لئے تھوڑے سے وقت میں آدمی مختصر بات پر اکتفا کر لیتا ہے اس لئے کلام میں ایجاز کرتے ہیں۔

چوتھا سبب: اخفا ہے یعنی کسی فائدے اور ضرورت کی وجہ سے کلام کے کسی حصہ کو چھپایا جاتا ہے تاکہ سارے لوگ اس بات پر مطلع نہ ہو جائیں اور بات صرف انہی تک محدود رہے جنکو وہ بتلانا چاہتا ہے اس لئے کلام میں ایجاز کرتے ہیں۔

پانچواں سبب: باہمی گفتگو سے رنج پہنچنا ہے یعنی کبھی طویل کلام کرنے سے اس وجہ سے احتراز کیا جاتا ہے تاکہ سامعین کا مجمع اکتاہٹ محسوس نہ کرے کیونکہ لمبی بات سے انسان اُکتا جاتا ہے پھر پوری دل جمعی سے بات نہیں سنتا اس لئے کلام میں ایجاز کرتے ہیں، ان سب کی مثالیں باب ثانی ذکر وحذف میں گزر چکی ہیں اگر دل چاہے تو وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

قوله وَمِنْ دَوَاعِي الْإِطْنَابِ الخ

اطناب کے اسباب

ایجاز کے اسباب بیان کرنے کے بعد اب یہاں سے مصنفؒ اطناب کے اسباب اور دواعی بیان کرتے ہیں۔

پہلا سبب: مخاطب کے سامنے اپنا مقصود اور مطلوب خوب ثابت کرنے کیلئے طویل کلام کرتے ہیں تاکہ مخاطب کے دل میں پوری بات راسخ اور ثابت ہو جائے اور معنی دل میں اتر جائے اور جم جائے۔

دوسرا سبب: مراد اور مقصود کو واضح کرنے کیلئے، یعنی بعض دفعہ کلام کو اس لئے لمبا کرتے ہیں تا کہ سامع کے سامنے مقصود پوری طرح واضح اور روشن ہو جائے کیونکہ بسا اوقات مختصر کلام کرنے سے مقصود واضح نہیں ہوتا اور بات پیچیدہ رہ جاتی ہے۔

تیسرا سبب: حکم کو مؤکد کرنے کیلئے یعنی بعض دفعہ کسی حکم کو مستحکم اور مضبوط کرنے کیلئے کلام طویل کی جاتی ہے۔

چوتھا سبب: شک اور وہم دور کرنے کیلئے یعنی کلام کبھی اس لئے طویل کی جاتی ہے کہ بعض دفعہ کلام میں کوئی شک اور وہم پیدا ہو جاتا ہے اس وہم کو دور کرنے کیلئے کلام کو طویل کرتے ہیں۔

قولہ اَقْسَامُ الْاِیْجَازِ الخ

ایجاز کی قسمیں

یہاں سے مصنفؒ ایجاز کی قسمیں بیان کر رہے ہیں کہ ایجاز کی دو قسمیں ہیں (۱) ایجاز قصر (۲) ایجاز حذف

قولہ اَلْاِیْجَازُ اِمَّا اَنْ یَّکُوْنَ بِتَضَمُّنِ الخ

ایجاز قصر کی تعریف: ایجاز قصر یہ ہے کہ مختصر سی عبارت بہت سے معانی پر مشتمل ہو یعنی مختصر عبارت ہو اور معانی زیادہ ہوں اور یہ فصاحت پر قادر ہونے کی دلیل ہے اور یہی بلغاء کی توجہ کا مرکز ہے اسی سے بلغاء کے مراتب واضح ہوتے ہیں جیسے حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے اُوْتِیْتُ بِجَوَامِعِ الْکَلِمِ اور جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے، اس آیت کریمہ میں الفاظ تو بہت مختصر ہیں لیکن اپنے اندر

معانی کثیرۃ سموئے ہوئے ہیں کیونکہ جب کوئی یہ معلوم کر لیتا ہے کہ اگر میں کسی کو قتل کروں گا تو قصاص میں مجھے قتل کیا جائے گا تو کبھی بھی کسی کے قتل کی جرأت نہ ہوگی، تو اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ قصاص سے ہزاروں انسانوں کی جانیں محفوظ ہو جائیں گی اور آپس میں قتل وقتال رک جائے گا اور قتل کا بند ہو جانا تمام انسانیت کی حیات ہے یہ طویل مضمون مختصر سی عبارت میں بند کر دیا گیا ہے اسی مضمون کی ادائیگی عرب کے ایک محاورے سے بھی کی جاتی ہے اَلْقَتْلُ اَنْفٰى لِلْقَتْلِ اگر چہ اس محاورہ میں ایجاز قصر پایا جا رہا ہے لیکن درجہ بلاغت میں آیت کا مقابلہ نہیں کر سکتا آیت میں کئی اعتبار سے بلاغت زیادہ ہے۔

قوله وَاِمَّا اَنْ يَّكُوْنَ بِحَذْفِ كَلِمَةٍ الخ

ایجاز حذف کی تعریف: ایجاز حذف یہ ہے کہ کسی جملے میں ایک کلمہ یا اس سے زیادہ کلموں اور جملوں کو حذف کر دیا جائے اور جملے میں ایسا قرینہ بھی مذکور ہو جو محذوف کی تعیین کرے۔

حذف کلمہ کی مثال جیسے لَا ہے امرالقیس کے اس قول میں

شعر فَقُلْتُ يَمِيْنُ اللّٰهِ اَبْرَحُ قَاعِدًا ☆ وَلَوْ قَطَعُوْا رَأْسِىْ لَدَيْكَ وَاَوْصَالِىْ

شعر کی تشریح: فَقُلْتُ صیغہ واحد مذکر ومؤنث متکلم بحث اثبات فعل ماضی معروف از باب نصر بمعنی کہنا، اَبْرَحُ اصل میں لَا اَبْرَحُ تھا لَا کو حذف کر دیا صیغہ واحد مذکر ومؤنث متکلم بحث اثبات فعل مضارع معروف از باب سمع یہ لَا اُزَالُ کے معنی میں ہے یعنی میں مستقل بیٹھا ہی رہوں گا، قَطَعُوْا صیغہ جمع مذکر غائب، بحث اثبات فعل ماضی معروف از باب فتح بمعنی کاٹنا، علیحدہ کرنا، جدا کرنا، اَوْصَالِ یہ جمع ہے وَصْلٌ کی بمعنی جوڑ، عضو۔

شعر کا مطلب: تو میں نے کہا اللہ کی قسم میں ہمیشہ بیٹھا رہوں گا، اگرچہ وہ لوگ تمہارے سامنے میرا سر اور میرے جسم کے تمام جوڑ و بند کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیں۔

محل استشہاد: اس شعر میں محل استشہاد اَبرَحُ ہے جو اصل میں لَا اَبرَحُ تھا اس میں حرف نفی لَا کو حذف کر دیا گیا ہے یہ حذف کلمہ کی مثال ہے حذف پر قرینہ یہ ہے کہ اگر حرف نفی حذف نہ مانا جائے تو پھر مقصد ہی بدل جائے گا کیونکہ اَبرَحُ کا معنی ہے اُزَالُ یعنی میں بھاگ جاؤں گا یہ خلاف مقصود ہے۔

حذف جملہ کی مثال: جیسے اللہ تعالیٰ کا قول وَاِنْ یُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ اگر مشرکین آپ ﷺ کو جھٹلاتے ہیں تو آپ ﷺ سے پہلے بھی بڑے بڑے پیغمبر جھٹلائے جا چکے ہیں، آپ ﷺ اس معاملہ میں ان کی پیروی کریں اور صبر سے کام لیں، اس آیت میں محل استشہاد وَاِنْ یُّكَذِّبُوْكَ شرط ہے اور اس کی جزا محذوف ہے فَتَأَسَّ وَاصْبِرْ یعنی انبیاء سابقین کی تکذیب پر افسوس کریں اور اپنی تکذیب پر صبر کریں، تو اِنْ شرطیہ کی جزا فَتَأَسَّ وَ اصْبِرْ جملہ محذوف ہے اور جزا کی جگہ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ کو رکھ دیا گیا ہے اور قرینہ فَقَدْ كُذِّبَتْ ہے جو جزا کے قائم مقام کر دیا گیا ہے فَقَدْ كُذِّبَتْ میں فاء سببیہ ہے فاء جزائیہ نہیں ہے اِنْ شرطیہ کی جزا جملہ محذوف ہے۔

حذف اکثر کی مثال: یعنی ایک جملہ سے زائد حذف کی مثال جیسے حضرت یوسفؑ کے قصہ میں کہ جب بادشاہ نے خواب دیکھا، اسکی تعبیر معلوم کرنے کیلئے ایک شخص نے کہا فَاَرْسِلُوْنِ اس کے بعد کلام کا بہت سا حصہ محذوف ہے اَیْ اَرْسِلُوْنِیْ اِلٰی یُوْسُفَ لِاَسْتَعْبِرَهُ الرُّؤْیَا فَفَعَلُوْا فَاَتَاهُ وَقَالَ لَهٗ کہ مجھے حضرت یوسفؑ کی طرف بھیجو تاکہ میں ان سے خواب کی

تعبیر دریافت کروں چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا پھر وہ حضرت یوسفؑ کے پاس آیا، یہ کئی جملے محذوف ہیں اس کے بعد قرآن کہتا ہے یُوسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ اتنی لمبی عبارت حذف ہونے کے باوجود فہم مطلوب میں کوئی فرق نہیں پڑا، اس آیت میں محذوف جملوں پر قرینہ وہ سیاق وسباق کے جملے ہیں جو خواب کی تعبیر پوچھنے کیلئے اجازت طلب کرنے اور تعبیر بتلانے پر دلالت کررہے ہیں۔

اَقْسَامُ الْاِطْنَابِ : اَلْاِطْنَابُ يَكُوْنُ بِاُمُوْرٍ كَثِيْرَةٍ

مِنْهَا ذِكْرُ الْخَاصِ بَعْدَ الْعَامِ نَحْوُ اِجْتَهِدُوْا فِىْ دُرُوْسِكُمْ وَاللُّغَةِ الْعَرَبِيَّةِ وَفَائِدَةُ التَّنْبِيْهِ عَلٰى فَضْلِ الْخَاصِ كَاَنَّه لِرِفْعَتِهٖ جِنْسٌ اٰخَرُ مُغَائِرٌ لِمَا قَبْلَهٗ

وَمِنْهَا ذِكْرُ الْعَامِ بَعْدَ الْخَاصِ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى "رَبِّ اغْفِرْ لِىْ وَلِوَالِدَىَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِىَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ"

مِنْهَا الْاِيْضَاحُ بَعْدَ الْاِبْهَامِ نَحْوُ "اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ"

وَمِنْهَا التَّوْشِيْعُ وَهُوَ اَنْ يُّؤْتٰى فِىْ اٰخِرِ الْكَلَامِ بِمُثَنًّى مُفَسَّرٍ بِاثْنَيْنِ كَقَوْلِهٖ

اَمْسِىْ وَاَصْبَحُ مِنْ تَذْكَارِكُمْ وَصِبًا ☆ يَرْثِىْ لِىَ الْمُشْفِقَانِ الْاَهْلُ وَالْوَلَدُ

وَمِنْهَا التَّكْرِيْرُ لِغَرَضٍ كَطُوْلِ الْفَصْلِ فِىْ قَوْلِهٖ

وَاِنِ امْرَاً دَامَتْ مَوَاثِيْقُ عَهْدِهٖ ☆ عَلٰى مِثْلِ هٰذَا اِنَّهٗ لَكَرِيْمٌ

وَكَزِيَادَةِ التَّرْغِيْبِ فِى الْعَفْوِ فِىْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى "اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ"

وَكَتَاكِيْدِ الْاِنْذَارِ فِىْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى "كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ"

وَمِنْهَا الْاِعْتِرَاضُ وَهُوَ تَوَسُّطُ لَفْظٍ بَيْنَ اَجْزَاءِ جُمْلَةٍ اَوْ بَيْنَ جُمْلَتَيْنِ مُرْتَبِطَتَيْنِ مَعْنًى لِغَرَضٍ نَحْوُ

اِنَّ الثَّمَانِيْنَ وَبُلِّغْتَهَا ☆ قَدْ اَحْوَجَتْ سَمْعِىْ اِلٰى تَرْجُمَانٍ

وَنَحْوُ قَوْلِهٖ تَعَالٰى "وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنَاتِ سُبْحَانَهٗ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ"

اطناب کی قسمیں

ترجمہ : اطناب بہت سے امور کے سبب ہوتا ہے اطناب میں سے ایک عام کے بعد خاص کو ذکر کرنا ہے جیسے اِجْتَهِدُوْا الخ تم اپنے اسباق میں محنت کرو اور عربی زبان میں، اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ خاص کی فضیلت پر تنبیہ کرنا ہے گویا کہ وہ اپنی رفعت شان کیوجہ سے وہ مستقل ایک دوسری جنس ہے جو اپنے ماقبل کے مغائر ہے۔

اطناب میں سے ایک خاص کے بعد عام کو ذکر کرنا ہے جیسے رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیَّ الخ اے میرے رب مجھے بخش دے اور میرے والدین کو اور ان مؤمن لوگوں کو جو میرے گھر میں داخل ہوں اور مؤمن مرد اور مؤمن عورتوں کو، اور اطناب میں سے ایک ابھام کے بعد وضاحت کرنا ہے جیسے اَمَدَّکُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ الخ اللہ تعالی نے تمہاری مدد کی ایسی چیزوں سے جن کو تم جانتے ہو اس نے تمہاری مدد کی چوپاؤں اور اولاد سے، اطناب میں سے ایک توشیع ہے وہ یہ ہے کہ کلام کے آخر میں ایسا تثنیہ لایا جائے جن کی تفسیر دو افراد سے کی گئی ہو جیسے ترجمہ شعر

''میں تمہاری یاد اور عشق میں صبح و شام بے قرار رہتا ہوں، تسلی دیتے ہیں میرے دو مشفق اہل اور اولاد''

اور اطناب میں سے کلام کو کسی فائدے کیلئے مکرر لانا جیسے طول فصل شاعر کے شعر میں ترجمہ شعر: اور ایسا شخص جسکے عہد و پیمان اس جیسی شی پر ہمیشہ رہتے ہیں بیشک وہ قابل عزت اور شریف ہے۔

اور جیسے زیادہ ترغیب دینا معافی میں جیسے اللہ تعالی کے قول میں اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ الخ بیشک تمہاری بیویاں اور تمہاری اولاد تمہارے دشمن ہیں تم ان سے بچ کر رہو اور اگر تم معاف کر دو اور درگزر کر جاؤ اور بخش دو پس بیشک اللہ تعالی بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

اور جیسے ڈرانے میں تاکید جیسے اللہ تعالی کے اس قول میں کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ الخ

ہرگز نہیں تم عنقریب جان لو گے پھر ہرگز نہیں عنقریب تم جان لو گے۔

اطناب میں ایک اعتراض ہے وہ یہ ہے کہ کسی لفظ کا جملہ کے اجزا کے درمیان آنا، یا ایسے دو جملوں کے درمیان آنا جو معنی کے اعتبار سے کسی فائدے کیلئے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں جیسے اس شعر میں

اِنَّ الثَّمَانِيْنَ الخ ترجمہ شعر ''بیشک اسی سال کی عمر نے اور تم بھی اس عمر تک پہنچائے جاؤ، میرے کانوں کو ایک ترجمان کا محتاج بنادیا ہے'' اور جیسے اللہ تعالی کا قول وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنَاتِ الخ اور وہ کفار بناتے ہیں اللہ تعالی کیلئے بیٹیاں حالانکہ اللہ تعالی ایسی چیزوں سے پاک ہے اور ان کیلئے وہ چیزیں ہوں جس کو وہ پسند کرتے ہوں یعنی لڑکے۔

تجزیہ عبارت : مذکورہ عبارت میں مصنفؒ نے اطناب کی قسموں کو ذکر کیا ہے اور اس کو بیان کیا ہے کہ اطناب کئی طریقوں سے ہوتا ہے ہر ایک طریقے کی مثال کے ساتھ وضاحت کی ہے۔

تشریح : <u>قولہ اَلْاِطْنَابُ يَكُوْنُ بِاُمُوْرٍ كَثِيْرَةٍ الخ</u>

اقسام اطناب

مصنفؒ اقسام ایجاز سے فارغ ہونے کے بعد یہاں اقسام اطناب کو بیان کررہے ہیں کہ اطناب بہت سی چیزوں سے حاصل ہوتا ہے ان میں سے دس یہ ہیں (۱) ذکر الخاص بعد العام (۲) ذکر العام بعد الخاص (۳) ایضاح بعد الابہام (۴) توشیع (۵) تکریر للغرض (۶) اعتراض (۷) ایغال (۸) تذییل (۹) احتراس (۱۰) تکمیل، ان میں سے ہر ایک قسم الگ الگ مندرجہ ذیل ہے

<u>قولہ مِنْهَا ذِكْرُ الْخَاصِ الخ</u>

پہلی قسم ذکر الخاص بعد العام: یعنی کسی عام شے کو بیان کرنے کے بعد کسی خاص شے کو بیان کرنے کیلئے اطناب ہوتا ہے جیسے اِجْتَھِدُوْا فِیْ دُرُوْسِکُمْ وَاللُّغَةِ الْعَرَبِیَّةِ اس مثال میں دروس عام ہے اور لغت عربیہ خاص ہے، اگرچہ خاص عام کے تحت داخل تھا لیکن خاص کو الگ اس لئے ذکر کیا کہ خاص کی فضیلت پر تنبیہ کرنا مقصود تھا، کہ خاص اپنے عمدہ اوصاف اور رفعت شان کی بنا پر عام سے اس قدر ممتاز ہے گویا کہ جنسِ عام ہی سے خارج ہے اور دوسری جنس کی حیثیت رکھتا ہے جس کی وجہ سے اس کا حکم عام کے حکم سے معلوم ہی نہیں ہوسکتا، اس لئے اس کو علیحدہ حرف عطف کے ساتھ ذکر کیا اس قسم کے عطف کو عطف تجرید کہتے ہیں، اگر لغت عربیہ کا ذکر نہ کرتے تب بھی کلام کافی تھا، اس ذکر خاص بعد العام کی مثال قرآن پاک میں بھی مذکور ہے جیسے حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی اسمیں الصلٰوۃ عام ہے اور الصلوۃ الوسطی خاص ہے اگرچہ خاص عام کے تحت ہے لیکن اس کی خصوصیت کی بنا پر علیحدہ بیان کیا گویا کہ صلوۃ وسطی ذاتی طور پر ایک علیحدہ عبارت ہے۔

قوله مِنْهَا ذِكْرُ الْعَامِ الخ

دوسری قسم ذکر العام بعد الخاص: یعنی کسی خاص شے کو بیان کرنے کے بعد کسی عام شے کو بیان کرنے کیلئے اطناب ہوتا ہے اس قسم سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ مخاطب کو اس بات پر تنبیہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ حکم اگرچہ کسی مخصوص چیز کے ساتھ خاص نہیں لیکن حکم کا زیادہ مستحق تو خاص ہی ہے جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا ہے رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِناً وَّلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ اس آیت میں لِلْمُؤْمِنِیْنَ اور وَالْمُؤْمِنَاتِ عام ہے اور رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِناً خاص ہے اور یہ خاص عام کے تحت داخل تھا لیکن مغفرت والے حکم کے زیادہ مستحق ہونے کی وجہ سے خاص کو مقدم کیا جو کہ اطناب ہے، اگر خاص ذکر نہ بھی کیا جاتا اور یوں ہوتا رَبِّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ

وَالْمُؤْمِنَاتِ تب بھی کلام پورا ہو جاتا اور دعا بھی پوری ہو جاتی۔

قوله مِنْهَا الْإِيْضَاحُ الخ

تیسری قسم ایضاح بعد الابہام: یعنی کسی شے کو پہلے مبہم ذکر کریں پھر اس کی وضاحت کریں تاکہ سامع کے ذہن میں وہ شے خوب راسخ ہو جائے جیسے اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ اس آیت بِمَا تَعْلَمُوْنَ میں ابہام تھا اور دوسری آیت بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ میں ان نعمتوں کی وضاحت کر دی کہ وہ نعمتیں مال اور اولاد ہیں۔

قوله وَمِنْهَا التَّوْشِيْعُ الخ

چوتھی قسم توشیع: توشیع کا لغوی معنی لحاف میں دھنی ہوئی روئی کو جمع کرنے کے ہیں، اصطلاح میں توشیع کہتے ہیں کہ کلام کے آخر میں کوئی ایسا صیغہ تثنیہ لایا جائے جس کی تفسیر ایسے دو جملوں سے کی جائے کہ ان میں سے ایک اسم کا عطف دوسرے پر ہو جیسے اس شعر میں

اَمْسِیْ وَاَصْبَحُ مِنْ تِذْكَارِكُمْ وَصِبًا ☆ يَرْثِيْ لِيَ الْمُشْفِقَانِ الْاَهْلُ وَالْوَلَدُ

شعر کی تشریح: تِذْكَارِكُمْ تمہاری یاد، ذَكَرَ از باب نصر ذِكْرًا وَتِذْكَارًا بمعنی یاد کرنا، اور اللہ تعالیٰ کی بزرگی بیان کرنا، اور تَذَاكَرُوْا فِي الْاَمْرِ کسی معاملہ پر بات چیت کرنا، يَرْثِيْ، یہ رَثٰى يَرْثِيْ رَثْيًا آتا ہے از باب ضرب بمعنی میت پر رونا اور اسکی خوبیاں گننا، رَثٰى لَهٗ شفقت اور رحم کرنا یہاں دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں مُشْفِقَانِ صیغہ تثنیہ بحث اسم فاعل، از باب افعال بمعنی دو مشفق اور مہربان۔

شعر کا مطلب: میں شام کرتا ہوں اور صبح کرتا ہوں تمہاری یاد اور عشق میں، اور مجھ پر نوحہ خوانی کرتے ہیں میرے دو مہربان اہل اور اولاد، یا مجھ پر رحم کرتے ہیں دو مشفق ایک اہل اور دوسری اولاد

محل استشہاد: اس شعر میں محل استشہاد اَلْـمُشْفِقَانِ الْاَهْلُ وَا لْوَلَدُ ہے مُشْفِقَانِ تثنیہ کا صیغہ ہے اور اس کی تفسیر دو چیزوں اہل اور ولد سے کی گئی ہے اور ان میں سے ولد کا عطف اہل پر ہو رہا ہے۔

قولہ وَمِنْهَا التَّكْرِيْرُ الخ

پانچویں قسم تکریر: یعنی کلام کو کسی فائدے کیلئے مکرر لانا، کیونکہ مقولہ ہے اِذَا تَكَـرَّرَ تَقَرَّرَ فِى الْقَلْبِ کہ کلام کو جب دہرایا جائے تو وہ اچھی طرح دل میں راسخ ہو جاتی ہے تکرار کلام کی کئی اغراض ہیں۔

(۱) **تکرار کا پہلا مقصد:** طول فصل ہے کہ تکرار کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جس وقت بات لمبی ہو جائے اور فاصلہ لمبا ہو جائے تو خطرہ ہوتا ہے کہ مخاطب ابتداء کلام کو بھول نہ جائے تو ایسی جگہ پر کلام کا اعادہ کیا جاتا ہے جس سے تازگی ہو جاتی ہے جیسے شاعر کے اس قول میں

شعر وَاِنِ امْرُءٌ دَامَتْ مَوَاثِيْقُ عَهْدِهٖ ۔۔۔ عَلٰى مِثْلِ هٰذَا اِنَّهٗ لَكَرِيْمُ

شعر کی تشریح: دَامَتْ صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث اثبات فعل ماضی معروف، از باب نصر بمعنی ہمیشہ رہنا، مَوَاثِيْقُ یہ جمع ہے مِيْثَاقٌ کی بمعنی عہد، وَثِقَ يَثِقُ ثِقَةً از باب ضرب بمعنی اعتبار کرنا بھروسہ کرنا۔

شعر کا مطلب: اور ایسا شخص جس کا عہد و پیمان ہمیشہ رہتا ہے اس جیسی چیز پر بیشک وہ شریف آدمی ہے اور قابل عزت ہے۔

محل استشہاد: اس شعر میں محل استشہاد اِمْرُءٌ مبتدا ہے اور لَكَرِيْمٌ اس کی خبر ہے مبتدا اور

خبر کے درمیان دَامَتْ مَوَاثِيْقُ عَهْدِهٖ عَلٰى مِثْلِ هٰذَا کا ایک طویل فاصلہ حائل ہے اس طویل فاصلہ کی وجہ سے کوئی غلط مفہوم سمجھ سکتا ہے اس غرض کی وجہ سے اِنَّهٗ کا تکرار لائے تاکہ صحیح مفہوم سمجھا جاسکے اور یہ اِنَّهٗ اطناب ہے۔

(۲) **تکرار کا دوسرا مقصد:** عفو اور درگذر کرنے میں زیادہ رغبت دلانا ہے جیسے اللہ تعالی کے اس قول میں اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اس آیت میں وَاِنْ تَعْفُوْا، وَتَصْفَحُوْا، وَتَغْفِرُوْا، یہ سب امر کے صیغے ہیں اور ہم معنی الفاظ ہیں ان کو مکرر اس مقصد کیلئے لایا گیا ہے کہ عفو میں زیادہ رغبت دلانا ہے اور اس حکم کو بجالانے پر مکلفین کو آمادہ کرنا ہے۔

(۳) **تکرار کا تیسرا مقصد:** کبھی انذار یعنی ڈرانے اور دھمکانے کی تاکید ہوتی ہے اس لئے کلام مکرر لایا جاتا ہے جیسے اللہ تعالی کے اس قول میں كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ اس آیت میں كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ کو مکرر لایا گیا ہے مقصود اس سے انذار کی تاکید ہے، وہ اس طرح کہ كَلَّا حرف ردع ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں کو دنیا میں منہمک ہونے اور جی لگانے سے روکا جائے اور اس انہماک پر تنبیہ کی جائے اور سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ سے ڈرانا اور دھمکانا مقصود ہے لہذا اس جملے کو مکرر لانے سے زجر اور توبیخ کی تاکید ہے۔

قولہ وَمِنْهَا الْاِعْتِرَاضُ الخ

چھٹی قسم اعتراض: اطناب کی چھٹی قسم اعتراض ہے کہ کسی لفظ کا جملے کے اجزاء کے درمیان لانا یا ایسے دو جملوں کے درمیان لانا جو معنی کے اعتبار سے ایک دوسرے کے مربوط ہوں اور یہ جملہ معترضہ لانا کسی مقصد اور فائدے کیلئے ہو جیسے شاعر کے اس شعر میں

شعر اِنَّ الثَّمَانِيْنَ وَبُلِّغْتَهَا قَدْ اَحْوَجَتْ سَمْعِيْ اِلٰى تَرْجُمَانِ

شعر کی تشریح: بُلِّغْتَهَا، بُلِّغْتَ صیغہ واحد مذکر حاضر، بحث اثبات فعل ماضی مجہول از باب تفعیل بمعنی پہنچانا، اَحْوَجَتْ صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث اثبات فعل ماضی معروف، از باب افعال بمعنی محتاج بنانا، تَرْجُمَانِ بمعنی ایک زبان کے کلام کو دوسری زبان میں بیان کرنے والا یا دوسرے آدمی کے کلام کو دوہرانے والا، یہاں یہی معنی مراد ہے اس کو تَرْجُمَان اور تَرْجَمَان دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں البتہ تَرْجُمَان پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

شعر کا مطلب: بیشک اَسّی سال کی عمر نے اور خدا کرے تم بھی اس عمر تک پہنچائے جاؤ میرے کانوں کو عدم سماعت کی وجہ سے ایک ترجمان کا محتاج بنادیا ہے۔

محل استشہاد: اس شعر میں محل استشہاد وَبُلِّغْتَهَا ہے یہ جملہ معترضہ ہے جو اِنَّ اور اسکی خبر کے درمیان بغرض دعا لایا گیا ہے، اصل جملہ یوں ہے اِنَّ الثَّمَانِيْنَ قَدْ اَحْوَجَتْ سَمْعِیْ اِلٰی تَرْجُمَانِ، اور بُلِّغْتَهَا جملہ معترضہ ہے جو دعا کیلئے لایا گیا ہے اسلئے اس میں اطناب ہے، اور دوسری مثال جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنَاتِ سُبْحَانَهٗ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ اس آیت میں سُبْحَانَهٗ جملہ معترضہ ہے جو يَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنَاتِ اور وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ کے درمیان لایا گیا ہے، اس جملہ معترضہ سے غرض اور مقصود تنزیہ اور تقدیس باری تعالیٰ ہے اور سُبْحَانَهٗ یہ جملہ معترضہ ہے اور یہ اطناب ہے (اور یہ مفعول مطلق ہے اسکا فعل محذوف ہے اصل میں یوں ہے اُسَبِّحُهٗ)

دو مربوط المعنی جملوں کے درمیان جملہ معترضہ لانے کی مثال کتاب میں نہیں ہے اس کی مثال یہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ نِسَائُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ اس آیت میں فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اور نِسَائُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ دو جملے ہیں اور معنی کے اعتبار سے باہم مربوط

ہیں کیونکہ نِسَائُکُمْ الخ، فَأْتُوْهُنَّ کا بیان ہے اور ان دونوں جملوں کے درمیان اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ جملہ معترضہ ہے۔

وَمِنْهَا الْاِيْغَالُ وَهُوَ خَتْمُ الْكَلَامِ بِمَا يُفِيْدُ غَرَضًا يَتِمُّ الْمَعْنٰى بِدُوْنِهٖ كَالْمُبَالَغَةِ فِيْ قَوْلِ الْخَنْسَاءِ

وَاِنَّ صَخْرًا لَتَأْتَمُّ الْهُدَاةُ بِهٖ ☆ كَاَنَّهٗ عَلَمٌ فِيْ رَأْسِهٖ نَارٌ

وَمِنْهَا التَّذْيِيْلُ وَهُوَ تَعْقِيْبُ الْجُمْلَةِ بِاُخْرٰى تَشْتَمِلُ عَلٰى مَعْنَاهَا تَاكِيْدًا لَهَا وَهُوَ اِمَّا اَنْ يَّكُوْنَ جَارِيًا مَجْرَى الْمَثَلِ لِاسْتِقْلَالِ مَعْنَاهُ وَاسْتِغْنَائِهٖ عَمَّا قَبْلَهٗ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى "جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا"

وَاِمَّا اَنْ يَكُوْنَ غَيْرَ جَارٍ مَجْرَى الْمَثَلِ لِعَدَمِ اِسْتِغْنَائِهٖ عَمَّا قَبْلَهٗ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى "ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا وَهَلْ نُجَازِيْ اِلَّا الْكَفُوْرَ"

وَمِنْهَا الْاِحْتِرَاسُ وَهُوَ اَنْ يُّؤْتٰى فِيْ كَلَامٍ يُوْهِمُ خِلَافَ الْمَقْصُوْدِ بِمَا يَدْفَعُهٗ نَحْوُ

فَسَقٰى دِيَارَكَ غَيْرُ مُفْسِدِهَا ☆ صَوْبُ الرَّبِيْعِ وَدِيْمَةٌ تَهْمِيْ

وَمِنْهَا التَّكْمِيْلُ وَهُوَ اَنْ يُّؤْتٰى بِفَضْلَةٍ تَزِيْدُ الْمَعْنٰى حُسْنًا نَحْوُ "وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ" اَىْ مَعَ حُبِّهٖ وَذٰلِكَ اَبْلَغُ فِى الْكَرَمِ

ترجمہ: اور اطناب کی قسموں میں سے ایغال ہے وہ کلام کو ایسے لفظ سے ختم کرنا جو کسی ایسی غرض کا فائدہ دے جس کے بغیر بھی معنی پورا ہو جاتا ہے جیسا کہ مبالغہ حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کے قول میں "بیشک صخر کی اتباع کرتے ہیں رہبرانِ قوم، گویا کہ وہ پہاڑ ہے جس کی چوٹی پر آگ ہے" اور انہیں میں سے تذییل ہے وہ ایک جملے کے بعد دوسرے جملے کا لانا ہے جو پہلے جملے کے معنی پر مشتمل ہو اس کی تاکید کیلئے ہو اور یہ یا تو قائم مقام ضرب المثل کے ہوگا اس کے معنی کے مستقل ہونے کی وجہ سے اور اپنے ماقبل سے مستغنی ہونے کی وجہ سے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ

اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا حق آ گیا اور باطل مٹ گیا بیشک باطل ہے ہی مٹنے والا۔

اور یہ یا تو ضرب المثل کے قائم مقام نہیں ہوگا اس سبب سے کہ وہ اپنے ماقبل سے مستغنی نہیں ہے جیسے اللہ تعالی کا قول ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ الخ ''وہ بدلہ دیا ہم نے ان کفار کو ان کے کفر کے سبب سے اس قسم کا خاص بدلہ نہیں دیتے مگر کافروں اور ناشکروں کو''

اور انہی میں سے احتراس ہے وہ کہ کلام میں ایسی چیز لائی جائے جو خلاف مقصود پیدا ہونے والے وہم کو ختم کر دے جیسے اس شعر میں ہے

''بغیر نقصان کیے ہوئے سیراب کرے تیری بستیوں کو، موسم بہار کی بارش موسلا دار مینہ''

اور انہی میں سے تکمیل ہے اور وہ یہ کہ کلام میں کوئی ایسا زائد لفظ لایا جائے جو معنی کے حسن میں اضافہ کر دے جیسے وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ الخ ''وہ کھانا کھلاتے ہیں باوجود اس کی محبت ہونے کے یعنی کھانے کی چاہت کے باوجود اور یہ انتہائی درجہ کی سخاوت ہے''۔

تجزیہ عبارت: مذکورہ عبارت میں صاحب دروس البلاغہ نے اطناب کی قسموں میں سے ایغال، تذییل، احتراس اور تکمیل کو بیان کیا ہے اور ہر ایک کی مثالوں کے ساتھ وضاحت کی ہے۔

قوله وَمِنْهَا الْإِيْغَالُ الخ

ساتویں قسم ایغال: یہاں سے مصنفؒ اطناب کی قسموں میں سے ساتویں قسم ایغال کو بیان کر رہے ہیں، ایغال یہ اَوْغَلَ فِي الْبِلَادِ سے بنا ہے جس کا معنی ہے وہ دور چلا گیا جیسے وَغَلَ يَغِلُ وَغُوْلًا فِي الشَّيْئِ داخل ہو کر چھپ جانا، دور ہو جانا، اصطلاح میں ایغال کہتے ہیں کلام کو ایسے لفظ پر ختم کرنا جو کسی نکتہ کا فائدہ دے جس کے بغیر بھی معنیٰ مرادی پورا ہو جائے یعنی اس لفظ کو اگر نہ بھی ذکر کیا جائے تب بھی متکلم کا اصل مقصود پورا ہو جائے جیسا کہ وہ نکتہ خنساءؓ کے شعر میں مبالغہ ہے۔

شعر وَاِنَّ صَخْرًا لَتَأْتَمُّ الْهُدَاةُ بِهٖ ☆ كَاَنَّهٗ عَلَمٌ فِىْ رَأْسِهٖ نَارٌ

شعر کی تشریح: صَخْرًا یہ خنساءؓ کا بھائی ہے اس کے مرثیے پر انہوں نے اشعار کہے، تَأْتَمُّ صیغہ واحد مؤنث غائب بحث اثبات فعل مضارع معروف از باب افتعال بمعنی اقتدا کرنا، هُدَاةٌ یہ هادی کی جمع ہے جیسے قضاة، قاضی کی جمع بمعنی رہبر، راستہ بتلانے والا، عَلَمٌ اسکی جمع اَعلام آتی ہے بمعنی جھنڈا، قوم کا سردار، اونچا پہاڑ، علامت، نشانی لیکن یہاں معنی پہاڑ ہے۔

شعر کا مطلب: بیشک میرے بھائی صخر کی شخصیت اتنی بلند تھی کہ اس کی قوم کے سارے رہنما اور رہبران قوم اس کی اقتدا کیا کرتے تھے، گویا کہ وہ رفعت شان اور عزت کے اعتبار سے ایک اتنا بلند پہاڑ تھا جس کہ چوٹی پر آگ کا ایک شعلہ ہے جس سے ساری آبادی جگمگا رہی ہے، اور شعر میں صخر کو پہاڑ کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور وجہ تشبیہ اهتدا ہے کہ جس طرح پہاڑ سے رہنمائی حاصل کی جاتی ہے اسی طرح صخر سے بھی لوگ رہنمائی حاصل کرتے تھے۔

محل استشہاد: اس شعر میں محل استشہاد فِىْ رَأْسِهٖ نَارٌ ہے اور مقصود كَاَنَّهٗ عَلَمٌ تک حاصل ہو جاتا ہے لیکن مبالغہ کیلئے کلام کے آخر میں فِىْ رَأْسِهٖ نَارٌ بڑھا دیا گیا اور یہ اطناب ہے اگر اس کو ذکر نہ بھی کیا جاتا تب بھی کوئی فرق نہ پڑتا۔

قوله وَمِنْهَا التَّذْيِيْلُ الخ

آٹھویں قسم تذییل: یہاں سے مصنفؒ اطناب کی قسموں میں سے آٹھویں قسم تذییل کو بیان کر رہے ہیں تذییل کا معنی یہ ہے کہ ایک چیز کو دوسری چیز کے ذیل میں بیان کرنا، تذییل کی تعریف یہ ہے کہ ایک جملہ کے بعد دوسرا ایسا جملہ لایا جائے جو پہلے جملہ کے معنی پر مشتمل

ہواور اس کی تاکید ہو۔

تذییل کی دو قسمیں

تذییل کی دو قسمیں ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

پہلی قسم: پہلی قسم یہ ہے کہ جملہ ثانیہ ضرب المثل کے قائم مقام ہو اس سبب سے کہ اس کے معنی مستقل ہوں اور وہ اپنے ماقبل سے مستغنی ہو یعنی اس سے حکم کلی مقصود ہو اور ساتھ کثیر الوقوع ہو اور اپنے ماقبل سے بالکل جدا ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا قول جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا اس آیت میں دوسرا جملہ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا، افادہ معنی میں مستقل ہے اور پہلے جملے وَزَهَقَ الْبَاطِلُ پر موقوف نہیں اور استعمال بھی بطور ضرب المثل کے ہے، اور اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا بطور تذییل کے ہے کیونکہ پہلے جملے کے معنی پر مشتمل ہے اور تاکید بھی ہے اور یہی اطناب ہے۔

دوسری قسم: دوسری قسم یہ ہے کہ جملہ ثانیہ ضرب المثل کے قائم مقام نہ ہو اور افادہ معنی پر مستقل بھی نہ ہو بلکہ ماقبل پر موقوف ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے ذَالِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِمَا كَفَرُوْا وَهَلْ نُجَازِيْ اِلَّا الْكَفُوْرَ اس آیت میں جملہ ثانیہ وَهَلْ نُجَازِيْ اِلَّا الْكَفُوْرَ ضرب المثل کے قائم مقام نہیں یعنی مشہور جملہ نہیں جس طرح اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا مشہور اور ضرب المثل ہے، اور افادہ معنی میں بھی مستقل نہیں بلکہ پہلے جملہ کی تاکید ہے کیونکہ بات تو پہلے ہی جملہ میں پوری ہوگئی تھی لہذا هَلْ نُجَازِيْ اِلَّا الْكَفُوْرَ یہ تذییل ہے اور کلام میں یہی اطناب ہے۔

قوله وَمِنْهَا الْاِحْتِرَاسُ الخ

نویں قسم احتراس: یہاں سے مصنفؒ اطناب کی اقسام میں سے نویں قسم احتراس کو بیان کررہے ہیں احتراس کی تعریف یہ ہے کہ کلام میں کوئی ایسا لفظ لایا جائے جو خلافِ مقصود پیدا

ہونے والے وہم کو زائل کر دے جیسے طرفہ بن عبد کے اس شعر میں

شعر فَسَقٰی دِیَارَکَ غَیْرَ مُفْسِدِھَا ☆ صَوْبُ الرَّبِیْعِ وَ دِیْمَۃٌ تَھْمِیْ

شعر کی تشریح: سَقٰی، صیغہ واحد مذکر غائب، بحث اثبات فعل ماضی معروف، از باب ضرب بمعنی سیراب کرنا، پانی پلانا، دِیَارَکَ ،دِیَارٌ یہ جمع ہے دَارٌ کی بمعنی گھر لیکن یہاں مراد ملک اور بستیاں ہیں غَیْرَ مُفْسِدِھَا ، مُفْسِدٌ صیغہ واحد مذکر، بحث اسم فاعل، از باب افعال بمعنی خراب کرنا، فساد کرنا، غَیْرَ مُفْسِدِھَا یہ حال بن رہا ہے سَقٰی یا تَھْمِیْ کی ضمیر فاعل سے بمعنی اس حال میں کہ وہ خرابی ظاہر نہ کرے، صَوْبٌ بمعنی بارش، صَابَ یَصُوْبُ صَوْبًا از باب نصر خوب بارش کا ہونا، اوپر سے اترنا، صَوْبُ الرَّبِیْعِ موسم بہار میں بارش کا آنا، دِیْمَۃٌ کی جمع دُیُوْمٌ اور دِیَمٌ آتی ہے بمعنی مسلسل بارش جس میں گرج اور چمک نہ ہو اور دیمۃ ایسی مسلسل بارش جس کی اول مدت تین دن اور تین راتیں اور اکثر مدت ایک ہفتہ ہو، تَھْمِیْ صیغہ واحد مذکر غائب، بحث اثبات فعل مضارع معروف، از باب ضرب بمعنی جاری ہونا۔

شعر کا مطلب: شاعر اس شعر میں اپنے ممدوح کو دعا دیتے ہوئے کہتا ہے کہ موسم بہار کی بارش اور بہتی ہوئی جم کر برسنے والی بارش تمہارے ملک کو سرسبز و شاداب کرے اس حال میں کہ وہ ملک میں کسی قسم کی تباہی اور خرابی پیدا نہ کرے۔

محل استشہاد: اس شعر میں محل استشہاد غَیْرُ مُفْسِدِھَا ہے اس نے اس وہم کو دور کر دیا جو کلام کے پہلے حصے میں پایا جاتا تھا یعنی یہ وہم تھا کہ جب اس قدر زوردار بارش ہو گی تو سارا ملک غرق ہو کر تباہ ہو جائے گا تو یہ بددعا کی قبیل سے ہو جاتا اور یہ متکلم کے مقصد کے خلاف تھا تو اس وہم کو دور کرنے کیلئے غَیْرُ مُفْسِدِھَا لایا گیا تاکہ یقین ہو جائے کہ شاعر نے دعا کی ہے کہ ایسی بارش ہو جس سے ملک کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے اور یہ غَیْرُ مُفْسِدِ ھَا اطناب ہے کیونکہ کلام اس

کے بغیر بھی پورا تھا۔

قولہ وَمِنْهَا التَّكْمِيلُ الخ

دسویں قسم تکمیل: یہاں سے مصنفؒ اطناب کی قسموں میں سے دسویں قسم تکمیل کو بیان کر رہے ہیں، تکمیل کی تعریف یہ ہے کہ کلام میں کوئی ایسا لفظ بڑھا دیا جائے جو معنی کے حسن کو بڑھا دے یعنی معنوی حسن اور خوبی پیدا کرنے کیلئے مکمل کلام میں کسی ایسی چیز کا اضافہ کر دیا جائے جس کے بغیر بھی کلام کے معنی درست ہوں جیسے مبالغہ پیدا کرنے کے لئے کسی لفظ کا اضافہ کر دیا جائے جیسے وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ اس آیت میں عَلٰى حُبِّهٖ لفظ کا اضافہ ہے اگر اس لفظ کو نہ بھی بڑھایا جاتا تب بھی سخاوت کا اثبات ثابت ہو جاتا تھا، لیکن سخاوت میں مبالغہ پیدا کرنے کیلئے عَلٰى حُبِّهٖ کا اضافہ کیا گیا کہ باوجود طعام کی چاہت اور خود محتاج ہونے کے باوجود مسکین، یتیم اور قیدیوں کو کھلانا انتہائی زیادہ درجے کی سخاوت ہے، عَلٰى حُبِّهٖ کلام میں تکمیل ہے اور یہی اطناب ہے۔

اَلْخَاتِمَةُ

فِیْ اِخْرَاجِ الْكَلَامِ عَلٰی خِلَافِ مُقْتَضَی الظَّاهِرِ

اِیْرَادُ الْكَلَامِ عَلٰی حَسْبِ مَا تَقَدَّمَ مِنَ الْقَوَاعِدِ یُسَمّٰی اِخْرَاجُ الْكَلَامِ عَلٰی مُقْتَضَی الظَّاهِرِ وَقَدْ تَقْتَضِي الْاَحْوَالُ الْعُدُوْلَ عَنْ مُّقْتَضَی الظَّاهِرِ وَیُوْرَدُ الْكَلَامُ عَلٰی خِلَافِهٖ فِیْ اَنْوَاعٍ مَّخْصُوْصَةٍ

مِنْهَا تَنْزِیْلُ الْعَالِمِ بِفَائِدَةِ الْخَبَرِ اَوْلَازِمِهَا مَنْزِلَةَ الْجَاهِلِ بِهَا لِعَدَمِ جَرْیِهٖ عَلٰی مُوْجِبِ عِلْمِهٖ فَیُلْقٰی اِلَیْهِ الْخَبَرُ كَمَا یُلْقٰی اِلَی الْجَاهِلِ كَقَوْلِكَ لِمَنْ یُّؤْذِیْ اَبَاهُ هٰذَا اَبُوْكَ

وَمِنْهَا تَنْزِیْلُ غَیْرِ الْمُنْكِرِ مَنْزِلَةَ الْمُنْكِرِ اِذَالَاحَ عَلَیْهِ شَیْءٌ مِّنْ عَلَامَاتِ الْاِنْكَارِ فَیُؤَكَّدُ لَهٗ نَحْوُ، جَاءَ شَقِیْقٌ عَارِضًا رُمْحَهٗ ☆ اِنَّ بَنِیْ عَمِّكَ فِیْهِمْ رِمَاحٌ

وَكَقَوْلِكَ لِلسَّائِلِ الْمُسْتَبْعِدِ حُصُوْلَ الْفَرَجِ اِنَّ الْفَرَجَ لَقَرِیْبٌ

وَتَنْزِیْلُ الْمُنْكِرِ اَوِ الشَّآكِّ مَنْزِلَةَ الْخَالِیْ اِذَاكَانَ مَعَهٗ مِنَ الشَّوَاهِدِ مَا اِذَا تَاَمَّلَهٗ زَالَ اِنْكَارُهٗ اَوْ شَكُّهٗ كَقَوْلِكَ لِمَنْ یُّنْكِرُ مَنْفَعَةَ الطِّبِّ اَوْ یَشُكُّ فِیْهَا "اَلطِّبُّ نَافِعٌ"

وَمِنْهَا وَضْعُ الْمَاضِیْ مَوْضِعَ الْمُضَارِعِ لِغَرَضٍ كَالتَّنْبِیْهِ عَلٰی تَحَقُّقِ الْحُصُوْلِ نَحْوُ "اَتٰی اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ" اَوِ التَّفَاؤُلِ نَحْوُ "اِنْ شَفَاكَ اللّٰهُ الْیَوْمَ تَذْهَبْ مَعِیْ غَدًا" وَعَكْسُهٗ اَیْ وَضْعُ الْمُضَارِعِ مَوْضِعَ الْمَاضِیْ لِغَرَضٍ كَاسْتِحْضَارِ الصُّوْرَةِ الْغَرِیْبَةِ فِی الْخِیَالِ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰی "وَهُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ الرِّیَاحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا" اَیْ فَاَثَارَتْ وَاِفَادَةِ الْاِسْتِمْرَارِ فِی الْاَوْقَاتِ الْمَاضِیَةِ نَحْوُ "لَوْ یُطِیْعُكُمْ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ" اَیْ لَوِ اسْتَمَرَّ عَلٰی اِطَاعَتِكُمْ

خاتمہ

کلام کو مقتضائے ظاہر کے خلاف استعمال کرنے کے سلسلے میں

ترجمہ: کلام کو سابقہ قواعد کے مطابق لانے کو اِخْرَاجُ الْکَلَامِ عَلٰی مُقْتَضَی الظَّاهِرِ کے نام سے پکارا جاتا ہے، اور کبھی احوال مقتضائے ظاہر سے عدول کرنے کا بھی تقاضا کرتے ہیں اور لایا جاتا ہے کلام کو مقتضائے ظاہر کے خلاف مخصوص قسموں پر، انہی مخصوص قسموں میں سے ایسے شخص کو جو فائدہ خبر یا لازم فائدہ خبر کو جانتا ہو ایسے شخص کے مرتبے میں اتار لیا جاتا ہے جو اس کو نہ جانتا ہو، اپنے علم کے مطابق عمل نہ کرنے کی وجہ سے اس کے سامنے اس طرح خبر پیش کی جائے گی جس طرح کہ نہ جاننے والے کے سامنے پیش کی جاتی ہے جیسے تیرا قول ایسے شخص سے جو اپنے باپ کو تکلیف دیتا ہو هٰذَا اَبُوْكَ یہ تمہارا باپ ہے۔

اور انہی قسموں میں سے غیر منکر کو منکر کے درجے میں اتار لینا ہے، جب کہ علامات انکار میں سے کوئی ایک علامت اس پر ظاہر ہو پس اس کے لئے کلام کو مؤکد لایا جاتا ہے جیسے شقیق آیا اس حال میں کہ اپنے نیزے کو عرضا رکھے ہوئے، بیشک تیرے چچا زاد بھائیوں کے پاس نیزے ہیں، اور جیسے تمہارا قول اس سائل کیلئے جو کشادگی کے حصول کو دور سمجھتا ہو اِنَّ الْفَرَجَ لَقَرِیْبٌ بیشک کشادگی بہت قریب ہے۔

اور کبھی منکر اور شک کرنے والے کو خالی ذہن کے درجے میں اتار لینا ہے جب اس کے پاس ایسے دلائل ہوں جب وہ ان دلائل میں تھوڑا سا بھی غور کرے اسکا انکار یا شک دور ہو جائے جیسا تیرا قول اس شخص کیلئے جو فن طب کے فوائد کا انکار کرے یا اس میں شک کرے اَلطِّبُّ نَافِعٌ فن طب نفع مند ہے، اور انہی قسموں میں سے ماضی کو مضارع کی جگہ استعمال کرنا ہے کسی غرض کیلئے جیسے کسی چیز کے حصول کی تحقیق پر تنبیہ کرنا جیسے "اللہ تعالی کا حکم آچکا پس تم لوگ اس کو جلدی طلب کرنے والے نہ ہو"

یا نیک فالی لینے کیلئے جیسے ''اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے آج شفا بخش دی تو کل میرے ساتھ چلنا'' اور اس کے برعکس یعنی مضارع کو استعمال کرنا ہے ماضی کی جگہ پر کسی غرض کیلئے جیسے اس عجیب غریب صورت کا حاصل کرنا ہے خیال میں جیسے اللہ تعالیٰ کا قول وَهُوَ الَّذِیْ الخ ''وہی خدا تو ہے کہ جس نے ہواؤں کو بھیجا پھر وہ ہوائیں بادلوں کو اِدھر اُدھر اڑاتی رہتی ہیں'' یعنی ان ہواؤں نے اڑایا، اور گذشتہ اوقات میں استمرار کا فائدہ دینے کیلئے جیسے لَوْ یُطِیْعُکُمْ الخ ''اگر رسول تمہاری اطاعت کرتے رہیں بہت ساری چیزوں میں البتہ تم مشقت میں پڑ جاتے'' یعنی اگر رسول ہمیشہ تمہاری بات ماننے میں رہیں۔

تجزیہ عبارت : مذکورہ عبارت میں مصنفؒ نے مقتضائے ظاہر کے خلاف کلام کے استعمال کے مواقع بتلائے ہیں اور ہر ایک جگہ کی مثالوں کے ساتھ الگ الگ وضاحت کی ہے۔

تشریح : قوله هٰذِهِ الْخَاتِمَةُ فِیْ اِخْرَاجِ الْكَلَامِ الخ

خاتمہ کلام کو مقتضائے ظاہر کیخلاف استعمال کرنیکے سلسلے میں :

مصنفؒ نے جب علم معانی کو شروع کیا تھا تو اس وقت فرمایا تھا علم معانی کی بحث آٹھ ابواب اور ایک خاتمہ پر منحصر ہوگی اب تک تو آٹھ ابواب پر گفتگو ہوتی رہی اس سے فارغ ہونے کے بعد اب خاتمہ میں مصنفؒ علم معانی کے متعلق کچھ مزید باتیں بیان کر رہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اگر کلام کو گذشتہ قواعد کے مطابق استعمال کیا جائے تو اسے بلغاء کی اصطلاح میں اِخْرَاجُ الْكَلَامِ عَلٰی مُقْتَضَى الظَّاهِرِ کہا جاتا ہے مقتضی ظاہر کی تعریف وغیرہ بلاغت کلام میں گذر چکی ہے، لیکن کبھی کبھی احوال اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ کلام مقتضائے ظاہر کے خلاف کیا جائے چنانچہ ایسا موقع پر کلام کو مقتضائے ظاہر کے خلاف لایا جاتا ہے۔

قوله وَیُوْرَدُ الْكَلَامُ عَلٰی خِلَافِهٖ الخ

کلام کو مقتضائے ظاہر کے خلاف استعمال کرنے کی قسمیں

یہاں سے مصنفؒ نے کلام کو مقتضائے ظاہر کے خلاف استعمال کرنے کی نو قسمیں بیان فرمائی ہیں اور ہر ایک قسم کو الگ الگ مثال کے ساتھ واضح کیا ہے مذکورہ عبارت میں تین قسمیں بیان کی ہیں۔

قولہ مِنْهَا تَنْزِيْلُ الْعَالِمِ الخ

(۱) **پہلی قسم تنزیل العالم منزلۃ الجاہل**: کلام کو مقتضائے ظاہر کے خلاف لانے کی پہلی قسم یہ ہے کہ جو شخص فائدہ خبر یا لازم فائدہ خبر کو جانتا ہو پھر بھی اپنے علم کے مطابق اس پر عمل نہ کرے تو اسے بمنزلہ جاہل سمجھ کر اس سے ایسے ہی کلام کیا جاتا ہے جیسا کہ کسی جاہل سے کلام کیا جاتا ہے، کیونکہ اس عالِم کی خبر کا علم جاہلوں کی طرح ہے جیسے کوئی شخص اپنے باپ کو مار رہا ہو تو دوسرا شخص اس سے کہے هٰذَا اَبُوْكَ یہ تیرا باپ ہے، ظاہر ہے کہ بیٹے کو علم ہے کہ یہ میرا باپ ہے، تو یہاں خبر دینا مقصود نہیں بلکہ شرم و عار دلانا مقصود ہے کہ کبھی بیٹا بھی اپنے باپ کو مارتا ہے تمہیں اس کمینگی سے باز آجانا چاہیے، یا کسی بے نمازی عالم سے کہا جائے اَلصَّلٰوةُ وَاجِبَةٌ کہ نماز فرض ہے۔

قولہ مِنْهَا تَنْزِيْلُ غَيْرِ الْمُنْكِرِ الخ

(۲) **دوسری قسم تنزیل غیر المنکر منزلۃ المنکر**: کلام کو مقتضائے ظاہر کے خلاف لانے کی دوسری قسم یہ ہے کہ غیر منکر کو منکر فرض کر لیا جائے جب غیر منکر مخاطب پر انکار کی علامتوں میں سے کوئی ایک علامت ظاہر ہو جائے جس سے یہ گمان ظاہر ہو کہ مخاطب خبر کا منکر ہے حالانکہ حقیقتاً ایسا نہیں، تو ایسے شخص کیلئے کلام مؤکد لایا جاتا ہے جیسے کسی منکر کیلئے کلام مؤکد لایا جاتا ہے، جحل بن نضلہ کے شعر میں غیر منکر کو منکر کے مرتبے میں فرض کر کے کلام کو مؤکد لایا گیا ہے۔

شعر جَاءَ شَقِيْقٌ عَارِضًا رُمْحَهٗ إِنَّ بَنِيْ عَمِّكَ فِيْهِمْ رِمَاحٌ

شعر کی تشریح: جَاءَ صیغہ واحد مذکر غائب، بحث اثبات فعل ماضی معروف، از باب ضرب بمعنی آنا، عَارِضًا صیغہ واحد مذکر، بحث اسم فاعل، از باب ضرب بمعنی چوڑائی میں رکھنا، رُمْحَهٗ بمعنی اپنا نیزہ، رَمَحَ از باب فتح بمعنی نیزہ مارنا، رَامِحٌ نیزہ مارنے والا، رُمْحٌ کی جمع رِمَاحٌ، اَرْمَاحٌ آتی ہے، بَنِیْ عَمِّكَ بمعنی تیرے چچازاد بھائی، رِمَاحٌ یہ رُمْحٌ کی جمع ہے بمعنی نیزے۔

شعر کا مطلب: شقیق آیا اس حال میں کہ اپنے نیزے کو چوڑان میں رکھے ہوئے تھا اس چال کو دیکھ کر کسی نے کہا کہ بیشک تیرے چچازاد بھائیوں کے پاس بہت سے نیزے ہیں۔

محل استشہاد: شقیق کو اپنے مخالفین کے پاس ہتھیار اور نیزے ہونے کا انکار نہیں ہے البتہ اس کا غافل طریقہ سے آنا اور اپنے نیزے کو رانوں پر چوڑا رکھ کر آنا گویا کہ اس بات کا انکار ہے کہ دشمنوں کے پاس نیزے نہیں ہیں اس علامت کو منکر کے درجے میں قرار دے کر اِنَّ بَنِیْ عَمِّكَ فِيْهِمْ رِمَاحٌ کو مؤکد لایا گیا اور یہی محل استشہاد ہے۔

اور اسی طرح دوسری مثال اس سائل کو منکر کے درجے میں سمجھ لینا جو فراخی اور خوشحالی کے حصول کو مستبعد سمجھتا ہو جیسے اِنَّ الْفَرَجَ لَقَرِيْبٌ بیشک خوشحالی قریب ہے، اس مثال میں اِنَّ اور لام تاکید کے ساتھ کلام کو مؤکد لایا گیا ہے۔

قوله وَتَنْزِيْلُ الْمُنْكِرِ أَوِ الشَّاكِّ الخ

کبھی منکر یا شاک فی الحکم کو خالی الذہن سمجھا جاتا ہے

کلام کو مقتضائے ظاہر کے خلاف لانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ منکر یا شک کرنے والے شخص کو خالی الذہن کے مرتبہ میں اتار لیا جاتا ہے یہ اس وقت ہوتا ہے جب اس منکر یا شاک

کے پاس کچھ ایسے دلائل اور شواہد ہوں جب وہ ان میں غور و فکر کرے گا تو اس کا انکار یا شک دور ہو جائے گا جیسے کوئی طب کی افادیت کا منکر یا شک کرنے والا ہو تو اس سے کہا جائے اَلطِّبُّ نَافِعٌ طب نفع مند ہے، چونکہ منکر یا شک کرنے والے کو خالی الذہن کے درجے میں اتارا گیا ہے اس لئے اَلطِّبُّ نَافِعٌ بغیر تاکید کے ذکر کیا گیا ہے کیونکہ خالی الذہن کے سامنے بغیر تاکید کے کلام لایا جاتا ہے۔

قولہ وَمِنْهَا وَضْعُ الْمَاضِیْ مَوْضِعَ الْمُضَارِعِ الخ

(۳) **تیسری قسم وضع الماضی موضع المضارع:** مقتضائے ظاہر کے خلاف کلام لانے کی تیسری قسم یہ ہے کہ کسی مقصد کیلئے فعل مضارع کی جگہ فعل ماضی کو استعمال کیا جائے پھر اس کی دو غرضیں ہیں۔

پہلی غرض: پہلی غرض یہ ہے کہ اس بات پر تنبیہ کرنے کیلئے کہ یہ متوقع الوقوع ایسا یقینی امر ہے گویا کہ وہ متحقق ہو چکا ہے اس لئے فعل مضارع کی جگہ فعل ماضی استعمال کی جاتی ہے کیونکہ فعل ماضی کی دلالت ثبوت اور یقین پر ہوتی ہے جیسے اَتٰی اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ اللہ تعالی کا حکم آچکا پس تم اسکے جلد آنے کے طلب گار نہ بنو، اس آیت میں مقتضائے ظاہر یہ تھا کہ یَأْتِیْ فعل مضارع لایا جاتا کیونکہ اللہ کا امر ابھی آیا نہیں، بلکہ آئندہ آئے گا چونکہ اسکا وقوع یقینی ہے اسلئے فعل ماضی اَتٰی لائے گویا کہ وہ ماضی میں ہو چکا۔

دوسری غرض: دوسری غرض یہ ہے کہ نیک فال اور اچھے شگون کیلئے فعل مضارع کی جگہ فعل ماضی کو استعمال کرتے ہیں جیسے اِنْ شَفَاكَ اللّٰهُ الْيَوْمَ تَذْهَبُ مَعِیْ غَدًا ''اگر اللہ تعالی تجھے آج شفا دے دیں تو کل تو میرے ساتھ چلنا'' اس مثال میں مقتضائے ظاہر یہ تھا کہ اَنْ يَشْفِيَكَ کہا جائے کیونکہ اِنْ شرطیہ استقبال کیلئے آتا ہے اس لئے شرط اور جزا دونوں فعل

مضارع ہونے چاہیے لیکن اچھی فال لیتے ہوئے فعل مضارع کی جگہ فعل ماضی استعمال کی گئی ہے گویا کہ شفا حاصل ہو چکی ہے۔

قوله وَعَكْسُهُ أَيْ وَضْعُ الْمُضَارِعِ الخ

وضع المضارع موضع الماضی

یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ جیسے خلاف مقتضائے ظاہر میں یہ ہے کہ فعل مضارع کی جگہ فعل ماضی کو استعمال کیا جاتا ہے ایسے ہی اس کے برعکس کبھی کبھی فعل ماضی کی جگہ فعل مضارع کو استعمال کیا جاتا ہے اس کی دو غرضیں ہیں۔

پہلی غرض: پہلی غرض یہ ہے کہ عجیب وغریب صورت جو اللہ تعالی کی قدرت پر دال ہے جو پہلے سے ذہن کے اندر تھی اس کو مستحضر کرنا گویا کہ ابھی اس کا وقوع ہو رہا ہے اور ہم اس کو دیکھ رہے ہیں جیسے اللہ تعالی کا قول ہے وَهُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ الرِّيَاحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا وہی خدا تو ہے جس نے ہواؤں کو بھیجا پھر وہ بادل کو ایک طرف سے دوسری طرف اڑاتی رہتی ہیں، اس آیت میں فَتُثِيْرُ فعل مضارع کی جگہ فَاَثَارَتْ فعل ماضی ہونا چاہیے تھا کیونکہ ہواؤں کے ذریعے بادلوں کا اٹھنا اور جمع ہونا اب موجود نہیں ہے اس کا وقوع ہو چکا ہے لیکن یہ اللہ تعالی کی قدرت کا عجیب کرشمہ گویا کہ اب بھی ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہے اس لئے فعل مضارع کو استعمال کیا گیا ہے۔

دوسری غرض: دوسری غرض یہ ہے کہ کبھی فعل ماضی کی جگہ فعل مضارع اس لئے استعمال کرتے ہیں تا کہ فعل مضارع گذشتہ زمانوں میں استمرار کا فائدہ دے گویا کہ یہ فعل زمانہ ماضی سے حاصل ہو کر ہمیشہ اب تک چلا آ رہا ہے کبھی بھی اس کا انقطاع نہیں ہوا جیسے لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ اگر رسول تمہاری باتیں مان لیا کریں بہت سے معاملات میں تو تم مصیبت میں پڑ جاؤ گے اس آیت میں لَوْ حرف شرط فعل مضارع پر داخل ہے حالانکہ یہ فعل ماضی پر

داخل ہوتا ہے تو مقتضائے ظاہر یہ تھا کہ لَوْ اَطَاعَكُمْ کہا جاتا لیکن ایام گذشتہ میں استمرار کا فائدہ دینے کیلئے فعل مضارع کا استعمال کیا گیا، کہ اگر تمام معاملات میں تمہاری بات مانتے چلے آتے تو تم مشقت میں پڑ جاتے سخت احکام کے مکلف بنا دیے جاتے چونکہ تمام معاملات میں تمہاری اطاعت نہیں کی اس لئے تم پر مشکل احکام بھی لاگو نہیں ہوئے۔

وَمِنْهَا وَضْعُ الْخَبَرِ مَوْضِعَ الْاِنْشَاءِ لِغَرَضٍ كَالتَّفَاؤُلِ نَحْوُ "هَدَاكَ اللّٰهُ لِصَالِحِ الْاَعْمَالِ" وَاِظْهَارِ الرَّغْبَةِ نَحْوُ "رَزَقَنِیَ اللّٰهُ لِقَائَكَ" وَالْاِحْتِرَازِ عَنْ صُوْرَةِ الْاَمْرِ تَاَدُّبًا كَقَوْلِكَ "يَنْظُرُ مَوْلَایَ فِیْ اَمْرِیْ"

وَعَكْسُهُ اَیْ وَضْعُ الْاِنْشَاءِ مَوْضِعَ الْخَبَرِ لِغَرَضٍ كَاِظْهَارِ الْعِنَايَةِ بِالشَّیْءِ نَحْوُ "قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ" لَمْ يَقُلْ وَاِقَامَةِ وُجُوْهِكُمْ عِنَايَةً بِاَمْرِ الصَّلٰوةِ

وَالتَّحَاشِیْ عَنْ مُوَازَاةِ اللَّاحِقِ بِالسَّابِقِ نَحْوُ "قَالَ اِنِّیْ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْا اَنِّیْ بَرِیْءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ" لَمْ يَقُلْ وَاُشْهِدُكُمْ تَحَاشِيًا عَنْ مُوَازَاةِ شَهَادَتِهِمْ بِشَهَادَةِ اللّٰهِ، وَالتَّسْوِيَةِ نَحْوُ "اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ"

وَمِنْهَا الْاِضْمَارُ فِیْ مَقَامِ الْاِظْهَارِ لِغَرَضٍ، كَادِّعَاءِ اَنَّ مَرْجِعَ الضَّمِيْرِ دَائِمُ الْحُضُوْرِ فِی الذِّهْنِ كَقَوْلِ الشَّاعِرِ

اَبَتِ الْوِصَالَ مَخَافَةَ الرُّقَبَاءِ ☆ وَاَتَتْكَ تَحْتَ مَدَارِعِ الظُّلْمَاءِ

اَلْفَاعِلُ ضَمِيْرٌ لَّمْ يَتَقَدَّمْ لَهُ مَرْجِعٌ فَمُقْتَضَى الظَّاهِرِ الْاِظْهَارُ وَتَمْكِيْنُ مَا بَعْدَ الضَّمِيْرِ فِیْ نَفْسِ السَّامِعِ لِتَشَوُّقِهِ اِلَيْهِ اَوَّلًا نَحْوُ

هِیَ النَّفْسُ مَا حَمَّلْتَهَا تَتَحَمَّلُ ☆ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ نِعْمَ تِلْمِيْذُ الْمُؤَدَّبُ

وَعَكْسُهُ اَیِ الْاِظْهَارُ فِیْ مَقَامِ الْاِضْمَارِ لِغَرَضٍ كَتَقْوِيَةِ دَاعِی الْاِمْتِثَالِ كَقَوْلِكَ لِعَبْدِكَ سَيِّدُكَ يَاْمُرُكَ بِكَذَا

ترجمہ: اور اس مقتضائے ظاہر کے خلاف میں سے ہے خبر کو انشاء کی جگہ رکھنا کسی غرض کیلئے جیسے نیک فال لینا مثلاً هَدَاكَ اللّٰهُ الخ اللہ تعالیٰ تم کو نیک اعمال کی ہدایت دے، اور اظہار رغبت کیلئے جیسے رَزَقَنِیَ اللّٰهُ الخ "اللہ تعالیٰ مجھے تمھاری ملاقات نصیب کرے" اور ادب کیوجہ سے امر کی صورت سے بچنا جیسے تیرا قول يَنْظُرُ مَوْلَایَ الخ میرے آقا میرے معاملے میں سوچ رہے ہیں۔

اور اس کے برعکس یعنی خبر کی جگہ انشاء کا رکھنا کسی غرض کیلئے جیسا کہ کسی چیز پر خاص توجہ کے اظہار کیلئے جیسے قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ الخ آپ ﷺ کہہ دیجئے حکم دیا ہے مجھے میرے رب نے انصاف کرنے کا اور یہ کہ تم سیدھے رکھو اپنے چہروں کو ہر نماز کے وقت یعنی قبلہ کی طرف اور حکم صلوٰۃ کی اہمیت کا لحاظ کر کے وَاِقَامَةِ وُجُوْهِكُمْ نہیں کہا۔

اور برأت ظاہر کرنے کیلئے اس بات سے کلام لاحق کلام سابق کے مقابلے میں ہو جائے جیسے قَالَ اِنِّیْ اُشْهِدُ اللّٰهَ الخ حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا بیشک میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں ان تمام چیزوں سے بیزار ہوں جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو، یہاں وَاُشْهِدُكُمْ نہیں کہا ان لوگوں کی شہادت کو اللہ کی شہادت کے مقابل کرنے سے بیزاری کے اظہار کیلئے۔

اور برابری قائم کرنا جیسے اَنْفِقُوْا طَوْعًا الخ کہ تم خواہ خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے ہرگز تمہارا خرچ کرنا قبول نہیں کیا جائے گا، اور اس مقتضائے ظاہر کے خلاف میں سے ہے اسم ظاہر کی جگہ ضمیر لانا ہے کسی غرض کیلئے جیسا کہ اس بات کا دعویٰ کرنا کہ ضمیر کا مرجع ہمیشہ ذہن میں موجود رہتا ہے جیسا کہ شاعر کا قول "اس نے رقیبوں کے ڈر سے وصال سے انکار کر دیا، حالانکہ وہ اندھیری رات کے پردوں کے نیچوں سے تیرے پاس آتی ہے" اس شعر میں اَبَتْ اور اَتَتْ میں فاعل ضمیر ہے، جس کا مرجع پہلے مذکور نہیں ہوا تو ظاہر کلام کا مقتضیٰ یہ ہے کہ فاعل یہاں ظاہر ہوتا، اور جیسے ضمیر کے بعد آنے والی شے کو سامع کے ذہن میں راسخ کرنا ہے تا کہ سامع شروع ہی سے

اس شے کا مشتاق رہے جیسے "وہ نفس یہی تو ہے جب تک تم اسے اپنے اوپر لادے رہو گے وہ لادا ہی رہیگا، وہ اللہ ایک ہی ہے، اچھا ہے باادب شاگرد" اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے کہ اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ لایا جائے کسی غرض کیلئے جیسے امتثال امر کے سبب کی تقویت کیلئے جیسے تیرا قول اپنے غلام سے "تیرا آقا تجھ کو اس طرح کرنے کا حکم دے رہا ہے"۔

تجزیہ عبارت : مذکورہ عبارت میں مصنفؒ مقتضائے ظاہر کیخلاف کلام لانیکے مواقع میں سے چوتھی اور پانچویں قسم کو بیان کررہے ہیں اور مثالوں کیساتھ وضاحت کررہے ہیں۔

تشریح : قوله وَمِنْهَا وَضْعُ الْخَبَرِ مَوْضِعَ الْاِنْشَاءِ الخ

(۴) چوتھی قسم وضع الخبر موضع الانشاء : مقتضائے ظاہر کے خلاف کلام لانے کی چوتھی قسم یہ ہے کہ خبر کو انشاء کی جگہ لانا کسی غرض کیلئے اس کی کئی غرضیں ہیں۔

پہلی غرض : نیک فال اور اچھا شگون لینے کیلئے کلام انشائی کی جگہ کلام خبری استعمال کیا جاتا ہے جیسے هَدَاكَ اللّٰهُ لِصَالِحِ الْاَعْمَالِ اللہ تعالیٰ تمہیں نیک اعمال کی ھدایت دیں، اصل عبارت یوں تھی اَللّٰهُمَّ اهْدِهٖ لِصَالِحِ الْاَعْمَالِ لیکن اس کلام انشائی میں نیک فالی نہیں ہے اور ھدایت کے حصول کی خبر بھی نہیں ہے اس لئے جملہ انشائیہ کی جگہ جملہ خبریہ لائے ہیں جس سے مقصود نیک فال لینا ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ھدایت دے دی ہے۔

دوسری غرض : اظہار رغبت اور شوق کیلئے کلام انشائی کی جگہ کلام خبری کو استعمال کرتے ہیں جیسے رَزَقَنِيَ اللّٰهُ لِقَائَكَ اللہ تعالیٰ مجھے تمہاری ملاقات نصیب کرے، مقتضائے ظاہر یوں تھا جملہ انشائیہ استعمال کیا جاتا اور یوں کہا جاتا اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ لِقَائَهٗ لیکن جملہ انشائیہ میں اظہار رغبت نہیں ہے اور چونکہ اظہار رغبت مقصود ہے اسلئے مقتضائے ظاہر کے خلاف رَزَقَنِيَ اللّٰهُ

لِقَائِكَ فعل ماضی جملہ خبریہ لائے تا کہ اظہار رغبت پیدا ہو۔

تیسری غرض: کبھی ادب کا لحاظ کرنے کیلئے صیغہ امر سے احتراز کیا جاتا ہے کیونکہ امر کی صورت میں حاکمانہ انداز نمایاں ہوتا ہے جو خلاف ادب ہے اس لئے جملہ انشائیہ کی جگہ جملہ خبریہ استعمال کیا جاتا ہے جیسے يَنْظُرُ مَوْلَایَ فِیْ اَمْرِیْ میرے آقا میرے معاملے میں غور فرمائیں گے اصل میں مقتضائے ظاہر یوں تھا کہ جملہ انشائیہ استعمال کیا جاتا اور یوں کہا جاتا اُنْظُرْ يَا مَوْلَایَ فِیْ اَمْرِیْ لیکن یہ امر ہے اس صورت میں غلام کا آقا سے بلند ہونا لازم آتا ہے جو ادب کے خلاف ہے اس لئے مقتضائے ظاہر کے خلاف جملہ خبریہ لائے ہیں۔

قوله وَعَكْسُهُ اَیْ وَضْعُ الْاِنْشَاءِ مَوْضِعَ الْخَبَرِ الخ

کبھی جملہ خبریہ کی جگہ جملہ انشائیہ مختلف اغراض کیلئے لایا جاتا ہے

یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں جس طرح مقتضائے ظاہر کے خلاف جملہ انشائیہ کی جگہ جملہ خبریہ استعمال کرتے ہیں کبھی کبھی اس کے برعکس بھی کلام کو لایا جاتا ہے یعنی جملہ خبریہ کی جگہ جملہ انشائیہ کو استعمال کرتے ہیں مختلف مقاصد اور اغراض کیلئے۔

پہلی غرض: کسی شئی پر خاص توجہ رکھنے کے اظہار کیلئے جملہ خبریہ کی جگہ جملہ انشائیہ استعمال کرتے ہیں جیسے قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ اس آیت میں جملہ خبریہ استعمال فرما کر قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ وَاِقَامَةِ وُجُوْهِكُمْ نہیں کہا حالانکہ مقتضائے ظاہر جملہ خبریہ کا ہے کیونکہ اس سے پہلے اَمَرَ رَبِّیْ خبر ہے لیکن جملہ خبریہ لانے میں نماز کی طرف پوری توجہ نہ ہوتی، حالانکہ مقصود امرِ صلوٰۃ کی طرف توجہ دلانا اور نماز کی تاکید کرنا ہے اور تاکید اور پوری توجہ اور حکم جملہ انشائیہ سے حاصل ہوتا ہے اس لئے مقتضائے ظاہر کے خلاف جملہ خبریہ کی جگہ جملہ انشائیہ لاتے ہیں۔

دوسری غرض: کبھی کلام لاحق کو کلام سابق کے مقابل میں آنے سے بیزاری اور برأت کے اظہار کیلئے جملہ خبریہ کی جگہ جملہ انشائیہ استعمال کرتے ہیں یعنی کلام میں ایسی دو چیزیں مذکور ہوتی ہیں جن کا تعلق ایک ہی جنس سے ہوتا ہے لیکن دونوں کے مرتبے میں بڑا فرق ہوتا ہے تو مرتبہ کے فرق کے اظہار کیلئے تاکہ بعد والے کو پہلے کے برابر قرار نہ دیا جائے اس غرض کیلئے مقتضائے ظاہر خلاف خبر کی جگہ انشاء کو لایا جاتا ہے جیسے قَالَ اِنِّیْ اُشْهِدُاللّٰهَ وَاشْهَدُوْا اَنِّیْ بَرِیْءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ اس آیت میں شہادت کا ذکر ہے ایک شہادت اللہ تعالیٰ کی ہے دوسری شہادت ان مخاطبین منکرین کی ہے اور یہ دونوں شہادتیں مرتبہ میں برابر نہیں ہوسکتی اس لئے اس آیت میں پہلے جملے اُشْهِدُاللّٰهَ کو خبر لایا گیا ہے اور دوسرے جملے وَاشْهَدُوْا کو انشائیہ لایا گیا ہے حالانکہ مقتضائے ظاہر یہ ہے کہ دوسرا جملہ بھی اُشْهِدُكُمْ خبریہ لایا جاتا، کہ میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں اور میں تم کو بھی گواہ بناتا ہوں، لیکن اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی گواہی اور لوگوں کی گواہی برابر ہو جاتی خالق اور مخلوق دونوں برابر ہو جاتے اسوجہ سے جملہ خبریہ کی جگہ وَاشْهَدُوْا جملہ انشائیہ لائے جو مقتضائے ظاہر کے خلاف ہے۔

تیسری غرض: کبھی دو چیزوں کے درمیان برابری ثابت کرنے کیلئے جملہ خبریہ کی جگہ جملہ انشائیہ استعمال کرتے ہیں جیسے اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے ہرگز تم سے قبول نہیں کیا جائے گا، اس آیت میں اَنْفِقُوْا جملہ انشائیہ یہ جملہ خبریہ کی جگہ واقع ہے حالانکہ مقتضائے ظاہر یہ تھا کہ اَنْفَقْتُمْ جملہ خبریہ لایا جاتا کیونکہ ان کو انفاق کا حکم دینا مقصود نہیں بلکہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ صدقہ قبول نہ ہونے میں ان کی انفاق طَوْعاً اور كَرْهاً کی دونوں حالتیں برابر ہیں اس برابری کو ثابت کرنے کیلئے امر کا صیغہ لائے تو امر یہاں تسویہ کیلئے ہے جو لَنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ اَنْفَقْتُمْ طَوْعًا اَوْ كَرْهًا کی جگہ پر واقع ہے اور یہ مقتضائے ظاہر کے خلاف ہے۔

قولہ وَمِنْهَا الْإِضْمَارُ فِيْ مَقَامِ الْإِظْهَارِ الخ

(۵) پانچویں جگہ اسم ظاہر کی جگہ ضمیر کا استعمال کرنا

مقتضائے ظاہر کے خلاف کلام لانے کی پانچویں جگہ یہ ہے کہ اسم ظاہر کی جگہ اسم ضمیر لائی جائے کسی مقصد اور غرض کیلئے اس کی دو غرضیں ہیں۔

پہلی غرض: اس بات کا دعوی کرنے کیلئے کہ ضمیر کا مرجع متکلم کے ذہن میں ہمیشہ حاضر رہتا ہے کبھی بھی اس کا ذھول نہیں ہوتا خواہ اس کا ذکر کیا جائے یا نہ کیا جائے، کہ ذہن اس مرجع خاص کے علاوہ دوسری طرف التفات ہی نہیں کرتا، اس مقصد کیلئے اسم ظاہر کی جگہ اسم ضمیر لاتے ہیں جیسے شاعر کے اس شعر میں

شعر أَبَتِ الْوِصَالَ مَخَافَةَ الرُّقَبَاءِ ☆ وَأَتَتْكَ تَحْتَ مَدَارِعَ الظُّلْمَاءِ

شعر کی تشریح: أَبَتْ صیغہ واحد مؤنث غائب، بحث اثبات فعل ماضی معروف، از باب فتح بمعنی انکار کرنا، وِصَال یہ مصدر ہے از ضرب وَصَلَ يَصِلُ صِلَةً وَ وِصَالاً بمعنی ملنا، مَخَافَةَ یہ مصدر میمی ہے خَافَ يَخَافُ مَخَافَةً از سمع بمعنی ڈرنا، رُقَبَاءُ یہ رَقِيْبُ کی جمع ہے بمعنی نگران، مَدَارِعُ یہ جمع ہے اسکا مفرد مِدْرَعَةٌ ہے بمعنی کوٹ اور جبہ لیکن یہاں مراد پردہ ہے، ظُلْمَاءُ تاریکی جیسے محاورے میں کہا جاتا ہے لَيْلَةٌ ظُلْمَاءُ تاریک رات۔

شعر کا مطلب: محبوبہ نے رقیبوں کے خوف سے ملنے سے انکار کردیا، حالانکہ وہ تمہارے پاس رات کی تاریکی میں پردوں کے نیچے سے بارہا آچکی ہے۔

محل استشہاد: اس شعر میں محل استشہاد أَبَتْ اور أَتَتْ ہیں ان کا فاعل ضمیر ہے جس کا مرجع

پہلے مذکور نہیں ہوا اس لئے مقتضائے ظاہر یہ تھا کہ فاعل یہاں مذکور ہوتا لیکن شاعر کا دعویٰ ہے کہ مرجع ہمیشہ ذہن میں حاضر رہتا ہے کبھی ذہن سے غیر حاضر نہیں ہوتا اس لئے دعویٰ کی غرض کو ثابت کرنے کیلئے ضمیر لائی گئی ہے اس لئے یہ شعر مقتضائے ظاہر کے خلاف ہے۔

دوسری غرض: کبھی اسم ظاہر کی جگہ ضمیر استعمال کرنے کی ایک غرض یہ ہوتی ہے تا کہ ضمیر کے بعد والے اسم کو سامع کے ذہن میں راسخ کر دیا جائے کیونکہ جب ابتداً ہی اسم ظاہر کی جگہ اسم ضمیر کو لائیں گے تو سامع بات کے مبہم ہونے کی وجہ سے سمجھ نہ سکے گا تو سامع کے ذہن میں ضمیر کے مرجع کا اشتیاق بڑھے گا تو جب اسم ظاہر کے ساتھ اس کی وضاحت کی جائے گی تو ذہن میں راسخ ہو جائے گا کیونکہ ایضاح بعد الابھام سے بات اوقع فی النفس ہو جاتی ہے جیسے هِيَ النَّفْسُ مَا حَمَّلْتَهَا تَتَحَمَّلُ اس مثال میں اَلنَّفْسُ اسم ظاہر لانے کی جگہ هِيَ ضمیر لے آئے اور یہ ضمیر قصہ ہے اسی طرح هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اس میں اسم ظاہر لفظِ اللہ لانے کی جگہ هُوَ ضمیر شان لے آئے، اسیطرح نِعْمَ تِلْمِيْذًا الْمُؤَدَّبُ اس میں اسم ظاہر کی جگہ نِعْمَ افعال مدح کی ضمیر مستتر لائی گئی ہے، تا کہ ضمیر کے بعد والا اسم سامع کے ذہن میں راسخ ہو جائے۔

قوله وَعَكْسُهُ اَيِ الْاِظْهَارُ الخ

کبھی ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کا استعمال ہوتا ہے

یہاں سے مصنف ؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح اسم ظاہر کی جگہ ضمیر کا استعمال کرنا مقتضائے ظاہر کے خلاف ہے ایسے ہی اس کے برعکس یعنی ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کا استعمال کرنا بھی مقتضائے ظاہر کے خلاف ہے اس سے مقصود داعی امتثال کی تقویت ہے یعنی امر کے ساتھ ایسی چیز ذکر کی جائے جسکے سبب سے امر کو بجالانا مرغوب بن جاتا ہو جیسے تو اپنے غلام سے کہے سَيِّدُكَ يَأْمُرُكَ بِكَذَا ''تیرا سردار یہ کام کرنے کا حکم دیتا ہے'' اس مثال میں مقتضائے ظاہر یہ تھا کہ یوں کہا جاتا اَنَا اٰمُرُكَ بِكَذَا کیونکہ یہ مقام تکلم کا ہے اور متکلم ہمیشہ اپنے آپ کو ضمیر ہی میں پیش کرتا

ہے لیکن ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لفظِ سید لایا گیا تا کہ حکم ماننے کے سبب کی تقویت ہو اور غلام کو امر بجالانے کا شوق پیدا ہو اور اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لانا یہ مقتضائے ظاہر کے خلاف ہے۔

وَمِنْهَا الْاِلْتِفَاتُ وَهُوَ نَقْلُ الْكَلَامِ مِنْ حَالَةِ التَّكَلُّمِ اَوِ الْخِطَابِ اَوِ الْغَيْبَةِ اِلٰى حَالَةٍ اُخْرٰى مِنْ ذَالِكَ فَالنَّقْلُ مِنَ التَّكَلُّمِ اِلَى الْخِطَابِ نَحْوُ "وَمَالِىَ لَا اَعْبُدُ الَّذِىْ فَطَرَنِىْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ" اَىْ اَرْجِعُ، وَمِنَ التَّكَلُّمِ اِلَى الْغَيْبَةِ نَحْوُ "اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" وَمِنَ الْخِطَابِ اِلَى التَّكَلُّمِ كَقَوْلِ الشَّاعِرِ

اَتَطْلُبُ وَصْلَ رَبَّاتِ الْجَمَالِ ☆ وَقَدْ سَقَطَ الْمَشِيْبُ عَلٰى قَذَالِىْ

وَمِنْهَا تَجَاهُلُ الْعَارِفِ وَهُوَ سَوْقُ الْمَعْلُوْمِ مَسَاقَ غَيْرِهٖ لِغَرَضٍ كَالتَّوْبِيْخِ نَحْوُ

اَيَا شَجَرَ الْخَابُوْرِ مَالَكَ مُوْرِقاً ☆ كَاَنَّكَ لَمْ تَجْزَعْ عَلَى ابْنِ طَرِيْفٍ

وَمِنْهَا اُسْلُوْبُ الْحَكِيْمِ وَهُوَ تَلَقِّى الْمُخَاطَبِ بِغَيْرِ مَا يَتَرَقَّبُهٗ اَوِ السَّائِلِ بِغَيْرِ مَا يَطْلُبُهٗ تَنْبِيْهًا عَلٰى اَنَّهُ الْاَوْلٰى بِالْقَصْدِ

فَالْاَوَّلُ يَكُوْنُ بِحَمْلِ الْكَلَامِ عَلٰى خِلَافِ مُرَادِ قَائِلِهٖ لِقَوْلِ الْقَبَعْثَرٰى لِلْحَجَّاجِ، وَقَدْ تَوَعَّدَهٗ بِقَوْلِهٖ لَاَحْمِلَنَّكَ عَلَى الْاَدْهَمِ

مِثْلُ الْاَمِيْرِ يَحْمِلُ عَلَى الْاَدْهَمِ وَالْاَشْهَبِ فَقَالَ لَهُ الْحَجَّاجُ اَرَدْتُّ الْحَدِيْدَ فَقَالَ الْقَبَعْثَرٰى لَاَنْ يَّكُوْنَ حَدِيْدًا خَيْرٌ مِّنْ اَنْ يَّكُوْنَ بَلِيْدًا اَرَادَ الْحَجَّاجُ بِالْاَدْهَمِ الْقَيْدَ وَ بِالْحَدِيْدِ الْمَعْدِنَ الْمَخْصُوْصَ وَ حَمَلَهَا الْقَبَعْثَرٰى عَلَى الْفَرَسِ الْاَدْهَمِ الَّذِىْ لَيْسَ بَلِيْدًا

وَالثَّانِىْ يَكُوْنُ بِتَنْزِيْلِ السُّوَالِ مَنْزِلَةَ سُوَالٍ اٰخَرَ مُنَاسِبٍ لِحَالَةِ السَّائِلِ كَمَا فِىْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى "يَسْاَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ" سَئَلَ بَعْضُ الصَّحَابَةِ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَابَالُ الْهِلَالِ يَبْدُوْ دَقِيْقًا ثُمَّ

يَتَزَايَدُ حَتّٰى يَصِيْرَ بَدْرًا ثُمَّ يَتَنَاقَصُ حَتّٰى يَعُوْدَ كَمَا بَدَءَ فَجَاءَ الْجَوَابُ عَنِ الْحِكْمَةِ الْمُتَرَتَّبَةِ عَلٰى ذَالِكَ لِاَنَّهَا اَهَمُّ لِلسَّائِلِ فَنُزِلَ سَوَالُهُمْ عَنْ سَبَبِ الْاِخْتِلَافِ مَنْزِلَةَ السُّوَالِ عَنْ حِكْمَتِهٖ

ترجمہ: اور اس مقتضائے ظاہر کے خلاف میں سے التفات ہے اور کلام کو نقل کرنا ہے حالتِ تکلم یا خطاب یا غائب سے دوسری حالت کی طرف، پس کلام کو تکلم سے خطاب کی طرف نقل کرنا جیسے وَمَا لِیَ لَا اَعْبُدُ الَّذِیْ الخ ''اور مجھے کیا ہو گیا کہ میں نہ عبادت کروں اس ذات کی جس نے مجھے پیدا کیا اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے'' یعنی میں لوٹوں گا۔

اور حالت تکلم سے حالت غیبت کی طرف کلام کا منتقل کرنا جیسے اِنَّا اَعْطَیْنٰكَ الْکَوْثَرَ الخ بیشک ہم نے تم کو کوثر عطا کیا ہے پس آپ اپنے پروردگار کیلئے نماز پڑھیئے۔

اور خطاب سے تکلم کی طرف نقل جیسے شاعر کا قول اَتَطْلُبُ وَصْلَ الخ اے نفس کیا تو حسین وجمیل لڑکیوں سے وصال چاہتا ہے، حالانکہ بڑھاپا میری گردن پر گر پڑا ہے۔

اور اسی مقتضائے ظاہر کے خلاف میں تجاہل عارفانہ ہے اور وہ کسی فائدے کیلئے امرِ معلوم کو امر غیر معلوم کی طرف چلانا ہے جیسے اَیَا شَجَرَ الْخَابُوْرِ الخ اے وادی خابور کے درخت تم کیوں سرسبز وشاداب ہو، گویا کہ تم ابن طریف کے گزر جانے پر مضطرب اور بے قرار نہیں ہو۔

اور اسی مقتضائے ظاہر کے خلاف میں سے اسلوب حکیم اور وہ یہ ہے کہ مخاطب کو ملنا ہے ایسی خبر کے ساتھ جس کا اسکو انتظار نہ ہو، یا سائل کے سامنے ایسی کلام لانا جس کلام کا وہ سائل مطالبہ نہ کر رہا ہو اس بات پر تنبیہ کرتے ہوئے کہ بیشک وہ کلام مقصود کے زیادہ لائق ہے، پس اول کلام کو اس قائل کی مراد کے خلاف حمل کرنے سے ہوگا جیسے قبعثری کا قول حجاج بن یوسف سے اس حال میں کہ حجاج ڈرا رہا تھا قبعثری کو اپنے اس قول سے لَاَحْمِلَنَّكَ عَلَى الْاَدْهَمِ میں تجھے بیڑی پر چڑھا دوں گا (قبعثری نے جواب میں کہا) امیر جیسا شخص ہی اَدْھَم یعنی سیاہی مائل اور اَشْھَب یعنی سفیدی مائل گھوڑے پر سوار کرتا ہے، حجاج نے قبعثری سے کہا میری مراد حدید یعنی

بیڑی ہے تو قبعثری نے جواب میں کہا اس سیاہ گھوڑے کا تیز ہونا اس کے ست رفتار ہونے سے بہتر ہے، حجاج نے ادھم سے بیڑی مراد لی اور حدید سے معدن مخصوص، قبعثری نے اس کو سیاہی مائل گھوڑے پر محمول کیا جو کہ ست رفتار نہ ہو۔

اور دوسرا، کہ سائل کے سوال کو کسی دوسرے کے سوال کے درجے میں اتار دیا جائے جو سائل کے حالات کے مناسب ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا قول یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَهِلَّةِ الخ لوگ آپؐ سے چاند کے متعلق پوچھتے ہیں آپؐ فرما دیجئے کہ وہ لوگوں کیلئے وقت اور حج معلوم کرنے کا ذریعہ ہے، بعض صحابہؓ نے حضور اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ چاند کا کیا حال ہے کہ شروع میں باریک ظاہر ہوتا ہے پھر بڑھتا رہتا ہے حتی کہ چودھویں رات کا چاند ہو جاتا ہے پھر کم ہوتا رہتا ہے حتی کہ پھر اسی حالت پر لوٹ آتا ہے جیسا کہ ابتدا میں تھا تو اس کا جواب آیا اس حکمت کے متعلق جو چاند کی حالت پر مرتب ہوتی ہے، اس لئے کہ یہی سائل کیلئے زیادہ اہم ہے پس ان کے سوال کو جو چاند کے بدلنے کے متعلق چاند کی حکمت کے سوال کے درجے میں اتار لیا گیا ہے۔

تجزیہ عبارت : مذکورہ عبارت میں صاحب دروس البلاغہ نے مقتضائے ظاہر کے خلاف کلام کے لانے کے مواقع میں سے چھٹی اور ساتویں اور آٹھویں قسم کو بیان کیا ہے اور ہر قسم کی مثال کے ساتھ وضاحت کی ہے۔

تشریح : قولہ وَمِنْهَا الْاِلْتِفَاتُ وَهُوَ نَقْلُ الْكَلَامِ الخ

(۶) چھٹی قسم التفات

مقتضائے ظاہر کے خلاف کلام لانے کی چھٹی قسم التفات ہے، التفات کا لغوی معنی ہے متوجہ ہونا اور یہ التفات الانسان سے مأخوذ ہے، کہ انسان کا دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں کی طرف متوجہ ہونا چونکہ کلام میں بھی متکلم مختلف طریقے اختیار کرتا ہے اس لئے اس کو بھی

التفات کہتے ہیں۔

التفات کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ کلام کو تکلم، خطاب اور غیبت کی حالتوں میں سے کسی ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل کرنا یعنی کلام کو تین مذکورہ طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے تعبیر کرنے کے بعد اس کو دوسرے طریقے سے تعبیر کرنا۔

التفات کا فائدہ: کلام عرب میں التفات کا بہت عمدہ فائدہ ہوتا ہے کیونکہ متکلم اگر ایک ہی اسلوب پر کلام کرتا رہے تو سامعین کے اکتا جانے کا خطرہ ہوتا ہے اور جب متکلم اسلوبِ کلام بدلتا رہے گا تو حاضرین مجلس کی طبیعتیں متوجہ رہیں گی اور متکلم کی بات کو ذہن میں محفوظ کرتی رہیں گی کیونکہ مثل مشہور ہے کُلُّ جَدِیْدٍ لَذِیْذٌ التفات کا چونکہ بہت فائدہ ہے اسی وجہ سے التفات کو شجاعۃ العرب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

قولہ فَالنَّقْلُ مِنَ التَّکَلُّمِ الخ

التفات کی تین قسمیں

یہاں سے مصنفؒ التفات کی تین قسموں کو بیان کرتے ہیں (۱) تکلم سے خطاب کی طرف (۲) تکلم سے غیبت کی طرف (۳) خطاب سے تکلم کی طرف۔

پہلی قسم تکلم سے خطاب کی طرف: التفات کی پہلی قسم یہ ہے کہ تکلم سے خطاب کی طرف کلام کو منتقل کیا جائے جیسے وَمَالِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ اور مجھے کیا ہو گیا کہ میں عبادت نہ کروں اس ذات کی جس نے مجھے پیدا کیا اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے، اس آیت میں محل استشہاد اَعْبُدُ اور تُرْجَعُوْنَ ہے پہلا فعل اَعْبُدُ متکلم کے صیغے کے ساتھ ہے اور دوسرا فعل تُرْجَعُوْنَ ہے اور یہ خطاب کے صیغے کے ساتھ ہے، اور مقتضائے ظاہر یوں تھا کہ دوسرا صیغہ بھی متکلم کے صیغے کیساتھ وَاِلَیْهِ اُرْجِعُ ہونا چاہیے تھا تاکہ دونوں فعلوں

میں مساوات ہو جائے لیکن وَالَيْهِ تُرْجَعُوْنَ لا کر کلام کی حالت کو تکلم سے خطاب کی طرف منتقل کیا ہے یہ التفات ہے اور مقتضائے ظاہر کے خلاف ہے۔

دوسری قسم تکلم سے غیبت کی طرف: التفات کی دوسری قسم یہ ہے کہ حالت تکلم سے حالت غیبت کی طرف کلام کو منتقل کیا جائے جیسے اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا پس اپنے رب کیلئے نماز پڑھیئے، اس آیت میں اَعْطَيْنٰكَ کا کلام حالت تکلم میں ہے اور فَصَلِّ لِرَبِّكَ میں کلام حالت غیبت کی طرف تبدیل ہو گیا ہے، کیونکہ رب اسم ظاہر ہے جو غائب کے حکم میں ہوتا ہے، مقتضائے ظاہر کے اعتبار سے فَصَلِّ لَنَا ہونا چاہیے تھا۔

تیسری قسم خطاب سے تکلم کی طرف: التفات کی تیسری قسم یہ ہے کہ کلام کو حالت خطاب سے حالت تکلم کی طرف نقل کیا جائے جیسے شاعر کے اس شعر میں

شعر اَتَطْلُبُ وَصْلَ رَبَّاتِ الْجَمَالِ ☆ وَقَدْ سَقَطَ الْمَشِيْبُ عَلٰى قَذَالِىْ

شعر کی تشریح: تَطْلُبُ صیغہ واحد مذکر حاضر، بحث اثبات فعل مضارع معروف، از باب نصر بمعنی چاہنا، طلب کرنا، رَبَّاتٌ جمع ہے رَبَّةٌ کی بمعنی عورت کی شکل کی مورتی، رَبَّاتُ الْجَمَالِ بمعنی حسن و جمال والی لڑکیاں، سَقَطَ صیغہ واحد مذکر غائب بحث اثبات فعل ماضی معروف، از باب نصر بمعنی گرنا، لٹکنا، سَقَطَ الْمَشِيْبُ بمعنی سفیدی کا لٹکنا، بڑھاپے کا آنا، قَذَالِىْ بمعنی میری گردن قَذَالٌ اس کی جمع قُذُلٌ اور اَقْذِلَةٌ آتی ہے بمعنی گدی،

شعر کا مطلب: اے نفس! کیا تو اب تک حسن و جمال والی لڑکیوں کے وصال کا خواہشمند ہے، حالانکہ سفیدی میری گردن پر لٹک چکی ہے یعنی تو بوڑھا ہو چکا ہے اور حسین وجمیل

لڑکیوں کی ملاقات کیلئے جو تو پریشان رہتا ہے اب یہ تیرے لئے مناسب نہیں ہے۔

محل استشہاد: اس شعر میں محل استشہاد اَتَطَلَّبُ اور قَذَالِیْ ہے یہاں تَطَلَّبُ میں خطاب ہے شاعر نے اپنے نفس کو مخاطب بنایا ہے اور عَلٰی قَذَالِیْ میں تکلم کی طرف التفات ہے حالانکہ مقتضائے ظاہر عَلٰی قَذَالِكَ ہونا چاہیے تھا، اور یہ خطاب سے تکلم کی طرف التفات ہے اور یہ مقتضائے ظاہر کے خلاف ہے۔

قولہ وَمِنْهَا تَجَاهُلُ الْعَارِفِ الخ

(۷) ساتویں قسم تجاہل عارفانہ

مقتضائے ظاہر کے خلاف کلام لانے کی ساتویں قسم تجاہل عارفانہ ہے تجاہل عارفانہ یہ ہے کہ کسی فائدے اور نکتے کے پیش نظر شے معلوم کو غیر معلوم کے درجے میں اتار لینا، یعنی ایک شے کو جاننے کے باوجود بتکلف جاہل اور انجان بن جانا، تجاہل عارفانہ کی مختلف اغراض ہوتی ہیں ن میں سے ایک غرض توبیخ ہے کہ مخاطب کو ڈانٹنے اور عار دلانے کیلئے جاننے کے باوجود انجان بن جانا جیسے شاعر کے اس شعر میں۔

شعر: اَيَا شَجَرَ الْخَابُوْرِ مَالَكَ مُوْرِقًا ☆ كَاَنَّكَ لَمْ تَجْزَعْ عَلَى ابْنِ طَرِيْفٍ

شعر کی تشریح: یہ شعر لیلی بنت طریف کا ہے جو بہن ہے ولید بن طریف کی اس نے اپنے بھائی کے مرثیہ میں کہا جب یزید بن معاویہ نے اسکو قتل کروایا تھا اَيَا شَجَرَ الْخَابُوْرِ خابور ایک وادی کا نام ہے یا نہر کا، بمعنی اے خابور وادی کے درخت یا نہر خابور کے درخت، مُوْرِقًا صیغہ واحد مذکر بحث اسم فاعل از باب افعال بمعنی سرسبز ہونا، پتے دار ہونا، جیسے کہا جاتا ہے اَوْرَقَ الشَّجَرُ درخت پتے دار ہو گیا، لَمْ تَجْزَعْ صیغہ واحد مذکر حاضر بحث نفی جحد بلم در فعل مستقبل معروف از باب سمع بمعنی افسوس کرنا، بے صبری کرنا۔

شعر کا مطلب: اے وادی خابور کے درخت! تم کیوں ہرے بھرے، سرسبز و شاداب نظر آتے ہو؟ تمہاری اس سرسبزی و شادابی سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید تم ولید بن طریف کے گزر جانے سے پریشان اور بے قرار نہیں ہو یعنی تمہاری سرسبزی کیوں ہے کہ شاید تم نے ابن طریف پر ماتم نہیں کیا اور تمہیں صدمہ اور غم نہیں پہنچا۔

محل استشہاد: اس شعر کی قائلہ لیلی بنت طریف اس کا یقین رکھتی ہے کہ درخت کو ابن طریف کے مرنے پر کوئی صدمہ اور غم نہیں کیونکہ جذع فذع ذوی العقول کی صفات میں سے ہے اور شجر غیر ذوالعقول میں سے ہے لہذا اس سے جذع فذع کا مطالبہ کرنا بے فائدہ ہے مگر اس جاننے کے باوجود انجان بن کر شجر کو مخاطب بنایا ہے اور لفظ کَاَنَّکَ استعمال کیا جو شک پر دلالت کرتا ہے اور درخت کی سرسبزی و شادابی پر توبیخ اور ڈانٹ ہے، اور یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ابن طریف اتنا بلند شخص تھا کہ اس کے کارناموں سے نباتات، جمادات اور غیر ذوی العقول بھی متاثر تھے، اور اس شعر میں تجاہل عارفانہ ہے اور یہ شعر مقتضائے ظاہر کے خلاف ہے۔

قوله وَمِنْهَا اُسْلُوْبُ الْحَكِيْمِ الخ

(۸) آٹھویں قسم اسلوب حکیم: مقتضائے ظاہر کے خلاف کلام لانے کی آٹھویں قسم اسلوب حکیم ہے، اسلوب حکیم یہ ہے کہ مخاطب کے سامنے خبر کو اس طرح پیش کیا جائے جس کی پہلے سے مخاطب کو امید نہ ہو یا سائل کو ایسا جواب دیا جائے جس کا سائل طالب نہ ہو اس بات پر تنبیہ کرتے ہوئے کہ مخاطب کے سامنے جو خبر پیش کی گئی یا سائل کو جو جواب دیا گیا ہے اسی کو مقصود ٹھہرایا جائے اور یہی مقصد بننے کے زیادہ لائق ہے، یا اسکی تعریف یوں سمجھ لیں کہ متکلم مخاطب کو وہ جواب نہ دے جس جواب کی اسے امید تھی بلکہ اسکی کلام کو خلاف مقصود پر محمول کرتے ہوئے دوسرا جواب دے اس بات پر تنبیہ کرتے ہوئے کہ تیرے لائق وہ نہیں جس کا تو ارادہ کر رہا ہے بلکہ

تیرے لائق وہ ہے جسکو میں ذکر کر رہا ہوں، یا سائل کے سوال کے مطابق جواب نہ دے اس بات پر تنبیہ کرتے ہوئے کہ جس کا تو مطالبہ کر رہا ہے وہ تیرے لائق نہیں بلکہ تیری مصلحت اس کے علاوہ دوسری چیز میں ہے اور وہ مقصود کے زیادہ لائق ہے۔

قولہ فَالْاَوَّلُ یَکُوْنُ بِحَمْلِ الْکَلَامِ الخ

اسلوب حکیم کی پہلی صورت

یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اسلوب کی پہلی صورت اس طرح حاصل ہوتی ہے کہ کلام کو اس کے قائل کے لئے ہوئے معنی کے خلاف دوسرے معنی پر محمول کیا جائے یعنی قائل کی مراد کے خلاف اس کے کلام کو محمول کیا جائے جیسے قبعثری نے حجاج کی وعید کو وعدہ اور اکرام پر محمول کیا کہ تیرے لائق رعایا کو ڈرانا دھمکانا نہیں بلکہ امیر وقت کیلئے رعایا پر شفقت اور احسان کرنا زیادہ مناسب ہے۔

قبعثری اور حجاج کے قصّے کے تفصیل

قبعثری ایک بہت بڑا شاعر ہے ایک دن قبعثری اپنے دوستوں کے ساتھ انگور کے باغ میں بیٹھا ہوا تھا دوستوں کی مجلس میں حجاج ظالم کا قصہ چل پڑا، قبعثری نے کہا اَللّٰھُمَّ سَوِّدْ وَجْھَہٗ وَاقْطَعْ عُنُقَہٗ وَاسْقِنِیْ مِنْ دَمِہٖ ''اے اللہ اس کا چہرہ سیاہ کر اور اس کی گردن کاٹ دے اور اس کے خون سے مجھے سیراب کر'' یہ خبر حجاج بن یوسف کو پہنچ گئی تو حجاج نے قبعثری کو بلا کر پوچھا کہ تو نے میرے بارے میں ایسے کہا، قبعثری نے کہا کہ میں نے تو سبز انگور کے بارے میں کہا کہ وہ کالے ہوں یعنی پک جائیں اور کٹ جائے اور پھر میں ان سے پیوں، حجاج نے یہ حیلہ نہ مانا اور اس پر دھمکی دی لَاَحْمِلَنَّکَ عَلَی الْاَدْھَمِ کہ میں تجھے بیڑیوں میں جکڑ دوں گا تو قبعثری نے وعید کو وعدہ میں بدل کر کہا مِثْلُ الْاَمِیْرِ یَحْمِلُ عَلَی الْاَدْھَمِ وَالْاَشْھَبِ آپ جیسے کرم فرما امیر ہی کے لائق ہے کہ وہ دوسروں کو سیاہی اور سفیدی مائل گھوڑوں پر سوار کرے اَلْاَدْھَمُ کے دو

معنی آتے ہیں ایک قید، اور دوسرا گھوڑا، تو حجاج بن یوسف نے ادھم سے حدید یعنی لوہا اور بیڑیاں مراد لیں کہ میں تجھے بیڑیاں پہنانے کی سزا دوں گا، لیکن قبعثری نے ادھم سے مراد سیاہی مائل گھوڑا مراد لیا اسی معنی کو معین کرنے کیلئے اَلْاَشْھَبِ کا اضافہ کیا، کہ امیر کی شان یہ ہے کہ رعایا کو سیاہی اور سفیدی مائل گھوڑوں پر سوار کریں۔

اس پر حجاج نے کہا وہ مطلب نہیں جو تم سمجھ رہے ہو بلکہ ادھم سے میری مراد بیڑیاں ہیں، تو قبعثری نے حجاج کے قول حدید کو اس حدید پر محمول کیا جو تیز رفتار گھوڑے کے معنی میں ہے اور کہنے لگا لَاَنْ یَّکُوْنَ حَدِیْدًا خَیْرٌ مِّنْ اَنْ یَّکُوْنَ بَلِیْدًا کہ گھوڑے کا تیز رفتار ہونا اس کے سست رفتار ہونے سے بہتر ہے، ادھم سے مراد کالا گھوڑا لینا اور حدید سے تیز رفتار گھوڑا لینا مقتضائے ظاہر کے خلاف ہے اور یہ حجاج کے مراد لیے ہوئے معنی کیخلاف دوسرے معنی پر محمول کیا ہے۔

یہاں تک کتاب کی بات تھی، علم معانی کی دیگر کتب میں یہ واقعہ آگے بھی بیان ہے کہ حجاج نے غصے میں آکر اپنے کارندوں سے کہا اس کو سولی پر لٹکا دو، جب قبعثری کو سولی پر لٹکانے کیلئے اوپر اٹھایا گیا تو اس نے یہ آیت پڑھی سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ تو حجاج نے غصے میں آکر کہا اِطْرَحُوْہُ اسکو نیچے پھینک دو، جب کارندوں نے نیچے پھینکا، تو قبعثری نے یہ آیت پڑھی مِنْھَا خَلَقْنٰکُمْ وَفِیْھَا نُعِیْدُکُمْ وَمِنْھَا نُخْرِجُکُمْ تَارَۃً اُخْرٰی اس پر حجاج نے حیران ہو کر قبعثری کو انعام واکرام سے رخصت کیا، قبعثری کی حاضر جوابی کس قدر قابل داد ہے کہ حجاج جیسے ظالم حاکم کے سامنے اس کے مقصد کی باتوں کو ایک ایک کر کے ختم کر ڈالا اور انعام حاصل کیا۔

قولہ وَالثَّانِیْ یَکُوْنُ بِتَنْزِیْلِ السُّؤَالِ الخ

اسلوب حکیم کی دوسری صورت

یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اسلوب حکیم کی دوسری صورت اس طرح حاصل ہوتی ہے کہ سائل کے سوال کو سائل کے حال کے مناسب کسی دوسرے سوال کے مقام میں اتار دیا

جائے اور اس دوسرے سوال کا جواب دیا جائے، یعنی سائل کے سوال کو بمنزلہ دوسرے سوال کے اتار کر سائل کو وہ مطلوبہ جواب کے علاوہ دوسرا جواب دیا جائے اس بات پر تنبیہ کرتے ہوئے کہ سائل نے جو سوال کیا ہے وہ بہتر اور اہم نہیں بلکہ متکلم جواب میں اہم بات بتلاتا ہے جو سائل کیلئے زیادہ مناسب ہے، جیسے اللہ تعالی کا قول ہے یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ الخ کہ بعض صحابہؓ نے حضور اقدس ﷺ سے چاند کے بارے میں دریافت کیا کہ چاند کا معاملہ کیا ہے کہ ابتدا میں تو باریک ہوتا ہے آہستہ آہستہ بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ چودھویں رات میں کامل چاند بن کر چمکنے لگتا ہے پھر گھٹنا شروع ہو جاتا ہے یہاں تک کہ پھر ابتدائی حالت میں واپس آجاتا ہے۔

حقیقت میں صحابہؓ کا یہ سوال چاند کی حالت کے اختلاف اور روشنی کی کمی زیادتی کے بارے میں تھا اللہ تعالی نے صحابہ کرامؓ کے اس سوال کا جواب نہیں دیا کیونکہ یہ سوال کرنا بے معنی ہے اور تمہاری کوئی غرض بھی اس سے وابستہ نہیں اور نہ ہی ہر شخص کے بس کی بات ہے کہ وہ چاند کے اختلاف کے اسباب کو اچھی طرح آسانی سے معلوم کر سکے، کیونکہ اصل سبب کا جواب علم ہیئت سے متعلق ہے، بلکہ تمہارے لائق یہ تھا کہ تم یہ سوال کرتے کہ چاند کے نکلنے کی حکمت کیا ہے؟ یہی وہ دوسرا سوال ہے جس کے درجے میں ان کے سوال کو اتار کر جواب دیا گیا ہے کہ چاند کے نکلنے اور غروب ہونے میں حکمت یہ ہے کہ لوگوں کے آپس کے لین دین، اور نکاح، طلاق اور ملنے جلنے کی تاریخیں معلوم ہوتی ہیں اور حج جیسے عظیم رکن کی تاریخ معلوم ہوتی ہے۔

وَمِنْهَا التَّغْلِيْبُ وَهُوَ تَرْجِيْحُ اَحَدِ الشَّيْئَيْنِ عَلَى الْاٰخَرِ فِىْ اِطْلَاقِ لَفْظِهٖ عَلَيْهِ كَتَغْلِيْبِ الْمُذَكَّرِ عَلَى الْمُؤَنَّثِ فِىْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى "وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِيْنَ" وَمِنْهُ الْاَبَوَانِ لِلْاَبِ وَالْاُمِّ وَكَتَغْلِيْبِ الْمُذَكَّرِ وَالْاَخَفِّ عَلٰى غَيْرِهِمَا نَحْوُ الْقَمَرَيْنِ اَيِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَالْعُمَرَيْنِ اَىْ اَبِىْ بَكْرٍؓ وَّعُمَرَؓ وَالْمُخَاطَبِ عَلٰى غَيْرِهٖ نَحْوُ "لَنُخْرِجَنَّكَ يَاشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِىْ مِلَّتِنَا" اُدْخِلَ شُعَيْبُ بِحُكْمِ التَّغْلِيْبِ فِىْ "لَتَعُوْدُنَّ فِىْ مِلَّتِنَا" مَعَ اَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ فِيْهَا قَطُّ

حَتّٰی یَعُوْدَ اِلَیْهَا وَ کَتَغْلِیْبِ الْعَاقِلِ عَلٰی غَیْرِہٖ کَقَوْلِہٖ تَعَالٰی ''اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ''

ترجمہ : اور مقتضائے ظاہر کے خلاف میں سے ایک تغلیب ہے وہ یہ کہ دو چیزوں میں سے ایک کو دوسری چیز پر ترجیح دینا ہے اس چیز کے لفظ کے اس پر اطلاق کرنے میں جیسا کہ مذکر کی تغلیب مؤنث پر اللہ تعالی کے اس قول میں وَکَانَتْ مِنَ الْقَانِتِیْنَ ''مریم علیہا السلام اطاعت گزار لوگوں میں سے تھیں'' اور اسی میں سے ابوان ہیں باپ اور ماں کیلئے اور جیسے کہ مذکر اور کم درجے والے کی تغلیب ان دونوں کے علاوہ پر جیسے القمرین سورج اور چاند کیلئے اور العمرین حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کیلئے، اور مخاطب کی تغلیب اس کے غیر پر جیسے لَنُخْرِجَنَّكَ یَا شُعَیْبُ الخ البتہ ہم ضرور بالضرور نکال دینگے اپنی بستی سے تجھ کو اے شعیب علیہ السلام اور ان کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے یا یہ کہ تم لوٹ آؤ ہمارے دین میں۔

داخل کیا گیا ہے حضرت شعیب علیہ السلام کو تغلیب کی وجہ سے لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا میں باوجود کہ شعیبؑ کبھی بھی ان کی ملت میں نہ تھے یہاں تک کہ پھر لوٹ آئیں اس کی طرف،

اور جیسے عاقل کی تغلیب غیر عاقل پر جیسے اللہ تعالی کا قول ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

تجزیہ عبارت: مذکورہ عبارت میں مصنفؒ نے مقتضائے ظاہر کے خلاف کلام لانیکی قسموں میں سے نویں قسم تغلیب کو بیان کیا ہے اور تغلیب کی تعریف کرنے کے بعد تغلیب کی قسموں کو بیان کیا ہے اور ہر قسم کی مثال کے ساتھ وضاحت کی ہے۔

تشریح : قوله وَمِنْهَا التَّغْلِیْبُ وَهُوَ تَرْجِیْحُ الخ

نویں قسم تغلیب : مقتضائے ظاہر کے خلاف کلام لانے کی نویں قسم تغلیب ہے، تغلیب

کی تعریف یہ ہے کہ دو ملی جلی یا ہم صحبت یا ہم مشابہ چیزوں میں سے ایک کو دوسرے پر اس طرح غلبہ دیا جائے کہ ایک ہی لفظ کا اطلاق دونوں چیزوں پر کیا جائے، یعنی متشابہین میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح اور غلبہ دے کر ایک ہی لفظ دونوں کیلئے استعمال کیا جائے یا احد المصاحبین کیلئے جو لفظ موضوع ہے وہ دوسرے مصاحب پر بھی بولا جائے۔

قولہ کَتَغْلِیْبِ الْمُذَکَّرِ الخ تغلیب کی چار قسمیں

یہاں سے مصنفؒ تغلیب کی قسمیں بیان کرتے ہیں کہ تغلیب کی چار قسمیں یہ ہیں۔

(۱) مذکر کی تغلیب مؤنث پر (۲) مذکر کی تغلیب غیر مذکر پر اخف کی تغلیب غیر اخف پر (۳) مخاطب کی تغلیب غیر مخاطب پر (۴) عاقل کی تغلیب غیر عاقل پر۔

قولہ کَتَغْلِیْبِ الْمُذَکَّرِ عَلَی الْمُؤَنَّثِ الخ

(۱) پہلی قسم مذکر کی تغلیب مؤنث پر: کہ مذکر اور مؤنث میں سے مذکر کو مؤنث پر غلبہ اور ترجیح دے کر دونوں کیلئے مذکر کا صیغہ بولا جائے جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کیلئے فرمایا وَکَانَتْ مِنَ الْقَانِتِیْنَ کہ حضرت مریمؑ اطاعت گزار لوگوں میں سے تھیں، چنانچہ وَکَانَتْ میں ضمیر کا مرجع حضرت مریم علیہا السلام ہیں اس لحاظ سے مقتضائے ظاہر یہ تھا کہ وَکَانَتْ مِنَ الْقَانِتَاتِ کہا جاتا لیکن مذکر کو مؤنث پر غلبہ دیتے ہوئے مذکر لفظ کا اطلاق مؤنث پر کیا گیا اور وَکَانَتْ مِنَ الْقَانِتِیْنَ کہہ دیا اور یہ مقتضائے ظاہر کے خلاف ہے۔

اسی طرح دوسری مثال اَبَوَان میں بھی مذکر کو مؤنث پر غلبہ دیا گیا ہے کیونکہ اَبَوَان کا اطلاق ماں اور باپ دونوں پر ہوتا ہے چنانچہ دو باپ تو کسی کے نہیں ہو سکتے، لہذا اَبْ کو اُم پر غلبہ دے کر دونوں کو تغلیباً ابوین کہہ دیا جاتا ہے اور یہ بھی مقتضائے ظاہر کے خلاف ہے۔

قولہ کَتَغْلِیْبِ الْمُذَکَّرِ وَ الْاَخَفِّ الخ

(۲) دوسری قسم مذکر کی تغلیب غیر مذکر اور اخف کی غیر اخف پر:

یہاں مصنفؒ تغلیب کی دوسری قسم کو بیان کر رہے ہیں کہ مذکر کو غلبہ دیا جائے غیر مذکر پر اور اخف کو غیر اخف پر جیسے قمرین بول کر چاند اور سورج دونوں مراد لیتے ہیں، لیکن الشمس مؤنث ہے جیسے فَلَمَّا رَأَ الشَّمْسَ بَازِغَةً اور القمر مذکر ہے جیسے فَلَمَّا رَأَالْقَمَرَ بَازِغًا تو یہاں القمر مذکر کو الشمس مؤنث پر غلبہ دیتے ہوئے القمرین کہہ دیا اور یہ مثال ہے مذکر کی تغلیب مؤنث پر، اخف اور اثقل کی مثال جیسے العمرین ہے اس سے مراد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں اور یہاں عمرؓ کو ابوبکرؓ پر غلبہ دیتے ہوئے عمرین کہہ دیا کیونکہ لفظ عمر بہ نسبت لفظ ابوبکر کے زیادہ آسان اور خفیف ہے یہ خفیف کی تغلیب ہے ثقیل پر۔

قوله وَالْمُخَاطَبِ عَلٰی غَيْرِهٖ الخ

تیسری قسم مخاطب کی تغلیب غیر مخاطب پر:

یہاں سے مصنفؒ تغلیب کی قسموں میں سے تیسری قسم کو بیان فرما رہے ہیں کہ مخاطب کو غلبہ دیا جائے غیر مخاطب پر جیسے لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا اے شعیب البتہ ہم ضرور بضرور تم کو اور ان لوگوں کو جنہوں نے تمہارے ساتھ ایمان لایا ہے اپنی بستی سے نکال دیں گے یا یہ تم ہمارے دین میں لوٹ آؤ۔

اس آیت میں حضرت شعیب علیہ السلام کو بطور تغلیب کے لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا میں خطاب کر کے قوم کے ساتھ داخل کیا گیا ہے حالانکہ شعیب علیہ السلام کی قوم کافر تھی اور اللہ تعالیٰ کا ہر نبی کفر و شرک سے معصوم ہوتا ہے نبوت سے قبل بھی اور نبوت کے بعد بھی باوجودیکہ وہ اپنی قوم کی ملت کفر میں کبھی بھی نہ تھے کہ جس کہ بنا پر وہ اس کی طرف لوٹ جائیں تو شعیب علیہ السلام سے ان کے کفر کی طرف لوٹ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن یہ ایسا تغلیباً کہا گیا۔

قوله كَتَغْلِيْبِ الْعَاقِلِ عَلٰی غَيْرِهٖ الخ

چوتھی قسم عاقل کی تغلیب غیر عاقل پر: یہاں سے مصنفؒ تغلیب کی چوتھی قسم کو بیان فرما رہے ہیں کہ عاقل کی تغلیب غیر عاقل پر یعنی ذوی العقول کو غیر ذوی العقول پر غلبہ دے دیا جائے اور وہ صیغہ استعمال کیا جائے جو ذوی العقول کیلئے استعمال ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اس آیت میں عالمین یہ جمع مذکر سالم عالم کی جمع ہے اور یہ ذوی العقول کیلئے استعمال ہوتا ہے اور عالم میں ذوی العقول اور غیر ذوی العقول سب داخل ہیں لیکن ذوی العقول کو غیر ذوی العقول پر غلبہ دے کر جمع کا صیغہ عالمین یاء اور نون کے ساتھ حالت جری میں لائے ہیں اور یہ صیغہ ذوی العقول کیلئے استعمال کیا جاتا ہے اس سے واضح ہو گیا کہ عقلاء کی تغلیب ہے غیر عقلاء پر۔

واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم

تمت بالخیر

اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد اور خصوصی رحمت سے ۲۱ رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ کی شب بمطابق ۲۵ اکتوبر ۲۰۰۵ء بروز منگل بعد از نماز تراویح گیارہ بج کر تیس منٹ پر اس کتاب سے فراغت ہوئی۔

اے رحیم وکریم ذات اس حقیری سعی کو شرف قبولیت فرما کر اس کے فیض کو تا قیامت جاری وساری فرما اور دنیا اور عقبیٰ کی فلاح ونجات کا ذریعہ بنا اور میرے قلم کی ٹیڑھی اور ترچھی لکیروں سے میرے والدین اور اساتذہ کرام کی آنکھوں کو ٹھنڈا فرما۔

فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا وَظَاهِرًا وَبَاطِنًا وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ اٰمِيْنَ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ

محمد اصغر علی عفی عنہ فاضل دار العلوم فیصل آباد، فاضل عربی

استاذ جامعہ اسلامیہ عربیہ مدنی ٹاؤن وجامعہ اسلامیہ عربیہ رحمانیہ چوک غلام محمد آباد فیصل آباد پاکستان

الاختبار السنوی للعالیۃ (للبنات)

الورقۃ الخامسۃ فی البلاغۃ ۲ شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ

السوال الاول (الف)

فصاحۃ الکلمۃ سلامتھا من تنافر الحروف و مخالفۃ القیاس والغرابۃ

(۱) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (۲) فصاحت کی لغوی اور اصطلاحی تعریف بیان کریں (۳) تنافر حروف، مخالفت قیاس اور غرابت کی تعریف کر کے ان کی مثالیں ذکر کیجیئے۔

الجواب عن السوال الاول (الف)

(۱) **اعراب عبارت**: فَصَاحَۃُ الْکَلِمَۃِ سَلَامَتُھَا مِنْ تَنَافُرِ الْحُرُوْفِ وَ مُخَالَفَۃِ الْقِیَاسِ وَالْغَرَابَۃِ

ترجمہ عبارت:

فصاحت کلمہ کی تعریف، کلمہ کا تنافر حروف، مخالفت قیاس اور غرابت سے خالی ہونا

(۲) **فصاحت کی لغوی تعریف**: فصاحت کا لغوی معنی صاف اور ظاہر ہونا ہے جیسا کہ عرب کے محاورے میں کہا جاتا ہے اَفْصَحَ الصَّبِیُّ فِیْ مَنْطِقِہٖ کہ بچہ اپنی بول چال میں صاف ہو گیا یہ اس وقت کہتے ہیں کہ جب بچہ کی گفتگو بالکل صاف اور واضح ہو جائے اور اس کے الفاظ بالکل صحیح اور درست ہو کر اس کی زبان سے نکلنے لگیں اور جیسے محاورے میں کہا جاتا ہے فَصَحَ الْعَجَمِیُّ وَاَفْصَحَ کہ عجمی فصیح ہو گیا جب اس کی زبان خوب بولنے لگے اور اس میں لکنت وغیرہ نہ ہو۔

فصاحت کی اصطلاحی تعریف: فصاحت کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ فصاحت کے ساتھ کلمہ، کلام اور متکلم تینوں متصف ہوتے ہیں یعنی فصاحت تینوں کی صفت واقع ہوتی ہے کلمہ فصیح ہو جیسے هٰذِهٖ كَلِمَةٌ فَصِيْحَةٌ اور کلام فصیح ہو جیسے هٰذَا كَلَامٌ فَصِيْحٌ اور متکلم فصیح ہو جیسے هٰذَا شَاعِرٌ فَصِيْحٌ، هٰذَا مُتَكَلِّمٌ فَصِيْحٌ بخلاف بلاغت کے، اس کے ساتھ صرف کلام اور متکلم متصف ہوتے ہیں جیسے هٰذَا كَلَامٌ بَلِيْغٌ اور هٰذَا شَاعِرٌ بَلِيْغٌ اور کلمہ بلاغت کیساتھ متصف نہیں ہوتا یوں نہیں کہا جاسکتا هٰذِهٖ كَلِمَةٌ بَلِيْغَةٌ کیونکہ اہل عرب سے کلمۃ بلیغۃ نہیں سنا گیا چونکہ یہ سماعی ہے اور اہل عرب سے کلمۃ فصیحۃ تو سنا گیا ہے لیکن کلمۃ بلیغۃ مسموع نہیں۔

(۳) **تنافر حروف کی تعریف:** تنافر حروف کلمہ میں ایک ایسا وصف ہے جس کی وجہ سے کلمہ زبان پر ثقیل ہو جاتا ہے اور اس کا تلفظ زبان پر دشوار ہو جاتا ہے آسانی کے ساتھ زبان پر ادا نہیں ہوتا ظَشٌّ، هُعْخُعٌ، نُقَاخٌ، مُسْتَشْزِرٌ، طبع سلیم اور ذوق سلیم والے کے نزدیک ان کلمات کو ادا کرنا ثقیل ہے، تنافر نفرت سے مأخوذ ہے کہ ان کے ادا کرنے میں نفرت ہے ظَشٌّ اور نُقَاخٌ میں تنافر ہے ان سے زیادہ تنافر مُسْتَشْزِرٌ میں ہے اور سب سے زیادہ تنافر هُعْخُعٌ میں ہے۔

فائدہ: اَلْمُسْتَشْزِرٌ یہ عرب کے مشہور شاعر امرالقیس کے شعر کا ایک حصہ ہے پورا شعر یوں ہے

غَدَائِرُهٗ مُسْتَشْزِرَاتٌ اِلَى الْعُلٰى ☆ تَضِلُّ الْعُقَاصُ فِىْ مُثَنًّى وَمُرْسَلِ

شاعر اپنی محبوبہ کے بالوں کی کثرت اور خوب صورتی کو بیان کرتا ہوا کہتا ہے اس کے گیسو بلندی کی طرف اٹھتے ہوئے ہیں اس کا جوڑا گوندھے ہوئے بالوں اور کھلے ہوئے بالوں میں چھپ جاتا ہے۔

مخالفت قیاس کی تعریف: مخالفت قیاس یہ ہے کہ کلمہ صرف کے قاعدے کے مطابق استعمال نہ ہو قانون صرفی سے مراد ماثبت عن الواضع ہے یعنی جس طریقہ پر وہ کلمہ واضع

سے ثابت ہو اسکے خلاف ثابت ہو چا ہے وہ قاعدہ صرف کیخلاف ہو یا قاعدہ لغت کے خلاف ہو جیسے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْعَلِیِّ الْاَجْلَلِ اس مثال میں لفظ اَجْلَلِ یہ واضع کی وضع کے بھی خلاف ہے اور قاعدہ صرفی کے بھی، واضع کی وضع کے خلاف تو اس طرح ہے کہ واضع سے اَجَلٌّ ادغام کے ساتھ ثابت ہے بغیر ادغام کے ثابت نہیں ہے اور قاعدہ صرفی کے خلاف تو اسطرح کہ صرف کا قاعدہ ہے کہ جب دو حرف ایک جنس کے جمع ہوں تو ان میں ادغام کیا جاتا ہے حالانکہ شاعر نے بغیر ادغام کے استعمال کا ہے۔

اور جیسے متنبی کے قول میں

شعر فَاِنْ یَّكُ بَعْضُ النَّاسِ سَیْفًا لِدَوْلَةٍ ☆ فَفِی النَّاسِ بُوْقَاتٌ لَّهَا وَطَبُوْلٌ

محل استشہاد: اس شعر میں محل استشہاد بُوْقَاتٌ ہے یہ لفظ قانون لغت کے خلاف استعمال کیا گیا ہے کیونکہ قاعدہ کے مطابق بُوْقٌ کی جمع قلت اَبْوَاقٌ ہونی چاہیے اور جمع کثرت بَوَائِقُ ہونی چاہیے اور متنبی نے جو بُوْقٌ کی جمع بُوْقَاتٌ شعر میں ذکر کی ہے یہ قاعدہ کے خلاف ہے اس میں مخالفت قیاس پایا جا رہا ہے اس لئے یہ درجہ فصاحت سے گر کر غیر فصیح ہو گیا ہے باقی شعر کے متعلق مزید وضاحت کتاب میں موجود ہے وہاں سے ملاحظہ فرمالیں۔

مصنفؒ نے مخالفت قیاس کی دوسری مثال پیش کی ہے جیسے شعر میں مُوْدَدَةٌ

شعر اِنَّ بَنِیَّ لَلِئَامٌ زَهَدَةٌ ☆ مَالِیَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِنْ مَوْدَدَةٍ

محل استشہاد: اس شعر میں محل استشہاد لفظ مُوْدَدَةٌ ہے حالانکہ صرف کا قاعدہ ہے جب دو حرف ایک جنس کے جمع ہوں تو انکا آپس میں ادغام کیا جاتا ہے تو صرفی قاعدہ کیمطابق مَوَدَّةٌ ہونا چاہیے تھا مخالفت قیاس کے پائے جانے کی وجہ سے یہ شعر درجہ فصاحت سے گر گیا ہے شعر کے متعلق مزید وضاحت کتاب میں موجود ہے وہاں سے دیکھ لیں۔

غرابت کی تعریف: غرابت یہ ہے کہ کلمہ اپنے موضوع لہ پر دلالت کرنے میں واضح نہ ہو علامہ سعد الدین تفتازانیؒ نے غرابت کی یوں تعریف کی ہے اَلْغَرَابَةُ کَوْنُ الْکَلِمَةِ وَحْشِیَةً غَیْرَ ظَاهِرَةِ الْمَعْنٰی وَ لَا مَانُوْسَةَ الْاِسْتِعْمَالِ کہ کلمہ وحشی ہو اور ظاہر المعنی اور مانوس الاستعمال نہ ہو جیسے تَکَأْکَأَ اور اِفْرَنْقَعَ یہ قول ہے عیسی بن عمر نحوی نے لوگوں کو ڈانٹتے ہوئے کہا مَالَکُمْ تَکَأْکَأْتُمْ عَلَیَّ کَتَکَأْکُئِکُمْ عَلٰی ذِیْ جِنَّةٍ اِفْرَنْقِعُوْا عَنِّیْ کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم مجھ پر اس طرح جمع ہو گئے ہو جیسے تم کسی مجنون پر جمع ہوتے ہو میرے پاس سے دور ہو جاؤ،

اب تَکَأْکَأَ یہ اِجْتَمَعَ کے معنی میں لیا ہے لیکن مانوس الاستعمال نہیں اسی طرح اِفْرَنْقَعَ یہ اِنْصَرَفَ کے معنی میں ہے لیکن یہ مذکورہ معنی میں رائج نہیں۔

اسی طرح اِطْلَخَمَّ کو اِشْتَدَّ کے معنی میں لیا یہ اجنبی ہے اِشْتَدَّ کے معنی میں مانوس الاستعمال نہیں چونکہ یہ الفاظ مذکورہ معنوں میں مانوس الاستعمال اور معروف نہیں ہیں اس لئے ان میں غرابت پائی جاتی ہے اس لئے یہ کلمات درجہ فصاحت سے نکل کر غیر فصیح کلمات میں داخل ہو گئے ہیں۔

غرابت کی دو قسمیں

پہلی قسم: کلمہ غیر مانوس الاستعمال ہو لیکن لغت کی بڑی بڑی کتابوں کے دیکھنے سے اس کے معنی معلوم ہو جائے جیسے تَکَأْکَأَ اس کا معنی اِجْتَمَعَ معلوم کر لیا گیا ہے اور اِفْرَنْقَعَ بمعنی اِنْصَرَفَ معلوم کر لیا گیا ہے اگرچہ مانوس الاستعمال نہیں۔

دوسری قسم: وہ الفاظ غریبہ کہ لغت کی بڑی بڑی کتابوں کے دیکھنے سے بھی ان کا معنی معلوم نہ ہو اور اہل عرب کے نزدیک بھی غیر مستعمل ہو لہذا اس کا معنی سمجھنے کیلئے سبب بعید کی ضرورت

پڑتی ہو جیسے ابن العجاج کے شعر میں لفظ مسرّ ج ہے پورا شعر یوں ہے

وَمُقْلَةً وَ حَاجِبًا مُزَجَّجًا وَفَاحِمًا وَ مُرْسَنًا مُسَرَّجًا

شاعر اپنی محبوبہ کی تعریف کرتا ہوا کہتا ہے (کہ محبوبہ نے) آنکھ ظاہر کی اور باریک اور لمبی آبرو کو اور کوئلے کی طرح سیاہ بالوں کو اور چمکدار ناک کو ظاہر کیا۔

اس شعر میں محل استشہاد لفظ مُسَرَّجْ ہے کہ اس کا معنی لغت کی کتابوں میں نہیں ملا ہے اب اس کا معنی سمجھنے کیلئے اسباب بعیدہ کی ضرورت پیش آتی ہے یا تو سریج ایک لوہار کا نام ہے جس کی طرف تلواریں منسوب کی جاتی ہیں پھر مطلب ہوگا کہ اس کی ناک باریک اور سیدھے پن میں سریجی تلوار کی طرح ہے، یا سراج کی طرف منسوب ہے بمعنی چراغ، کہ اسکی ناک چمک دھمک میں چراغ کی طرح ہے۔

السوال الاول (ب) ١٤٢٦ھ

الانشاء اما طلبی او غیر طلبی فالطلبی ما یستدعی مطلوبا غیر حاصل وقت الطلب و غیر الطلب ما لیس کذالك والاول یکون لخمسة اشیاء

(۱) عبارت پر اعراب لگا کر مطلب خیز ترجمہ کیجئے (۲) انشاء طلبی پانچ امور کیلئے آتی ہے ان پانچ امور کی تعریف ذکر کیجئے اور ہر ایک کی ایک ایک مثال ذکر کیجئے۔

الجواب عن السوال الاول (ب)

(۱) عبارت پر اعراب اور مطلب خیز ترجمہ:

اَلْاِنْشَاءُ اِمَّا طَلَبِیٌّ اَوْ غَیْرُ طَلَبِیٍّ فَالطَّلَبِیُّ مَا یَسْتَدْعِیْ مَطْلُوْبًا غَیْرَ حَاصِلٍ وَقْتَ الطَّلَبِ وَ غَیْرُ الطَّلَبِیِّ مَالَیْسَ کَذَالِكَ وَالْاَوَّلُ یَکُوْنُ بِخَمْسَةِ اَشْیَاءِ

کلام انشائی یا طلبی ہوگا یا غیر طلبی پس طلبی وہ کلام ہے کہ جو ایسے مطلوب کو چاہتا ہو جو طلب کے وقت حاصل نہ ہوتا ہو اور غیر طلبی وہ ہے کہ جو اس طرح حاصل نہ ہو اور پہلی قسم پانچ

چیزوں سے حاصل ہوتی ہے۔

(۲) انشاء طلبی پانچ امور کیلئے آتی ہے ان پانچ امور کی تعریف اور ہر ایک کی ایک ایک مثال:

انشاء طلبی ان پانچ امور کیلئے آتی ہے (۱) امر (۲) نہی (۳) استفہام (۴) تمنی (۵) ندا

(۱) امر کی تعریف: امر کہتے ہیں اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے دوسرے سے کسی کام کا مطالبہ کرنا خواہ وہ حقیقت میں بڑا ہو یا نہ ہو جیسے اِضْرِبْ زَیْدًا تو زید کو مار، جمہور کے نزدیک امر صرف وجوب کیلئے آتا ہے مگر قرینہ کے پائے جانے کے وقت دوسرے معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

امر کیلئے چار قسم کے صیغے ہیں

(۱) فعل امر جیسے خُذِ الْکِتَابَ بِقُوَّةٍ مضبوطی سے کتاب تھام لو۔

(۲) وہ فعل مضارع جو لام امر کے ساتھ مقرون ہو جیسے لِیُنْفِقْ ذُوْسَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ چاہیے کہ خرچ کرے وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق۔

(۳) یا امر بصورت اسم فعل ہو یعنی وہ اسم کہ جسمیں فعل کے معنی ہوں جیسے حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ آؤ تم فلاح کی طرف، اس مثال میں حَيَّ فعل کے معنی میں ہے۔

(۴) یا وہ مصدر جو فعل امر کے قائم مقام ہو جیسے سَعْیًا فِی الْخَیْرِ تو بھلائی کے کام میں کوشش کر اس مثال میں سَعْیًا فعل محذوف کے قائم مقام ہے اصل میں تھا اِسْعَ سَعْیًا فِی الْخَیْرِ۔

(۲) نہی کی تعریف: انشاء طلبی کی دوسری قسم نہی ہے اس کی تعریف یہ ہے کہ بطور استعلاء کے ترک فعل کو طلب کرنا جیسے لَا تَضْرِبْ زَیْدًا یعنی متکلم مخاطب کو فعل کے نہ کرنے کا حکم دیتا ہے اور متکلم مخاطب کے مقابلہ میں اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہو خواہ حقیقت میں متکلم عالی مرتبہ نہ ہو۔

اور نہی کیلئے صرف ایک ہی صیغہ مخصوص ہے اور وہ مضارع لائے نہی کے ساتھ یعنی مضارع پر لائے نہی لگا دیا جائے تو نہی کا صیغہ بن جائے گا جیسے وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا کہ تم فساد برپا نہ کرو زمین میں اس کی اصلاح کے بعد، اس آیت میں متکلم، اللہ تعالی ہیں اور مخاطب فسادی لوگ ہیں اور اللہ تعالی فساد کے فعل سے روک رہے ہیں۔

(۳) **استفہام کی تعریف اور حروف استفہام :** استفہام کہتے ہیں کہ مخصوص حروف کے ذریعے کسی نامعلوم شے کے متعلق علم کو طلب کرنا جیسے هَلْ جَآءَ زَيْدٌ کہ کیا زید آیا ہے، استفہام کا دوسرا نام استخبار بھی ہے، بعض نے استفہام اور استخبار کے درمیان فرق بھی بیان کیا ہے، کہ استفہام کہتے ہیں کسی چیز کے متعلق اول مرتبہ دریافت کرنا اور استخبار کہتے ہیں پہلی مرتبہ کلام سمجھ نہ آنے کی وجہ سے دوسری مرتبہ دریافت کرنا حروف استفہام گیارہ ہیں (۱) ہمزہ (۲) هَلْ (۳) مَا (۴) مَنْ (۵) مَتٰى (۶) اَيَّانَ (۷) كَيْفَ (۸) اَيْنَ (۹) اَنّٰى (۱۰) كَمْ (۱۱) اَیٌّ

(۴) **تمنی کی تعریف :** تمنی کا معنی خواہش کرنا، امید کرنا اور اصطلاح میں تمنی کہتے ہیں کسی ایسی محبوب چیز اور مرغوب چیز کو طلب کرنا جس کے ملنے کی امید نہ ہو بلکہ محض طمع اور لالچ کی بنا پر طلب کر رہا ہو یا تو اس کا حصول محال اور ناممکن ہو جیسے شاعر کے قول میں،

شعر اَلَا لَيْتَ الشَّبَابَ يَعُوْدُ يَوْمًا ☆ فَاُخْبِرَهٗ بِمَا فَعَلَ الْمَشِيْبُ

اے کاش! کہ میری جوانی کسی دن لوٹ آتی تو میں اسے ان تمام واقعات سے مطلع کرتا جو بڑھاپے نے میرے ساتھ برتے ہیں۔

محل استشہاد : اس شعر میں محل استشہاد اَلَا لَيْتَ الشَّبَابَ يَعُوْدُ ہے کاش کہ جوانی لوٹ آتی، جوانی کا واپس آنا محال ہے صرف تمنا ہو رہی ہے، یا ایسی چیز کی تمنا کرنا جسکا وقوع خارج میں بعید ہو جیسے فقیر اور تنگ دست کہے لَيْتَ لِیْ اَلْفَ دِيْنَارًا کاش کہ میرے پاس ہزار دینار ہوتے،

یہاں مطلوب کا وقوع عادۃً مشکل ہے کیونکہ عادۃً فقیروں اور تنگ دستوں کے پاس اتنی زیادہ رقم بہت کم جمع ہوتی ہے اب فقیر کیلئے ہزار دینار کا حصول تو محال نہیں البتہ بعید الوقوع ضرور ہے۔

(۵) **ندا کی تعریف**: ندا کہتے ہیں مخاطب کی توجہ کو طلب کیا جائے ایسے حروف ندا کے ذریعے جو اَدْعُوْ کے قائم مقام ہوں، اور وہ حرف چاہے لفظاً ہو یَا زَیْدُ یہ اَدْعُوْ زَیْدًا کے قائم مقام ہے اَدْعُوْ فعل کو حذف کر کے یَا حرف ندا کو اَدْعُوْ کے قائم مقام کر دیا، چاہے حرف ندا تقدیراً ہو جیسے یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا اصل میں یَا یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا تھا، یہاں حرف ندا یَا تقدیراً ہے۔

حروف ندا آٹھ ہیں (۱) یا (۲) ہمزہ (۳) اَیْ (۴) آ (۵) آیْ (۶) اَیَا (۷) هَیَا (۸) وَا

اب آٹھ حروف ندا میں سے ہمزہ اور ای ندا قریب کیلئے استعمال ہوتے ہیں اور ان دو کے علاوہ باقی اصل وضع کے اعتبار سے ندا بعید کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔

السوال الثانی (الف) ۱۴۲۶ھ

واما العلم فیؤتی به لا حضار معناه فی ذهن السامع باسمه الخاص نحو واذ یرفع ابراهیم القواعد من البیت واسمعیل وقد یقصد به مع ذالك اغراض اخری

(۱) عبارت کا سلیس ترجمہ کیجئے (۲) عبارت پر اعراب لگا کر تشریح کیجئے (۳) علم دوسری اغراض کیلئے بھی آتا ہے مذکورہ غرض کے علاوہ ان اغراض کو مثالوں کے ساتھ ذکر کیجئے

الجواب عن السوال الثانی (الف)

(۱) **عبارت کا سلیس ترجمہ**: اور بہرحال علم اس کو لایا جاتا ہے تا کہ اس کے معنی سامع کے ذہن میں مخصوص نام کے ساتھ حاضر ہو سکیں جیسے وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرَاهِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ

الْبَيْتِ وَ اِسْمَاعِيْل "اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بیت اللہ کی بنیادیں بلند کیں" اور کبھی اس علم کے ساتھ دوسری اغراض بھی مقصود ہوتی ہیں۔

(۲) اعراب عبارت اور تشریح:

وَاَمَّا الْعَلَمُ فَيُؤْتٰى بِهٖ لِاِحْضَارِ مَعْنَاهُ فِىْ ذِهْنِ السَّامِعِ بِاِسْمِهِ الْخَاصِ نَحْوُ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرَاهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمَاعِيْلُ وَقَدْ يُقْصَدُ بِهٖ مَعَ ذَالِكَ اَغْرَاضٌ اُخْرٰى

تشریح عبارت: یہاں سے معرفہ کی اقسام میں سے دوسری قسم کو بیان کیا جارہا ہے کہ علم کے ذریعے اسم کو معرفہ اس لئے لایا جاتا ہے تاکہ اس کے معنی کو سامع کے ذہن میں مخصوص نام کے ساتھ حاضر کیا جائے کہ فلاں کام کو فلاں شخص کرنے والا ہے تاکہ کسی اور کی طرف سامع کا ذہن نہ جائے جیسے وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمَاعِيْلُ کہ جب حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ بیت اللہ کی بنیادیں اوپر اٹھا رہے تھے، اس آیت میں ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کو مختص نام کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے تاکہ ابتدا ہی سے سامع کو معلوم ہو جائے کہ بیت اللہ کو بنانے والے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ ہیں اگر علم کی بجائے ضمیر لائی جاتی اور یوں کہا جاتا "وَاِذْ يَرْفَعَانِ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ" تو سامع کے ذہن میں معین شخصیتیں حاضر نہ ہوتیں آگے صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ علم کو کلام میں استعمال کرنے کا اصل مقصد تو وہی ہے جو بیان ہوا لیکن کبھی اصل مذکور کے علاوہ دوسری اغراض کیلئے بھی علم لایا جاتا ہے۔

(۳) علم مذکورہ اغراض کے علاوہ دوسری اغراض کیلئے آتا ہے مثالوں کے ساتھ اس کی وضاحت:

کبھی علم مذکورہ اغراض کے علاوہ دوسری اغراض میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) **تعظیم کیلئے:** کبھی تعظیم کی غرض سے بھی علم کے ساتھ معرفہ لایا جاتا ہے جب اس علم میں معنی وصفی کے اعتبار سے تعظیم کا مفہوم موجود ہو جیسے رَكِبَ سَيْفُ الدَّوْلَةِ "سیف الدولہ سوار ہوا" اس مثال میں اسم خاص کے ساتھ سامع کے ذہن میں سیف الدولہ کی ذات حاضر ہوئی ہے اور ساتھ تعظیم بھی ہے کہ سیف بمعنی تلوار کہ ملک کی تلوار۔

(۲) **اہانت کیلئے:** کبھی اہانت کی غرض سے علم کے ساتھ معرفہ لایا جاتا ہے جب اس علم میں معنی وصفی کے اعتبار سے اہانت اور ذلت کا مفہوم موجود ہو جیسے ذَهَبَ صَخْرٌ "صخر چلا گیا" یعنی اسکا خاتمہ ہو گیا، اسم خاص کے ساتھ سامع کے ذہن میں صخر کی ذات حاضر ہوئی اور اس کے ساتھ اس کی توہین بھی مقصود ہے کیونکہ صخر بمعنی چٹان کے ہے۔

(۳) **کنایہ کیلئے:** کبھی کنایہ کی غرض سے علم کے ساتھ معرفہ لایا جاتا ہے جس کیلئے لفظ علم صلاحیت رکھتا ہو جیسے تَبَّتْ يَدَا أَبِيْ لَهَبٍ کہ ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ گئے، ابولہب اسم خاص سے سامع کے ذہن میں ابولہب کی ذات کو حاضر کیا پھر جہنمی ہونے سے کنایہ کر دیا کیونکہ لہب شعلہ کو کہتے ہیں اور حقیقی شعلہ جہنم کا ہوتا ہے اس لئے ابولہب یعنی شعلہ والا کہہ کر اس کے مسمّٰی کو جہنمی ہونے سے کنایہ کیا ہے۔

السوال الثانی (ب) ۱۴۲۶ھ

وقد تخرج الفاظ الاستفهام عن معناها الاصلی لمعان اخر تفہم من سیاق الکلام کالتسویہ نحو "سواء علیھم انذرتھم ام لم تنذر ھم"

(۱) عبارت کا سلیس ترجمہ کیجئے اور اعراب لگائیں (۲) استفہام کے الفاظ جن دوسرے معانی کیلئے آتے ہیں ان میں سے چھ الفاظ کو مثالوں کے ساتھ ذکر کیجئے۔

الجواب عن السوال الثانی (ب)

(۱) اعرابِ عبارت اور سلیس ترجمہ:

وَقَدْ تُخْرَجُ اَلْفَاظُ الْاِسْتِفْهَامِ عَنْ مَعْنَاهَا الْاَصْلِیْ لِمَعَانٍ اُخَرَ تُفْهَمُ مِنْ سِیَاقِ الْکَلَامِ کَالتَّسْوِیَۃِ نَحْوُ "سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ"

اور کبھی نکالا جاتا ہے الفاظ استفہام کو اپنے اصلی معنی سے دوسرے معنی کی طرف اور وہ معنی کلام کے سیاق وسباق سے سمجھا جاتا ہے جیسے برابری کے معنی میں جیسے سَوَاءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ برابر ہے ان پر آپؐ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں۔

(۲) استفہام کے الفاظ جن دوسرے معانی کیلئے آتے ہیں ان میں سے چھ الفاظ کی مثالوں کے ساتھ وضاحت

کبھی الفاظ استفہام اپنے اصلی معنی سے نکل کر دوسرے معنوں میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔

(۱) **تسویہ کیلئے:** کبھی حروف استفہام میں سے ہمزہ اور اَمْ اپنے اصلی معنی استفہام سے نکل کر تسویہ یعنی برابری کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں جیسے قرآن پاک میں ہے سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ کہ ان کیلئے برابر ہے کہ آپؐ انہیں عذاب سے ڈرائیں یا نہ ڈرائیں اس آیت میں ہمزہ اور اَمْ اپنے اصلی معنی استفہام میں استعمال نہیں ہوئے بلکہ تسویہ کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔

(۲) **نفی کے معنی میں:** کبھی ۔وف استفہام میں سے هَلْ یہ اپنے اصلی معنی استفہام سے

نکل کر نفی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ کہ نہیں ہے احسان کا بدلہ سوائے احسان کے، اس آیت میں ھل استفہامیہ نفی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

(۳) **انکار کے معنی میں:** کبھی حروف استفہام میں سے ہمزہ انکار کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے اَغَیْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ کیا تم اللہ تعالی کے علاوہ کو پکارتے ہو اس آیت میں اَغَیْرَ اللّٰهِ کا ہمزہ اپنے اصلی معنی استفہام سے نکل کر انکار کے معنی میں استعمال ہوا ہے کہ تم غیر اللہ کی پرستش نہ کرو، اسی طرح اَلَیْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ کیا اللہ تعالی اپنے بندوں کیلئے کافی نہیں ہے اس آیت میں ہمزہ استفہام انکاری لَیْسَ کلمہ نفی پر داخل ہے اور قاعدہ ہے کہ نفی پر نفی داخل ہو تو اثبات کا فائدہ دیتا ہے تو معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالی اپنے بندوں کیلئے کافی ہیں۔

(۴) **امر کے معنی میں:** حروف استفہام میں سے ھل اور ہمزہ اپنے اصلی معنی استفہام سے نکل کر امر کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں جیسے فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ کیا تم باز آنے والے ہو اس آیت میں ھل امر کے معنی میں ہے کہ تم باز آجاؤ اور دوسری آیت میں ہے ءَاَسْلَمْتُمْ کیا تم اسلام لے آتے ہو اس آیت میں ہمزہ استفہام امر کے معنی میں ہے کہ تم اسلام لے آؤ۔

(۵) **تعظیم کے معنی میں:** کبھی حروف استفہام میں سے مَنْ اپنے اصلی معنی استفہام سے نکل کر تعظیم کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے قرآن پاک میں ہے مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ کہ کون ہے ایسا شخص جو اللہ جل شانہ کے سامنے کسی کی سفارش کرے مگر اسکی اجازت سے، اس آیت میں مَنْ ذَا الَّذِیْ میں مَنْ تعظیم کیلئے ہے اور استفہام بمعنی نفی کیلئے ہے اور مقصود یہاں پر اللہ تعالی کی تعظیم ہے کہ کون ہے ایسا جو رب العزت کے سامنے کسی کی سفارش کرے یعنی کوئی بھی نہیں تو یہاں پر تعظیم کلمہ استفہام کے مدخول کی نہیں بلکہ استفہام کے متعلق رب العزت کی عظمت بیان کرنا مقصود ہے۔

(۶) **گمراہی پر تنبیہ کے معنی میں:** کبھی حروف استفہام میں سے اَیْنَ اپنے اصلی معنی استفہام سے نکل کر غلطی اور گمراہی پر تنبیہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے فَاَیْنَ تَذْھَبُوْنَ کہ تم کدھر جارہے ہو اس مثال فَـاَیْـنَ تَذْھَبُوْنَ میں اَیْنَ سے استفہام مقصود نہیں ہے بلکہ غلطی اور گمراہی پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ کہاں گمراہیوں میں بھٹکے جارہے ہو خیال کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے راہ نجات کفر نہیں بلکہ راہ اسلام ہے۔

السوال الثالث (الف) ۱۴۲۶ھ

واما الموصول فیؤتی به اذا تعین طریقا لاحضاره معناه کقولك الذی کان معنا امس مسافرا اذا لم تکن تعرف اسمه اما اذا لم یتعین طریقا لذالك فیکون لاغراض اخری

(۱) عبارت پر اعراب لگائیے (۲) عبارت کا معنی خیز ترجمہ کر کے تشریح کیجئے (۳) موصول دیگر اغراض کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے ان اغراض میں سے تین کا ذکر کیجئے مثالوں کے ساتھ۔

الجواب عن السوال الثالث (الف)

(۱) اعرابِ عبارت:

وَاَمَّا الْمَوْصُوْلُ فَیُؤْتٰی بِهٖ اِذَا تَعَیَّنَ طَرِیْقًا لِاِحْضَارِ مَعْنَاهُ کَقَوْلِكَ ''اَلَّذِیْ کَانَ مَعَنَا اَمْسِ مُسَافِرٌ'' اِذَالَمْ تَکُنْ تَعْرِفُ اِسْمَهٗ اَمَّااِذَا لَمْ یَتَعَیَّنْ طَرِیْقًا لِذَالِكَ فَیَکُوْنُ لِاَغْرَاضٍ اُخْرٰی

عبارت کا معنی خیز ترجمہ: اور بہر حال اسم موصول اس کے ساتھ معرفہ اس وقت لایا جاتا ہے جب اس کے معنی کو حاضر کرنے کا کوئی طریقہ متعین ہو جائے جیسے تیرا قول اَلَّـــذِیْ

كَانَ مَعَنَا اَمْسِ مُسَافِرٌ وہ شخص جو کل ہمارے ساتھ تھا سفر پر جانے والا ہے، یہ اس صورت میں ہے جب تم اس کا نام نہ جانتے ہو اور جب اسم موصول احضار معنی کیلئے متعین نہ ہو تو وہ دوسری غرضوں کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

عبارت کی تشریح: یہاں سات اقسام معرفہ میں سے چوتھی قسم اسم موصول کو بیان کیا جارہا ہے کہ اسم موصول کے ساتھ اس وقت معرفہ لایا جاتا ہے جبکہ شے معین کو سامع کے ذہن میں متحضر کرنے کیلئے اسم موصول کا ہونا متعین ہو جائے یعنی مخاطب کو صرف صلہ کا علم ہو اور صلہ کے علاوہ کوئی دوسرے احوال کو نہ جانتا ہو جیسے تو یوں کہے گا اَلَّذِیْ كَانَ مَعَنَا اَمْسِ مُسَافِرٌ کہ جو شخص گذشتہ کل ہمارے ساتھ تھا وہ مسافر ہے یہ اسوقت کہے گا جب تم اس کا نام وغیرہ نہ جانتے ہو، اور جب شے معین کو ذہن میں حاضر کرنے کیلئے اسم موصول کا ہونا متعین نہ ہو اور مخاطب کو صلہ کے بارے میں کچھ علم نہ ہو تو ایسی صورت میں اسم موصول کا استعمال دوسرے اغراض و مقاصد کیلئے بھی ہوتا ہے۔

(۳) اسم موصول دیگر اغراض کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے انمیں سے تین کا ذکر:

مذکورہ غرض کے علاوہ اسم موصول کا استعمال دوسرے اغراض و مقاصد کیلئے بھی ہوتا ہے۔

(۱) اظہار علت کیلئے: کبھی اسم موصول علت بیان کرنے کیلئے لایا جاتا ہے یعنی جو حکم لگ رہا ہے اس حکم کی علت اسم موصول ہے، اگر اسم موصول نہ ہو تو یہ مطلوب حاصل نہ ہوگا جیسے " اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا " کہ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے انکی مہمانی کیلئے فردوس کے باغات ہوں گے، اس آیت میں اسم

موصول علت بیان کرنے کیلئے ہے کہ مہمان نوازی کی علت اور وجہ ایمان اور اعمال صالحہ ہیں۔

(۲) **غیر مخاطب سے واقعہ کو چھپانے کیلئے**: کبھی اسم موصول کو اس لئے استعمال کرتے ہیں کہ غیر مخاطب سے واقعہ کو چھپانا مقصود ہوتا ہے جیسے

شعر وَاَخَذْتُ مَا جَادَ الْاَمِیْرُ بِہٖ ☆ وَقَضَیْتُ حَاجَاتِیْ کَمَا اَھْوٰی

شعر کا مطلب: میں نے وہ چیز لے لی جس کے ذریعے امیر نے سخاوت کی اور میں نے اپنی ضرورتوں کو اس طرح پورا کر لیا جس طرح میں چاہتا تھا یعنی اپنی خواہش کے مطابق میں نے اپنی ضرورتیں پوری کرلیں۔

محل استشہاد: اس شعر میں محل استشہاد اَخَذْتُ مَا جَادَ الخ میں مَا اسم موصول ہے اور متکلم کا مقصد بخشش کردہ چیزوں کو ظاہر نہ کرنے سے یہ ہے تاکہ مخاطب کے علاوہ دوسروں کو اسکا پتہ نہ چلے۔

(۳) **مخاطب کو غلطی پر تنبیہ کرنے کیلئے**: کبھی اسم موصول کو اس لئے استعمال کرتے ہیں تاکہ مخاطب کو غلطی پر تنبیہ ہو جائے جیسے اس شعر میں

شعر اِنَّ الَّذِیْنَ تَرَوْنَھُمْ اِخْوَانَکُمْ ☆ یَشْفِیْ غَلِیْلَ صُدُوْرِھِمْ اَنْ تُصْرَعُوْا

شعر کا ترجمہ: بیشک وہ لوگ جن کو تم اپنے بھائی سمجھتے ہو ان کے سینوں کا کینہ اس بات سے شفا پاتا ہے کہ تم بچھاڑ دیے جاؤ یعنی جن کو تم اپنے بھائی سمجھتے ہو حقیقت میں وہ تمہارے دشمن ہیں ان کو سینوں کی دشمنیوں کو یہی چیز دور کرسکتی ہے کہ تم سب کے سب ہلاک کر دیے جاؤ۔

محل استشہاد: اس شعر میں محل استشہاد "اِنَّ الَّذِیْنَ تَرَوْنَھُمْ" یہاں پر اسم موصول غلطی

پر تنبیہ کرنے کیلئے لایا گیا ہے اگر اسم موصول کی جگہ اِنَّ الْقَوْمَ تَرَوْنَهُمْ ہوتا تو غلطی پر تنبیہ نہ ہوتی یہاں ابہام کی وجہ سے بیدار کیا جا رہا ہے کہ جن کو تم اپنے بھائی خیال کرتے ہو وہ تمہاری بربادی کے منتظر ہیں لہذا تم غلطی پر ہو تمہیں چوکنا رہنا چاہیئے۔

السوال الثالث (ب)

الایجاز اما ان یکون بتضمن العبارة القصیرة معانی کثیرة واماان یکون بحذف کلمة او جملة او اکثر مع قرینة تعین المحذوف

(۱) عبارت کا ترجمہ کیجئے (۲) عبارت پر اعراب لگائیے (۳) عبارت میں ایجاز کی اقسام بیان کی گئی ہیں۔ ایجاز کی اقسام کو مثالوں کی روشنی میں بیان کیجئے (۴) ایجاز کی تعریف تحریر کریں۔

الجواب عن السوال الثالث (ب)

(۱) **عبارت کا ترجمہ:** ایجاز یا تو اس طرح ہوتا ہے کہ ایک چھوٹی سی عبارت مشتمل ہو بہت زیادہ معانی کو، اور یہ یا تو کسی کلمے یا جملے یا اس سے زیادہ کے حذف کے ساتھ ہوگا قرینے کے پائے جانے کے ساتھ محذوف کی تعین پر۔

(۲) اعراب عبارت:

اَلْایـجَازُ اِمَّا اَنْ یَکُوْنَ بِتَضَمُّنِ الْعِبَارَةِ الْقَصِیْرَةِ مَعَانِیَ کَثِیْرَةً وَّاِمَّااَنْ یَکُوْنَ بِحَذْفِ کَلِمَةٍ اَوْ جُمْلَةٍ اَوْ اَکْثَرَ مَعَ قَرِیْنَةٍ تَعَیُّنِ الْمَحْذُوْفِ

(۳) **ایجاز کی اقسام مثالوں کی روشنی میں:** کسی جملے میں ایک کلمہ یا ایک جملہ یا اس سے زیادہ کلموں اور جملوں کو حذف کر دیا جائے اور جملے میں ایسا قرینہ بھی موجود ہو جو محذوف کی تعیین کرے اس کو ایجاز حذف کہتے ہیں۔

(۱) **ایجاز کی پہلی قسم حذف کلمہ:** ایجاز حذف کی پہلی قسم یہ ہے کہ کسی جملے میں سے ایک کلمہ کو حذف کر دیا جائے، حذف کلمہ کی مثال جیسے ”لَا“ ہے امرالقیس کے اس شعر میں

شعر فَقُلْتُ یَمِیْنُ اللّٰهِ اَبْرَحُ قَاعِدًا وَلَوْ قَطَعُوْا رَاْسِیْ لَدَیْكَ وَاَوْصَالِیْ

شعر کا ترجمہ: تو میں نے کہا اللہ کی قسم میں ہمیشہ بیٹھا رہوں گا اگرچہ وہ لوگ تمہارے سامنے میرا سر اور میرے جسم کے تمام جوڑ و بند کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیں۔

محل استشهاد: اس شعر میں محل استشہاد اَبْرَحُ ہے جو اصل میں لَا اَبْرَحُ تھا اس میں حرف نفی لَا کو حذف کر دیا گیا ہے یہ حذف کلمہ کی مثال ہے حذف پر قرینہ یہ ہے کہ اگر حرف نفی حذف نہ مانا جائے تو پھر مقصد ہی بدل جائے گا کیونکہ اَبْـرَحُ کا معنی ہے اَزَالُ یعنی میں بھاگ جاؤں گا یہ خلاف مقصود ہے۔

ایجاز کی دوسری قسم حذف جملہ: ایجاز حذف کی دوسری قسم یہ ہے کہ جملے کو حذف کر دیا جائے اور ایسا قرینہ بھی موجود ہو جو محذوف کی تعیین کر دے جیسے اللہ تعالی کا قول وَاِنْ یُّـكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ اگر مشرکین آپ ﷺ کو جھٹلاتے ہیں تو آپ ﷺ سے پہلے بھی بڑے بڑے پیغمبر جھٹلائے جا چکے ہیں، آپ ﷺ اس معاملہ میں ان کی پیروی کریں اور صبر سے کام لیں اس آیت میں محل استشہاد وَاِنْ یُّـكَـذِّبُـوْكَ شرط ہے اور اس کی جزا محذوف ہے فَتَـاَسَّ وَاصْبِرْ یعنی انبیاء سابقین کی تکذیب پر افسوس کریں اور اپنی تکذیب پر صبر کریں، تو ان شرطیہ کی جزاء فَتَاَسَّ وَاصْبِرْ جملہ محذوف ہے اور جزا کی جگہ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ کو رکھ دیا گیا ہے فَقَدْ كُذِّبَتْ میں فاء سببیہ ہے فاء جزائیہ نہیں ہے اِنْ شرط کی جزا جملہ محذوف ہے۔

ایجاز کی تیسری قسم حذف اکثر :ایجاز حذف کی تیسری قسم یہ ہے کہ ایک جملے سے زیادہ کو حذف کر دیا جائے اور ایسا قرینہ بھی پایا جائے جو محذوف کی تعیین کر دے، ایک جملے سے زائد حذف کی مثال جیسے حضرت یوسفؑ کے قصہ میں کہ جب بادشاہ نے خواب دیکھا اس کی تعبیر معلوم کرنے کیلئے ایک شخص نے کہا فَاَرْسِلُوْنِ اسکے بعد بہت سے کلام کا حصہ محذوف ہے اَیْ اَرْسِلُوْنِیْ اِلٰی یُوْسُفَ لِاَسْتَعْبِرَہُ الرُّؤْیَا فَفَعَلُوْا فَاَتَاہُ وَقَالَ لَہٗ کہ مجھے حضرت یوسفؑ کی طرف بھیجو تا کہ میں ان سے خواب کی تعبیر دریافت کروں چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا پھر وہ حضرت یوسفؑ کے پاس آیا، یہ کئی جملے محذوف ہیں اسکے بعد قرآن کہتا ہے یُوْسُفُ اَیُّھَا الصِّدِّیْقُ اتنی لمبی عبارت حذف ہونے کے باوجود فہم مطلوب میں کوئی فرق واقع نہ ہوا اس آیت میں محذوف جملوں پر قرینہ وہ سیاق وسباق کے جملے ہیں جو خواب کی تعبیر پوچھنے کیلئے اجازت طلب کرنے اور تعبیر پر دلالت کر رہے ہیں۔

(۲) **ایجاز کی تعریف** : ایجاز کہتے ہیں کہ معنی مقصود کو ایسی عبارت سے ادا کیا جائے جو عبارت اس معنی سے اگرچہ کم ہو لیکن غرض اس سے پوری ہو جاتی ہو یعنی الفاظ معنی مقصود سے کم ہوں اور وہی مختصر عبارت معنی مقصود کو ادا کرنے کیلئے کافی ہو اور مقصود اس مختصر عبارت سے مکمل طور پر واضح ہو جاتا ہو جیسے اس شعر کے پہلے مصرعہ میں ایجاز کا طریقہ جاری ہے پورا شعر یوں ہے۔

شعر قِفَا نَبْکِ مِنْ ذِکْرٰی حَبِیْبٍ وَّمَنْزِلٖ ☆ بِسِقْطِ اللِّوٰی بَیْنَ الدَّخُوْلِ فَحَوْمَلٖ

شعر کا ترجمہ: یہ امرأ القیس کا شعر ہے اس میں کہہ رہا ہے اے میرے دونوں دوستو ذرا توقف کرو تا کہ ہم اپنی محبوب اور اس کی اس منزل کو یاد کر کے رولیں جو دخول اور حومل جگہ کے درمیان ریت کے تودوں کے کنارے پر واقع ہے۔

محل استشہاد: اس مصرعہ میں محل استشہاد نَبْكِ مِنْ ذِكْرٰى حَبِيْبٍ وَّمَنْزِلٍ ہے نَبْكِ اصل میں نَبْكِيْ تھا تخفیف کی خاطر ''ی'' کو حذف کر دیا گیا حبیب سے ضمیر نَا کو حذف کر دیا گیا جو اصل میں حَبِيْبِنَا تھا اور منزل سے ہٗ ضمیر کو حذف کر دیا گیا جو اصل میں مَنْزِلِهٖ تھا اس میں مضاف الیہ کو حذف کر دیا گیا ہے اس مصرعہ میں معنی مقصود کی نسبت سے عبارت قلیل ہے لیکن مقصود اس سے پورا ہو رہا ہے۔

(واللہ اعلم بالصواب)

الاختبار السنوی للعالیہ (للبنات)

الورقۃ الخامسۃ فی البلاغۃ ۱۴۲۵ھ

السوال الاول (الف)

والتعقيد ان يكون الكلام خفى الدلالة على المعنى المراد والخفاء اما من جهة اللفظ كقول المتنبى

جفخت وهم لا يجفخون بها بهم ☆ شيم على الحسب الاغر دلائل

(۱) عبارت پر اعراب لگا کر مطلب خیز ترجمہ کریں (۲) تعقید کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کریں (۳) تعقید کی اقسام بیان کرنے کے بعد بتائیے کہ مذکورہ شعر کس مثال سے ہے؟

الجواب عن السوال الاول (الف)

اعراب عبارت:

وَالتَّعْقِيْدُ اَنْ يَّكُوْنَ الْكَلَامُ خَفِيَّ الدَّلَالَةِ عَلَى الْمَعْنَى الْمُرَادِ وَالْخِفَاءُ اِمَّا مِنْ جِهَةِ اللَّفْظِ كَقَوْلِ الْمُتَنَبِّىْ

جَفَخَتْ وَهُمْ لَايَجْفَخُوْنَ بِهَا بِهِمْ ☆ شِيَمٌ عَلَى الْحَسَبِ الْاَغَرِّ دَلَائِلٌ

مطلب خیز ترجمہ: تعقید یہ ہے کہ کلام معنی مرادی پر خفی دلالت ہو اور یہ خفا یا تو لفظ کی جہت سے ہوگا جیسے متنبی کے قول میں

میرے ممدوح کے اخلاق اور عادات نے فخر کیا جو دلائل ہیں ان کے اعلی حسب ونسب ہونے پر حالانکہ وہ لوگ خود ان اخلاق پر فخر نہیں کرتے ہیں۔

(۲) تعقید کی لغوی اور اصطلاحی تعریف: تعقید کا لغوی معنی گرہ لگانا، عَقَدَ يَعْقَدُ عَقَدًا، از باب سمع گرہ دار زبان والا ہونا، عَقِدَ اللِّسَانُ زبان کا رکنا۔

تعقید کی اصطلاحی تعریف: یہ ہے کہ کلام متکلم کے معنی مرادی پر خفی دلالت ہو یعنی کلام میں ایسا خلل اور پیچیدگی پائی جائے جس کی وجہ سے وہ مقصود متکلم پر ظاہر الدلالۃ نہ ہو۔

تعقید کی دو قسمیں ہیں: (۱) تعقید لفظی (۲) تعقید معنوی

تعقید لفظی کی تعریف: تعقید لفظی یہ ہے کہ کلام معنی مرادی پر خفی الدلالۃ ہو اور یہ خفا یا تو لفظی خلل کے اعتبار سے ہوگا مثلا تقدیم یا تاخیر کے سبب سے، کہ ایک لفظ کو اس کے محل سے مقدم کر دیا یا مؤخر کر دیا جس کی وجہ سے مراد متکلم کو سمجھنا دشوار ہو، یا خفا دو لفظوں کے درمیان فصل کے سبب سے ہوگا یعنی دو متلازم چیزوں کے درمیان فصل کر دیا جیسے مبتدا اور خبر کے درمیان یا موصوف اور صفت کے درمیان یا بدل اور مبدل منہ کے درمیان فصل کر دیا جس کی وجہ سے مقصود متکلم کو سمجھنا مشکل ہو جیسے ابو الطیب متنبی کے اس شعر میں تعقید لفظی پائی جاتی ہے۔

تعقید معنوی کی تعریف: تعقید معنوی یہ ہے کہ کلام معنی مرادی پر ظاہر الدلالۃ نہ ہو اور یہ خفا معنوی خلل کے اعتبار سے ہو مثلاً متکلم نے اپنے کلام میں ایسے مجازات اور کنایات کو استعمال کیا ہو جس کی وجہ سے متکلم کی مراد سمجھ میں نہ آتی ہو۔

یعنی متکلم نے جو مجازی معنی مرادلیا ہے اب حقیقی معنی سے مجازی معنی کی طرف سامع کا ذہن آسانی سے منتقل نہیں ہوتا، یا متکلم نے اپنی کلام میں لوازم بعیدہ کو استعمال کیا ہو جو وسائط بعیدہ کے محتاج ہوں اور مقصود پر دلالت کرنے والے قرینے مخفی ہوں اب ان کی وجہ سے معنی میں خلل واقع ہو جیسے نَشَرَ الْمَلِكُ اَلْسِنَتَهٗ فِی الْمَدِیْنَةِ کہ بادشاہ نے شہر میں اپنی زبانیں پھیلادیں ہیں، اس سے مراد بادشاہ کے جاسوس، سراغ رساں، سی آئی ڈی والے ہیں کیونکہ جاسوس ترجمان ہوتا ہے اور ترجمانی زبان سے ہوتی ہے اس لئے زبان ہی کو مجازاً جاسوس کہہ دیا، مصنفؒ کہتے ہیں کہ اس موقع پر یہ جملہ زیادہ مناسب ہے نَشَرَ الْمَلِكُ عُیُوْنَهٗ فِی الْمَدِیْنَةِ کیونکہ عین کا اطلاق مجازاً جاسوس پر ہوتا ہے اور جاسوس کو عین اس لئے کہتے ہیں کیونکہ آنکھ ہی کے ذریعے جاسوس تمام حالات معلوم کرتا ہے اور اپنے فرائض درحقیقت آنکھ ہی سے سرانجام دیتا ہے اس لئے مجازاً جاسوس کو عربی میں عین کہتے ہیں، تو عین سے جاسوس کا معنی مذکورہ لوازم اور وسائط کے بعد سمجھ میں آیا ہے اس لئے اس میں تعقید معنوی پائی جاتی ہے بخلاف لسان کے اس کا اطلاق مجازاً جاسوس پر درست نہیں، مزید مثالیں تعقید معنوی کی کتاب میں موجود ہیں وہاں سے ملاحظہ فرمالیں۔

مذکورہ شعر کس مثال سے ہے؟

یہ شعر تعقید لفظی کی مثال سے ہے۔

جَفَخَتْ وَهُمْ لَا یَجْفَخُوْنَ بِهَا بِهِمْ ☆ شِیَمٌ عَلَی الْحَسَبِ الْاَغَرِّ دَلَائِلُ

محل استشہاد: اس شعر میں تعقید لفظی اسطرح پائی جاتی ہے کہ جَفَخَتْ فعل ہے اور شِیَمٌ

اسکا فاعل ہے تو فعل اور اسکے فاعل کے درمیان وَھُمْ لَا یَجْفَخُوْنَ بِهَا بِهِمْ سے فصل کیا گیا ہے،

پھر بِهِمْ یہ جَفَخَتْ کے متعلق ہے اس کو جَفَخَتْ کے متصلاً لانا چاہیے تھا لیکن اس کو لَا یَجْفَخُوْنَ کے بعد لایا گیا ہے جس سے یہ شبہ پڑتا ہے کہ یہ لَا یَجْفَخُوْنَ کے متعلق ہے، اسی طرح شِیَمٌ موصوف ہے اور اسکی صفت دَلَائِلُ ہے تو موصوف اور صفت کے درمیان عَلَى الْحَسَبِ الْاَغَرِّ کا فصل لایا گیا ہے اور یہ خلل الفاظ کی ترتیب میں واقع ہے جس کی وجہ سے متکلم کی مراد کو سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے، لہذا اس شعر میں تعقید کے پائے جانے کی وجہ سے فصاحت کے درجے سے گر کر یہ کلام غیر فصیح ہو گیا ہے اس شعر کی اصل یوں ہے۔

جَفَخَتْ بِهِمْ شِيَمٌ دَلَائِلُ عَلَى الْحَسَبِ الْاَغَرِّ وَهُمْ لَا يَجْفَخُوْنَ بِهَا

السوال الاول (ب) ۱۴۲۵ھ

والثانية موضوعة لمجرد ثبوت المسند للمسند اليه نحو الشمس مضيئة وقد تفيد الاستمرار بالقرائن اذالم يكن فى خبرها فعل نحو العلم نافع والاصل فى الخبر ان يلقى لافادة المخاطب الحكم الذى تضمنه الجملة

(۱) عبارت پر اعراب لگا کر مطلب بیان کریں (۲) اغراض خبر میں سے چار اغراض کو مثالوں کے ساتھ تحریر کریں۔

الجواب عن السوال الاول (ب)

اعرابِ عبارت:

وَالثَّانِيَةُ مَوْضُوْعَةٌ لِمُجَرَّدِ ثُبُوْتِ الْمُسْنَدِ لِلْمُسْنَدِ اِلَيْهِ نَحْوُ "اَلشَّمْسُ مُضِيْئَةٌ" وَقَدْ تُفِيْدُ الْاِسْتِمْرَارَ بِالْقَرَائِنِ اِذَالَمْ يَكُنْ فِىْ خَبَرِهَا فِعْلٌ نَحْوُ "اَلْعِلْمُ نَافِعٌ" وَالْاَصْلُ فِى الْخَبَرِ اَنْ يُلْقٰى لِاِفَادَةِ الْمُخَاطَبِ الْحُكْمَ الَّذِىْ تَضَمَّنَهُ الْجُمْلَةُ

عبارت کا مطلب: خبر یا تو جملہ فعلیہ ہوگی یا جملہ اسمیہ ہوگی پہلی قسم کی بات گزر چکی ہے، مذکورہ عبارت میں خبر کی دوسری قسم جملہ اسمیہ کو بیان کیا گیا ہے کہ جملہ اسمیہ محض اس لئے وضع کیا گیا ہے کہ اس بات کو بتائے کہ مسند، مسند الیہ کیلئے ثابت ہے اور جملہ اسمیہ میں تجدد اور استمرار کا فائدہ مطلوب نہیں ہوتا بلکہ اس کی وضع جملہ اسمیہ میں اس لئے ہوتی ہے کہ ایک شے کا ثبوت دوسری شے کیلئے ہے جیسے اَلشَّمْسُ مُضِیْئَۃٌ کہ سورج روشن ہے اس جملہ میں روشنی کا ثبوت سورج کیلئے ثابت کیا گیا ہے۔

اور کبھی جملہ اسمیہ قرائن سے استمرار کا فائدہ بھی دیتا ہے یعنی کام شروع ہوگیا ہے اور ابھی تک جاری ہے بشرطیکہ اس کی خبر میں فعل نہ ہو کیونکہ فعل تجدد اور حدوث پر دلالت کرتا ہے جو استمرار کے منافی ہے جیسے اَلْعِلْمُ نَافِعٌ کہ علم نفع بخش ہے اس میں استمرار یوں پایا جاتا ہے کہ تجربہ اور مشاہدہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ علم ہمیشہ کیلئے نافع ہے، اور خبر کو اصل میں دو مقاصد کیلئے لایا جاتا ہے

-

(۱) **افادہ حکم للمخاطب:** کہ مخبر اپنی خبر سے مخاطب کو حکم کا فائدہ پہنچانا چاہتا ہے جس کو مخاطب جانتا نہیں جیسے حَضَرَ الْاَمِیْرُ کہ اس جملے میں متکلم کا مقصود مخاطب کو امیر کی حاضری کی اطلاع دینا ہے اس خبر کا نام فائدۃ الخبر ہے۔

(۲) **لازم افادہ حکم:** کہ مخبر اپنی خبر سے مخاطب کو یہ بتانا چاہتا ہے کہ جس طرح تم اس خبر کو جانتے ہو میں بھی اس خبر کو جانتا ہوں جیسے اَنْتَ حَضَرْتَ اَمْسِ کہ تو گذشتہ کل حاضر ہوا تھا، اس جملہ میں مخبر، مخاطب کو اپنی واقفیت اور معلومات بتانا چاہتا ہے کہ مخبر کو مخاطب کی حاضری کا علم ہے، اور جیسے حافظ قرآن سے کہا جائے قَدْ حَفِظْتَ الْقُرْاٰنَ اس جملہ میں مخاطب کو حفظ قرآن کی خبر دینا مقصود نہیں کیونکہ وہ تو پہلے ہی جانتا ہے کہ میں حافظ قرآن ہوں بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ مجھے بھی

تمہارے حافظ قرآن ہونے کی خبر معلوم ہے اس خبر کا نام لازم فائدہ الخبر ہے۔

(۲) اغراض خبر میں سے چار اغراض کی مثالوں کے ساتھ وضاحت:

مخبر کی خبر سے مقصود حقیقی صرف دو چیزیں ہوتی ہیں (۱) افادۂ حکم للمخاطب (۲) لازم افادۂ حکم، کبھی ان دونوں غرضوں کے علاوہ دوسری اغراض کیلئے بھی کلام خبری استعمال ہوتا ہے مگر یہ مجاز کے اعتبار سے ہے حقیقتاً نہیں۔

(۱) **غرض اول:** کبھی خبر شفقت اور مہربانی طلب کرنے کیلئے خبر لائی جاتی ہے جیسے قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حکائی قول ہے رَبِّ اِنِّیْ لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ "اے میرے رب جو خیر تو میرے پاس بھیجے میں اس کا محتاج اور طالب ہوں" اس قول سے نہ تو فائدہ خبر مراد لے سکتے ہیں کیونکہ اس قول کے مخاطب اللہ تعالیٰ ہیں جو ظاہر اور باطن کو جانتے ہیں۔ اسلئے اللہ تعالیٰ کو خبر دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا، اور نہ ہی لازم فائدہ خبر مراد ہوسکتا ہے کہ حضرت موسیٰ کا یہ بھی مقصد نہیں کہ میں بھی اس خبر کو جانتا ہوں بلکہ یہ کلام اللہ تعالیٰ سے رحم و کرم مانگنے کیلئے لائی گئی ہے۔

(۲) **غرض ثانی:** کبھی خبر اپنی کمزوری اور ناتوانی کے اظہار کیلئے لائی جاتی ہے جیسے قرآن مجید میں حضرت زکریاؑ کا قول ہے رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ "اے میرے رب میری ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں" اس خبر سے فائدۃ الخبر اور لازم فائدۃ الخبر دونوں مراد نہیں ہو سکتے بلکہ اسمیں اپنی کمزوری اور عاجزی کا بیان ہے۔

(۳) **غرض ثالث:** کبھی خبر اظہار حسرت اور اظہار افسوس کیلئے لائی جاتی ہے جیسے زوجہ عمران کا قول رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰی وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ اے میرے رب میں نے تو اسے بچی جنا ہے اور اللہ تعالیٰ زیادہ بہتر جانتے ہیں جو اسنے جنا تھا، اس قول میں اپنی نذر کے پورا نہ

ہونے پر غم وحزن کا اظہار ہے کیونکہ اسنے بیٹا پیدا ہونے کی نذر مانی تھی مگر بیٹی پیدا ہوئی۔

(۴) **غرض رابع :** کبھی خبر محبوب چیز کی آمد پر اظہار فرحت کیلئے اور مبغوض چیز کے جانے پر اظہار مسرت کیلئے لائی جاتی ہے جیسے رب العزت کا ارشاد ہے جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ''کہ حق آگیا اور باطل چلا گیا'' اس آیت میں اسلام کی آمد پر مسرت اور شرک وباطل کے ختم ہونے پر خوشی کا اظہار ہے۔

السوال الثانی (الف) ۱۴۲۵ھ

واما التمنی فهو طلب شئی محبوب لایرجی حصوله لكونه مستحيلا او بعيد الوقوع كقوله ''الا ليت الشباب يعود يوما فاخبره بما فعل المشيب''

(۱) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کیجیئے (۲) ادوات تمنی کیا کیا ہیں؟ مثالوں کے ساتھ تحریر کریں (۳) تمنی اور ترجی میں فرق واضح کریں

الجواب عن السوال الثانی (الف)

اعرابِ عبارت:

وَاَمَّا التَّمَنِّیْ فَهُوَ طَلَبُ شَیْءٍ مَّحْبُوْبٍ لَایُرْجٰی حُصُوْلُهٗ لِكَوْنِهٖ مُسْتَحِيْلًا اَوْ بَعِيْدَ الْوُقُوْعِ كَقَوْلِهٖ

اَلَا لَيْتَ الشَّبَابَ يَعُوْدُ يَوْمًا ☆ فَاُخْبِرَهٗ بِمَا فَعَلَ الْمَشِيْبُ

ترجمہ عبارت: بہر حال تمنی وہ ایسی محبوب چیز کے طلب کرنے کو کہتے ہیں جس کے حاصل ہونے کی امید نہ ہو اس کے محال ہونے کی وجہ سے یا اس کے بعید الوقوع ہونے کی وجہ سے جیسے شاعر کا قول ہے۔

کاش کہ میری جوانی کسی دن لوٹ آتی، تو میں اسے بتاتا جو بڑھاپے نے میرے ساتھ کیا

(۲)**ادوات تمنی چار ہیں مثالوں کے ساتھ وضاحت:** تمنی کیلئے چار حروف استعمال ہوتے ہیں وہ یہ ہیں (۱) لَيْتَ (۲) هَلْ (۳) لَوْ (٤) لَعَلَّ ان میں سے ایک اصلی ہے اور وہ لَيْتَ ہے اور یہ تمنا کیلئے استعمال ہوتا ہے جیسے لَيْتَ الشَّبَابَ يَعُوْدُ اور تین غیر اصلی ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) هَلْ (۲) لَوْ (۳) لَعَلَّ، یہ تینوں تمنی کیلئے مجازاً استعمال ہوتے ہیں، کیونکہ هَلْ اصل میں استفہام کیلئے موضوع ہے اور تمنا کیلئے مجازاً استعمال ہوتا ہے جیسے کفار کہیں گے "فَهَلْ لَنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَا" اے کاش! ہمارے لئے سفارش کرنے والے ہوتے کہ وہ ہماری سفارش کرتے، یہاں پر ھل استفہام کیلئے نہیں بلکہ تمنا کیلئے ہے، کیونکہ تمنا کرنے والوں کو یہ بات معلوم ہے کہ ہمارے لئے کوئی سفارشی نہیں ہے۔

اسی طرح لَوْ اصل میں حرف شرط ہے تو تمنا کیلئے مجازاً استعمال ہوتا ہے جیسے فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ کہ مجرم لوگ تمنا کریں گے کہ کاش ہمیں دنیا میں دوبارہ آنا نصیب ہوتا تو ہم ایمان لے آتے، تو اس آیت میں کلمہ لَوْ معنی شرط میں استعمال نہیں ہوا بلکہ تمنا میں استعمال ہوا ہے اسی طرح لَعَلَّ کا حقیقی معنی ترجی ہے لیکن ترجی کے علاوہ مجازاً معنی تمنا میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے اس شعر میں،

شعر اَسِرْبَ الْقَطَا هَلْ مَنْ يُّعِيْرُ جَنَاحَهٗ ☆ لَعَلِّيْ اِلٰى مَنْ قَدْ هَوِيْتُ اَطِيْرُ

ترجمہ شعر: اے قطا کے غول اور جھنڈ کیا ہے کوئی جو اپنے پَر مجھے عاریۃً دیدے توقع ہے کہ میں اس شخص کے پاس اڑ کر چلا جاؤں جس سے میں محبت کرتا ہوں۔

محل استشہاد: اس شعر میں محل استشہاد لَعَلِّيْ اِلٰى مَنْ قَدْ هَوِيْتُ اَطِيْرُ ہے کہ اس میں لَعَلِّيْ تمنا کے لے استعمال ہوا ہے کہ شاید میں اپنے محبوب کی طرف اڑ کر جاسکوں۔

تمنی اور ترجی میں فرق: تمنی کا استعمال ممکن اور ناممکن دونوں قسموں میں ہوتا ہے جیسے لَیْتَ الشَّبَابَ یَعُوْدُ کاش کہ جوانی واپس آ جائے اب جوانی کا واپس آنا ناممکن ہے، ترجی کا استعمال صرف ممکن چیزوں میں ہوتا ہے جیسے لَعَلَّ اللّٰهَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذَالِكَ اَمْرًا امید ہے کہ اللہ تعالی اس واقعہ کے بعد کوئی دوسری صورت پیدا کر دے، اب دوسری صورت کا پیدا ہونا ممکن ہے، لیکن لَعَلَّ الشَّبَابَ یَعُوْدُ نہیں کہہ سکتے کیونکہ لعل ممکن چیزوں کیلئے آتا ہے اور جوانی کا لوٹنا ممکن نہیں اس لئے لَیْتَ الشَّبَابَ یَعُوْدُ کہیں گے کیونکہ تمنی ناممکن چیز کی بھی ہو سکتی ہے۔

السوال الثانی (ب) ١٤٢٥ھ

(١) قال لی کیف انت قلت علیل ☆ سھر دائم و حزن طویل

(٢) نحن بما عندنا وانت بما عند ☆ ک راض والرأی مختلف

(٣) قد طلبنا فلم نجد لک فی السو ☆ دد والمجد والمکارم مثلا

(١) عبارت پر اعراب لگا کر واضح ترجمہ کیجئے (٢) مذکورہ بالا اشعار میں محذوف اشیاء کی تعیین کرتے ہوئے ان کے دواعی حذف بیان کیجئے

الجواب عن السوال الثانی (ب)

اعراب عبارت:

(١) قَالَ لِیْ کَیْفَ اَنْتَ قُلْتُ عَلِیْلٌ ☆ سَهَرٌ دَائِمٌ وَ حُزْنٌ طَوِیْلٌ

(٢) نَحْنُ بِمَا عِنْدَنَا وَاَنْتَ بِمَا عِنْدَ ☆ كَ رَاضٍ وَالرَّأْیُ مُخْتَلِفٌ

(٣) قَدْ طَلَبْنَا فَلَمْ نَجِدْ لَكَ فِی السُّوْ ☆ دَدِ وَالْمَجْدِ وَالْمَکَارِمِ مَثَلًا

ترجمہ عبارت:

(۱) اس نے مجھ سے کہا تیرا حال کیسا ہے میں نے کہا بیمار ہوں، مسلسل بیداری اور طویل غم ہے۔
(۲) ہم اس چیز سے جو ہمارے پاس ہے اور تم اس چیز سے جو تمہارے پاس ہے، راضی ہیں اور رائیں مختلف ہیں۔
(۳) تحقیق ہم نے تلاش کیا پس ہم نے نہیں پایا تیری مثل، سرداری اور بزرگی اور اخلاق میں۔

(۲) مندرجہ بالا اشعار میں محذوف اشیاء کی تعیین اور دواعی حذف

شعر قَالَ لِیْ کَیْفَ اَنْتَ قُلْتُ عَلِیْلٌ ☆ سَھَرٌ دَآئِمٌ وَ حُزْنٌ طَوِیْلٌ

اس شعر میں دواعی حذف میں پانچواں سبب مقام کی تنگی ہے، مقام کی تنگی کی وجہ سے مسند الیہ کو حذف کر دیا جاتا ہے، خواہ تنگی اظہار درد کی وجہ سے ہو کہ تکلیف اور درد کی وجہ سے کلام طویل سے طبیعت نفرت کرتی ہے اس لئے مسند الیہ کو حذف کر دیا جاتا ہے جیسے اس مذکورہ شعر میں

شعر کا مطلب: اس نے مجھ سے کہا کہ تمہارا حال کیسا ہے میں نے جواب دیا کہ بیمار ہوں لمبی اور مسلسل بیداری ہے اور طویل غم ہے، یعنی دائمی اور طویل بیماری اور مسلسل غم میں مبتلا ہوں، ایک اردو کا شعر بعینہ اسکی ترجمانی کرتا ہے۔

؎ حال میرا پوچھتے ہو کیا بہت بیمار ہوں ☆ مبتلائے عشق ہوں اور شب و روز بیدار ہوں

محل استشہاد: اس شعر میں محل استشہاد قُلْتُ عَلِیْلٌ ہے اصل میں قُلْتُ اَنَا عَلِیْلٌ تھا اَنَا مسند الیہ کو تنگی مقام کی وجہ سے حذف کر دیا کیونکہ اظہار تکلیف کے وقت زیادہ بات نہیں کیجاتی اور بات کرنے سے دل اُکتاتا ہے، یا حذف، وقت اور موقع نکل جانے کے خوف کیوجہ سے ہو جیسے شکاری کہے غَزَالٌ اصل میں تھا ھٰذَا غَزَالٌ اب یہاں موقع فوت ہو جانے کا خطرہ ہے، کہ شکار نکل جانے کے خطرہ کی وجہ سے ھٰذَا مسند الیہ کو حذف کر دیا۔

(۲) شعر نَحْنُ بِمَا عِنْدَنَا وَاَنْتَ بِمَا عِنْدَ ☆ كَ رَاضٍ وَالرَّأْیُ مُخْتَلِفٌ

شعر کا مطلب: اس شعر میں دواعی حذف میں سے ساتواں سبب وزنِ شعر یا کلامِ مقفٰی کی رعایت ہے، کیونکہ اگر حذف نہ کیا جائے تو پھر شعر کا وزن ٹوٹ جائے گا تو وزن شعر باقی رکھنے کیلئے حذف کر دیا گیا ہے، ہم اپنی رائے سے اور تم اپنی رائے سے خوش ہو اور یہ بات تو مسلّم ہے رائے کا اختلاف ہونا ناگزیر ہے یعنی اختلاف رائے میں تعجب نہ ہونا چاہئے۔

محل استشہاد: اس شعر میں محل استشہاد نَحْنُ بِمَا عِنْدَنَا ہے اصل میں تھا نَحْنُ بِمَا عِنْدَنَا رَاضُوْنَ وَ اَنْتَ بِمَا عِنْدَكَ رَاضٍ اس شعر میں نَحْنُ کی خبر رَاضُوْنَ وزن شعر کی حفاظت کیلئے حذف کر دی گئی ہے۔

حذف کے اسباب میں سے ایک سبب سجع کی حفاظت ہے، سجع سے مراد کلام نثر کے فقرے ایک ہی حرف پر ہوں، تو سجع کی حفاظت کیلئے مفعول کو حذف کر دیا جیسے قرآن پاک میں ہے "مَاوَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی" اصل میں تھا وَ مَا قَلَاكَ لیکن سجع سابق وَالضُّحٰی وَ اللَّيْلِ اِذَا سَجٰی اور سجع لاحق وَ لَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی میں وَ الضُّحٰی اور اِذَا سَجٰی اور اُوْلٰی کیساتھ سجع بندی کیلئے وَمَا قَلٰی سے كَ ضمیر مفعول کو حذف کر دیا کیونکہ اگر قَلَاكَ کہا جاتا تو سجع بندی ٹوٹ جاتی۔

(۲) شعر قَدْ طَلَبْنَا فَلَمْ نَجِدْكَ فِى السُّو ☆ دَدِ وَ الْمَجْدِ وَ الْمَكَارِمِ مَثَلًا

شعر کا مطلب: اس شعر میں دواعی حذف میں سے ادب کا لحاظ کرنا ہے کہ کبھی ادب کا لحاظ باعث حذف ہوتا ہے تحقیق ہم نے تلاش کیا تو سرداری، بزرگی اور حسن اخلاق میں تیری مثل کوئی نہیں

محل استشہاد: اس شعر میں محل استشہاد قَدْ طَلَبْنَا ہے اسکا مفعول ادب کیوجہ سے محذوف

ہے، اصل میں یوں تھا قَدْ طَلَبْنَا مِثْلَكَ ، یہاں مِثْلَکَ مفعول کو بوجہ ادب حذف کر دیا، کیونکہ اپنے محبوب کے سامنے صراحۃً اسکی مثل طلب کرنا ادب کے خلاف ہے گویا کہ اسکا مماثل کالعدم ہے، مفعول کو حذف کرنے سے ممدوح مزید خوش ہوگا اور اس مفعول کے حذف میں ادب بھی ہے کیونکہ محبوب کے سامنے اسکے مماثل کو ذکر کرنا اسکی شان اور ادب کے خلاف ہے۔

السوال الثالث (الف) ۱۴۲۵ھ

اما الضمير فيؤتى به لكون المقام للتكلم او الخطاب او الغيبة مع الاختصار نحو انا رجوتك فى هذا الامر وانت وعدتنى بانجازه والاصل فى الخطاب

(۱) عبارت پر اعراب لگا کر تشریح کیجئے (۲) والاصل فی الخطاب سے کیا کہنا چاہتے ہیں وضاحت کریں (۳) اسم علم اور اسم ضمیر میں کیا فرق ہے۔

الجواب عن السوال الثالث (الف)

اعرابِ عبارت:

اَمَّا الضَّمِيْرُ فَيُؤْتٰى بِهٖ لِكَوْنِ الْمَقَامِ لِلتَّكَلُّمِ اَوِ الْخِطَابِ اَوِ الْغَيْبَةِ مَعَ الْاِخْتِصَارِ نَحْوُ اَنَا رَجَوْتُكَ فِیْ هٰذَا الْاَمْرِ وَاَنْتَ وَعَدْتَنِیْ بِاِنْجَازِهٖ وَالْاَصْلُ فِی الْخِطَابِ

عبارت کی تشریح: یہاں سے مصنفؒ معرفہ کی سات اقسام میں سے پہلی قسم ضمیر کو بیان کر رہے ہیں اور ضمیر کو باقی اقسام پر اس لئے مقدم کیا کیونکہ ضمیر اقسام معرفہ میں سے سب سے زیادہ اکمل اور اعرف معرفہ ہے اس لئے ضمیر کو باقی اقسام پر مقدم کیا۔

مسند الیہ کو مختلف طریقوں سے معرفہ لایا جاتا ہے کبھی ضمیر سے اور کبھی علمیت وغیرہ سے،

ضمیر کے ذریعے مسند الیہ کو معرفہ اس لئے لایا جاتا ہے کہ یہ مختصر طریقہ ہے اور ضمیر اس جگہ لائی جاتی ہے جہاں اختصار کیساتھ تکلم یا خطاب یا غیبت کا موقع ہو، یعنی ان مواقع میں ضمیر استعمال کرنے سے بات مختصر ہو جاتی ہے اگر ضمیر کی جگہ اسم ظاہر استعمال کیا جائے تو لمبی ہو جائے گی اور ضمیر خواہ متصل ہو یا منفصل دونوں میں اختصار پایا جاتا ہے، اور مقام یا تو تکلم کا ہوگا جیسے ''اَنَا رَجَوْتُكَ فِیْ هٰذَا الْاَمْرِ '' کہ میں نے تجھ سے اس معاملہ میں امید رکھی ہے اس جگہ ضمیر متکلم استعمال کی گئی ہے اور ضمیر کی وجہ سے کلام مختصر ہو گیا ہے اگر ضمیر متکلم کی جگہ اسم ظاہر استعمال کرتا تو بات طویل ہو جاتی، اسی طرح یا مقام خطاب کا ہوگا جیسے وَاَنْتَ وَعَدْتَنِیْ بِاِنْجَازِهٖ کہ تو نے مجھ سے اسکو پورا کرنے کا وعدہ کیا ہے اس جگہ میں ضمیر مخاطب کی استعمال کی گئی ہے اور ضمیر کے استعمال کی وجہ سے کلام مختصر ہو گیا ہے اگر ضمیر مخاطب کی جگہ اسم ظاہر استعمال کیا جاتا تو بات لمبی ہو جاتی اور اصل خطاب میں یہ ہے کہ وہ معین مشاہد کیلئے ہو۔

(۲) **والاصل فی الخطاب سے یہ کہنا چاہتے ہیں** کہ خطاب میں اصل یہی ہے کہ وہ معین مشاہد کیلئے ہو، کہ خطاب کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ خطاب کسی مشاہد اور معین شخص کیلئے ہو، خطاب کا معین موجود کیلئے ہونا وضع کے اعتبار سے اصلی یہی ہے کہ معارف معین کیلئے ہوں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ خطاب کا معنی ہے توجیہ الکلام الی الحاضر، اور وجہ تعریف تعیین کو چاہتا ہے، اور کبھی غیر مشاہد کو بھی خطاب کیا جاتا ہے جبکہ وہ دل میں حاضر سمجھ لیا ہو جیسے اِیَّاكَ نَعْبُدُ اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، یہ خطاب اللہ تعالی کو ہے لیکن اللہ تعالی نظر نہیں آتے لیکن ہر مؤمن کے دل میں اللہ تعالی موجود ہیں۔

اور کبھی خطاب غیر معین کیلئے بھی ہوتا ہے جبکہ خطاب سے مقصود تعمیم ہو، تا کہ بدلیت کی بنا پر خطاب ہر اس شخص کو شامل ہو جو مخاطب بننے کی صلاحیت رکھتا ہو جیسے اَللَّئِیْمُ مَنْ اِذَا اَحْسَنْتَ اِلَیْهِ اَسَاءَ اِلَیْكَ کہ کمینہ وہ شخص ہے کہ جب تم اسکے ساتھ اچھا سلوک کرو وہ تمہارے ساتھ برا سلوک کرے، اس مثال میں اَحْسَنْتَ اور اِلَیْكَ کا خطاب غیر معین کیلئے ہے۔

(۳)اسم علم اور ضمیر کے فوائد میں فرق

اسم علم کے ذریعے اسم کو معرفہ اسلئے لایا جاتا ہے کہ اسکا فائدہ یہ ہے کہ اسکے معنی کو سامع کے ذہن میں مخصوص نام کیساتھ حاضر کیا جاسکے کہ فلاں کام کو فلاں شخص کرنے والا ہے تاکہ سامع کا ذہن کسی اور طرف نہ جاسکے جیسے ضَرَبَ زَیْدٌ اور اسم ضمیر کے ذریعے مسند الیہ کو معرفہ لانے کا فائدہ یہ ہے کہ ضمیر مختصر طریقہ ہے اور اختصار کیساتھ تکلم اور خطاب اور غائب پر دلالت ہو جاتی ہے یعنی ضمیر استعمال کرنے سے بات مختصر ہو جاتی ہے اگر ضمیر کی جگہ اسم ظاہر استعمال کیا جائے تو بات طویل ہو جاتی ہے جیسے اَنْتَ ضَرَبْتَنِیْ اَمْسِ۔

السوال الثالث (ب) ۱۴۲۵ھ

و منها الالتفات و هو نقل الکلام و منها التغلیب وهو

(۱)التفات کی تعریف کریں (۲)التفات کی قسمیں مثالوں کے ساتھ تحریر کریں (۳)تغلیب کی تعریف کرنے کے بعد اقسام بمعہ امثلہ تحریر کریں۔

الجواب عن السوال الثالث (ب)

(۱)التفات کی تعریف: مقتضائے ظاہر کے خلاف کلام لانے کی چھٹی قسم التفات ہے، التفات کا لغوی معنی ہے متوجہ ہونا اور یہ التفات الانسان سے ماخوذ ہے کہ انسان کا دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں کی طرف متوجہ ہونا چونکہ متکلم بھی کلام میں مختلف طریقے اختیار کرتا ہے اس لئے اس کو بھی التفات کہتے ہیں۔

التفات کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ کلام کو تکلم، خطاب اور غیبت کی حالتوں میں سے کسی ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل کرنا، یعنی کلام کو مذکورہ تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے تعبیر کرنے کے بعد اس کو دوسرے طریقے سے تعبیر کرنا۔

التفات کا فائدہ: کلام عرب میں التفات کا بہت عمدہ فائدہ ہوتا ہے کیونکہ متکلم اگر ایک ہی اسلوب پر کلام کرتا رہے تو سامعین کے اُکتا جانے کا خطرہ ہوتا ہے اور جب متکلم اسلوبِ کلام بدلتا رہے گا تو حاضرین مجلس کی طبیعتیں متوجہ رہیں گی اور متکلم کی بات کو ذہن میں محفوظ کرتی رہیں گی کیونکہ مثل مشہور ہے کُلُّ جَدِیْدٍ لَذِیْذٌ التفات کا چونکہ بہت عمدہ فائدہ ہوتا ہے اسی وجہ سے التفات کو شجاعۃ العرب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

التفات کی قسمیں مع امثلہ:

التفات کی تین قسمیں ہیں (۱) تکلم سے خطاب کی طرف (۲) تکلم سے غیبت کی طرف (۳) خطاب سے تکلم کی طرف

پہلی قسم، تکلم سے خطاب کی طرف: التفات کی پہلی قسم یہ ہے کہ کلام کو تکلم سے خطاب کی طرف منتقل کیا جائے جیسے وَمَالِیَ لَااَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنِ اور مجھے کیا ہو گیا کہ میں عبادت نہ کروں اس ذات کی جس نے مجھے پیدا کیا اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے، اس آیت میں محل استشہاد اَعْبُدُ اور تُرْجَعُوْنَ ہے پہلا فعل اَعْبُدُ متکلم کے صیغے کے ساتھ ہے اور دوسرا فعل تُرْجَعُوْنَ خطاب کے صیغے کے ساتھ ہے اور مقتضائے ظاہر یہ تھا کہ دوسرا صیغہ بھی متکلم کے صیغے کے ساتھ وَاِلَیْهِ اَرْجِعُ ہونا چاہیئے تھا تاکہ دونوں فعلوں میں مساوات ہو جاتی، لیکن وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ لاکر کلام کی حالت کو تکلم سے خطاب کی طرف منتقل کیا ہے یہ التفات ہے تکلم سے خطاب کیطرف۔

دوسری قسم، تکلم سے غیبت کی طرف: التفات کی دوسری قسم یہ ہے کہ کلام کو حالت تکلم سے حالت غیبت کی طرف منتقل کیا جائے جیسے اِنَّا اَعْطَیْنَاکَ الْکَوْثَرَ فَصَلِّ

لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ہم نے آپ کو کوثر عطا کی پس اپنے رب کیلئے نماز پڑھیئے، اس آیت میں اَعْطَيْنٰكَ کا کلام حالت تکلم میں ہے اور فَصَلِّ لِرَبِّكَ میں کلام حالت غیبت کی طرف تبدیل ہو گیا ہے کیونکہ رب اسم ظاہر ہے جو غائب کے حکم میں ہوتا ہے مقتضائے ظاہر کے اعتبار سے فَصَلِّ لَنَا ہونا چاہیے تھا تو یہ التفات ہے تکلم سے غیبت کی طرف۔

تیسری قسم، خطاب سے تکلم کی طرف: التفات کی تیسری قسم یہ ہے کہ کلام کو حالت خطاب سے حالت تکلم کی طرف نقل کیا جائے جیسے شاعر کے اس شعر میں

شعر اَتَطْلُبُ وَصْلَ رَبَّاتِ الْجَمَالِ ☆ وَقَدْ سَقَطَ الْمَشِيْبُ عَلٰى قَذَالِىْ

شعر کا مطلب: اے نفس! کیا تو اب تک حسن و جمال والی لڑکیوں کے وصال کا خواہش مند ہے حالانکہ سفیدی میری گردن پر لٹک چکی ہے، یعنی تو بوڑھا ہو چکا ہے اور حسین وجمیل لڑکیوں کی ملاقات کیلئے جو تو پریشان رہتا ہے اب یہ تیرے لئے مناسب نہیں ہے۔

محل استشہاد: اس شعر میں محل استشہاد اَتَطْلُبُ اور قَذَالِىْ ہے یہاں تَطْلُبُ میں خطاب ہے شاعر نے اپنے نفس کو مخاطب بنایا ہے اور عَلٰى قَذَالِىْ میں تکلم کی طرف التفات ہے حالانکہ مقتضائے ظاہر عَلٰى قَذَالِكَ ہونا چاہیے تھا، اور یہ مقتضائے ظاہر کے خلاف ہے اور اسمیں خطاب سے تکلم کی طرف التفات ہے۔

(۳) تغلیب کی تعریف اور اقسام مع امثلہ تحریر کریں

تغلیب کی تعریف: مقتضائے ظاہر کے خلاف کلام لانے کی نویں قسم تغلیب ہے، تغلیب کی تعریف یہ ہے کہ دو ملی جلی یا ہم صحبت یا ہم مشابہ چیزوں میں سے ایک کو دوسرے پر اس

طرح غلبہ دیا جائے کہ ایک ہی لفظ کا اطلاق دونوں چیزوں پر کیا جائے یعنی متشابہین میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح اور غلبہ دے کر ایک ہی لفظ دونوں کیلئے استعمال کیا جائے یا احد المصاحبین کیلئے جو لفظ موضوع ہے وہ دوسرے مصاحب پر بھی بولا جائے۔

تغلیب کی چار قسمیں

(۱) مذکر کی تغلیب مؤنث پر (۲) مذکر کی تغلیب غیر مذکر پر اخف کی تغلیب غیر اخف پر (۳) مخاطب کی تغلیب غیر مخاطب پر (۴) عاقل کی تغلیب غیر عاقل پر۔

تغلیب کی یہ چاروں قسمیں مع امثلہ کے کتاب کے آخر میں صفحہ نمبر ۲۶۷ پر موجود ہیں وہاں سے ملاحظہ فرمالیں طوالت کے خوف سے چھوڑ دی ہیں۔

(واللہ اعلم بالصواب)

الاختبار السنوی للعالیہ (للبنات)

الورقۃ الخامسۃ فی البلاغۃ ۱۴۲۴ھ

السوال الاول (الف)

ففصاحة الكلمة سلامتها من تنافر الحروف و مخالفة القياس والغرابة

(۱) فصاحت کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کریں (۲) فصاحت کی قسمیں بیان کریں (۳) مذکورہ عبارت کی تمام قیودات کی تشریح کریں۔

الجواب عن السوال الاول (الف)

(۱) فصاحت کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کریں: فصاحت کی لغوی اور اصطلاحی تعریف، السوال الاول (الف) ۱۴۲۶ھ صفحہ نمبر ۲۷۰ پر گزر چکی ہے وہاں سے ملاحظہ فرمالیں۔

(۲) **فصاحت کی قسمیں بیان کریں:** فصاحت کی تین قسمیں ہیں
(۱) فصاحت کلمہ (۲) فصاحت کلام (۳) فصاحت متکلم

(۱) **فصاحت کلمہ کی تعریف:** فصاحت کلمہ کی تعریف یہ ہے کہ وہ کلمہ تنافر حروف اور مخالفت قیاس اور غرابت سے خالی ہو، اگر تینوں میں سے کوئی بھی چیز کلمہ میں پائی جائے تو کلمہ فصیح نہ ہوگا۔

(۲) **فصاحت کلام کی تعریف:** فصاحت کلام یہ ہے کہ وہ کلام تنافر کلمات اور ضعف تالیف اور تعقید سے خالی ہو اور ساتھ ساتھ اس کلام کے کلمات فصیح ہوں۔

فصاحت متکلم کی تعریف: فصاحت متکلم ایسا ملکہ اور استعداد ہے جس کے ذریعے متکلم کلام فصیح کے ساتھ مقصود کو ادا کرنے پر قادر ہو، خواہ وہ کلام جس غرض اور مقصد کیلئے لائی گئی ہو چاہے مدح ہو یا ذم یا کسی اور قبیل سے ہو۔

(۳) **مذکورہ عبارت کی تمام قیودات کی تشریح کریں**

پہلی قید وہ کلمہ تنافر حروف سے خالی ہو: کہ کلمہ فصیح اس وقت ہوگا کہ جب وہ تنافر حروف سے خالی ہو، تنافر حروف کلمہ میں ایک ایسا وصف ہے جسکی وجہ سے وہ کلمہ زبان پر ثقیل ہو جاتا ہے اور اس کا تلفظ زبان پر دشوار ہو جاتا ہے آسانی کے ساتھ ادا نہیں ہوتا جیسے ظَشٌّ ھُعْخُعٌ، نُقَاخٌ اور مُسْتَشْزِرٌ، طبع سلیم اور ذوق سلیم والے کیلئے ان کلمات کا ادا کرنا زبان سے مشکل ہے، تنافر نفرت سے ماخوذ ہے ان کے ادا کرنے میں نفرت ہے ظَشٌّ اور نُقَاخٌ میں تنافر ہے ان سے زیادہ مُسْتَشْزِرٌ میں ہے اور سب سے زیادہ تنافر ھُعْخُعٌ میں ہے۔

دوسری قید وہ کلمہ مخالفت قیاس سے خالی ہو: کہ کلمہ فصیح اس وقت ہوگا جب وہ مخالفت قیاس سے خالی ہو، مخالفت قیاس سے مراد وہ کلمہ صرفی کے قاعدے کے خلاف استعمال ہو اور قانون صرفی سے مراد مَاثَبَتَ عَنِ الْوَاضِع ہے یعنی جس طریقے سے وہ کلمہ واضع سے ثابت ہو اس کے خلاف استعمال ہو، چاہے وہ قاعدہ صرف کے خلاف ہو یا قاعدہ لغت کے خلاف ہو جیسے اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْاَجْلَلِ اس میں لفظ اَجْلَلْ یہ واضع کی وضع کے بھی خلاف ہے اور قاعدہ صرف کے بھی، واضع کی وضع کے خلاف تو اس طرح ہے کہ واضع سے اجلّ ادغام کے ساتھ ثابت ہے اور قاعدہ صرفی کے خلاف اس طرح ہے کہ صرف کا قاعدہ ہے کہ جب دو حرف ایک جنس کے جمع ہوں تو ان میں ادغام کیا جاتا ہے حالانکہ شاعر نے بغیر ادغام کے استعمال کیا ہے۔

تیسری قید وہ کلمہ غرابت سے خالی ہو: کہ کلمہ فصیح اس وقت بنے گا جب وہ غرابت سے بھی خالی ہو، غرابت کہتے ہیں کہ کلمہ اپنے موضوع لہ پر دلالت کرنے میں واضح نہ ہو یعنی وہ کلمہ وحشی ہو اور غیر ظاہر المعنی ہو اور مانوس الاستعمال بھی نہ ہو جیسے تَكَأْكَأَ اور اِفْرَنْقَعَ اور اِطْلَخَمَ۔

السوال الاول (ب) ۱۴۲۴ھ

وبلاغة المتكلم ملكة يقتدر بها على التعبير عن المقصود بكلام بليغ فى اى غرض كان

(۱) عبارت پر اعراب لگا کر تشریح کریں (۲) تنافر اور مخالفت قیاس، ضعف تالیف، تعقید لفظی و معنوی معلوم کرنے کے کیا طریقے ہیں تفصیل سے بیان کریں۔

الجواب عن السوال الاول (ب)

اعراب عبارت:

وَبَلَاغَةُ الْمُتَكَلِّمِ مَلَكَةٌ يَقْتَدِرُ بِهَا عَلَى التَّعْبِيْرِ عَنِ الْمَقْصُوْدِ بِكَلَامٍ بَلِيْغٍ فِيْ أَيِّ غَرَضٍ كَانَ

عبارت کی تشریح: مذکورہ عبارت میں بلاغت متکلم کی تشریح کی گئی ہے کہ وہ ایک ایسا ملکہ اور مہارت ہے جس کے ذریعے متکلم کلام بلیغ کے ساتھ اپنے مقصود کو بیان کرنے پر قادر ہو خواہ وہ کلام کسی بھی غرض میں ہو، چاہے مدح ہو یا ذم یا کسی اور قبیل سے ہو۔

یعنی متکلم بلیغ وہ ہے کہ جس کو ایسا ملکہ اور مہارت حاصل ہو وہ جس غرض میں بھی کلام کرنا چاہے تو وہ کر سکے، اگر کسی متکلم نے اتفاقاً بغیر مہارت اور ملکہ کے کلام بلیغ کی ہو تو وہ متکلم بلیغ نہیں کہلائے گا۔

(۲) تنافر، مخالفت قیاس، ضعف تالیف، تعقید لفظی اور معنوی معلوم کرنے کے طریقے:

(۱) **تنافر حروف:** یہ ذوق سلیم کے ذریعے پہچانا جاتا ہے، ذوق سلیم ایک ایسا ملکہ اور قوت ہے جس کے ذریعے انسان کلام کے لطائف اور خوبیاں اور کلام کے نقائص کا ادراک کر لیتا ہے۔

(۲) **مخالفت قیاس:** یہ علم صرف کے ذریعے پہچانی جاتی ہے کہ فلاں کلمہ یا کلام علم صرف کے کونسے قانون کے خلاف ہے۔

(۳) **ضعف تالیف اور تعقید لفظی کی پہچان:** یہ علم نحو کے ذریعے حاصل ہوتی

ہے کہ یہ کلام نحو کے فلاں قانون کے خلاف ہے۔

(۴) **تعقید معنوی کی پہچان:** یہ علم بیان کے ذریعے حاصل ہوتی ہے کیونکہ علم بیان کے ذریعے فرق معلوم کیا جاتا ہے کہ کونسی کلام تعقید معنوی سے خالی ہے اور کونسی کلام تعقید معنوی پر مشتمل ہے۔

لہٰذا متکلم بلیغ اور بلاغت کے طالب پر لازم ہے کہ وہ لغت، علم صرف، علم نحو، علم معانی اور علم بیان کو پہچانتا ہو اور ساتھ ساتھ وہ شخص ذوق سلیم اور کلام عرب پر واقفیت کاملہ بھی رکھتا ہو جب ان مذکورہ علوم کا حامل ہوگا تو پھر وہ بلاغت کو صحیح طریقے پر حاصل کرے گا۔

السوال الثانی (الف) ۱۴۲۴ھ

والثانية موضوعة لمجرد ثبوت المسند للمسند اليه نحو الشمس مضيئة وقد تفيد الاستمرار بالقرائن اذالم يكن فى خبرها فعل نحو العلم نافع والاصل فى الخبر

(۱) عبارت پر اعراب لگائیں (۲) الثانیۃ سے کیا مراد ہے (۳) عبارت کی تشریح کرتے ہوئے فرمائیں کہ ''والاصل فی الخبر'' سے کیا بتانا چاہتے ہیں؟

الجواب عن السوال الثانی (الف)

اعراب عبارت:

وَالثَّانِيَةُ مَوْضُوعَةٌ لِمُجَرَّدِ ثُبُوتِ الْمُسْنَدِ لِلْمُسْنَدِ اِلَيْهِ نَحْوُ ''اَلشَّمْسُ مُضِيْئَةٌ'' وَقَدْ تُفِيْدُ الْاِسْتِمْرَارَ بِالْقَرَائِنِ اِذَالَمْ يَكُنْ فِیْ خَبَرِهَا فِعْلٌ نَحْوُ ''اَلْعِلْمُ نَافِعٌ'' وَالْاَصْلُ فِی الْخَبَرِ

(۲) **الثانیۃ سے کیا مراد ہے:** الثانیۃ سے مراد خبر کی دوسری قسم جملہ اسمیہ مراد ہے

(۳) عبارت کی تشریح کرتے ہوئے بتائیں کہ والاصل فی الخبر سے کیا بتانا چاہتے ہیں اس عبارت کی مکمل تشریح اور والاصل فی الخبر سے مراد السوال الاول ۱۴۲۵ھ (ب) میں گزر چکا ہے وہاں سے ملاحظہ فرمالیں۔

السوال الثانی (ب) ۱۴۲۴ھ

من العلوم انه لايمكن النطق باجزاء الكلام دفعة واحدة بل لا بد من تقديم بعض الاجزاء و تاخير البعض وليس شئی منها فی نفسه اولیٰ بالتقدم من الاخر لاشتراك جميع الالفاظ من حيث هی الفاظ فی درجة الاعتبار فلا بد من تقديم هذا علی ذالك من داع يوجبه

(۱) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (۲) دواعی تقدیم میں سے کم از کم چھ کو مثالوں کے ساتھ واضح کریں۔

الجواب عن السوال الثانی (ب)

(۱) **اعراب عبارت:** مِنَ الْعُلُوْمِ اَنَّهٗ لَايُمْكِنُ النُّطْقُ بِاَجْزَاءِ الْكَلَامِ دَفْعَةً وَاحِدَةً بَلْ لَا بُدَّ مِنَ تَقْدِيْمِ بَعْضِ الْاَجْزَاءِ وَتَاخِيْرِ الْبَعْضِ وَلَيْسَ شَیْءٌ مِّنْهَا فِیْ نَفْسِهٖ اَوْلیٰ بِالتَّقَدُّمِ مِنَ الْاٰخَرِ لِاشْتِرَاكِ جَمِيْعِ الْاَلْفَاظِ مِنْ حَيْثُ هِیَ اَلْفَاظٌ فِیْ دَرَجَةِ الْاِعْتِبَارِ فَلَا بُدَّ مِنْ تَقْدِيْمِ هٰذَا عَلٰی ذَاكَ مِنْ دَاعٍ يُوْجِبُهٗ

ترجمہ عبارت: یہ بات معلوم ہی ہے کہ کلام کے اجزاء کیساتھ ایک ہی دفعہ بولنا ممکن نہیں، بلکہ ضروری ہے بعض اجزاء کا مقدم ہونا اور بعض اجزاء کا مؤخر ہونا، اور نہیں ہے ان اجزاء میں سے کوئی جزء ایسا جو کہ فی نفسہ دوسرے جزء پر مقدم ہونے کا زیادہ حق رکھتا ہو کیونکہ تمام الفاظ

بحیثیت الفاظ ہونے کے، اعتبار کے درجہ میں مشترک ہیں، پس ضروری ہے کسی سبب کا ہونا جو اس جزء کی تقدیم کو اس جزء پر ثابت کرے۔

(۲) دواعی تقدیم میں سے چھ اسباب مع مثالوں کے: وجہ تقدیم کیلئے کسی دواعی کا ہونا ضروری ہے، جو تقدیم کے دواعی اور باعث ہوتے ہیں وہ نو اسباب ہیں ان میں سے چھ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) امر متاخر کا شوق دلانا: تقدیم کے اسباب میں سے پہلا سبب یہ ہے کہ مخاطب کو امر مؤخر کا شوق دلانا جب کہ امر مقدم کسی حیرت انگیز اور نادر چیز کی خبر دیتا ہو یعنی پہلا جملہ ایسے امر پر مشتمل ہو جس سے دوسرے جملہ کی طرف سامع کا شوق بڑھے اور جو چیز شوق اور طلب کے بعد حاصل کی جاتی ہے وہ ذہن میں خوب راسخ ہو جاتی ہے جیسے ابو العلاء معری کے اس شعر میں

شعر وَالَّذِیْ حَارَتِ الْبَرِیَّۃُ فِیْہِ ☆ حَیْوَانٌ مُسْتَحْدَثٌ مِنْ جَمَادٍ

شعر کا مطلب: اور وہ چیز جسکے بارے میں مخلوق متحیر اور پریشان ہے وہ جاندار ہے جو فنا ہونے کے بعد بے جان شے یعنی مٹی اور گلی ہوئی ہڈیوں سے از سرِ نو پیدا ہونے والا ہے۔

محل استشہاد: اس شعر میں محل استشہاد پہلا مصرعہ وَالَّذِیْ حَارَتِ الْبَرِیَّۃُ فِیْہِ ہے یہ مصرعہ دوسرے مصرعہ کیطرف شوق دلا رہا ہے اسکو سنتے ہی مخاطب کے دل میں یہ جاننے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کون سی چیز ہے جس کے بارے میں پوری مخلوق حیران ہے اور یہ پہلا مصرعہ مبتدا بن رہا ہے اور حَیْوَانٌ مُسْتَحْدَثٌ مِّنْ جَمَادٍ اسکی خبر بن رہا ہے اور مبتدا حیرت انگیز خبر کی طرف شوق دلا رہا ہے اس لئے اسکو مقدم کیا ہے جس کی وجہ سے آدمی مصرعہ ثانی کا متمنی ہوتا ہے۔

(۲) **خوش کن یا رنجیدہ امر کو جلدی سے پیش کرنا ہے:** تقدیم کے اسباب میں سے دوسرا سبب یہ ہے کہ خوش کرنے والی بات کو جلدی سے پیش کرنا تا کہ مخاطب جلدی خوش ہو جائے جیسے اَلْعَفْوُ عَنْكَ صَدَرَ بِهِ الْاَمْرُ کہ تیری معافی کا حکم حاکم نے صادر کر دیا ہے، اس مثال میں العفو کو مقدم جلدی خوش خبری پہنچانے کے لئے کیا ہے ورنہ اصل عبارت یوں ہے صَدَرَ الْاَمْرُ بِالْعَفْوِ عَنْكَ، اسی طرح رنج اور تکلیف دینے والی بات کو جلدی سے پیش کرنا تا کہ مخاطب غمزدہ اور پریشان ہو جائے جیسے اَلْقِصَاصُ حَكَمَ بِهِ الْقَاضِیْ قصاص کا حکم قاضی نے دے دیا ہے اس مثال میں اَلْقِصَاصُ کو اس لئے مقدم کیا ہے تا کہ مخاطب کو ابتدا ہی سے پریشان کر دیا جائے ورنہ اصل عبارت یوں ہے حَكَمَ الْقَاضِیْ الْقِصَاصَ ۔

(۳) **امر متقدم کا محل انکار و تعجب ہونا:** تقدیم کے اسباب میں سے تیسرا سبب یہ ہے کہ امر متقدم کا محل انکار و تعجب ہونا ہے، یعنی کلام کے بعض حصہ کو مخاطب پر انکار و تعجب کی وجہ سے مقدم کیا جاتا ہے، اَبَعْدَ طُوْلِ التَّجْرِبَةِ تَنْخَدِعُ بِهٰذِهِ الزَّخَارِفِ کیا اتنا زیادہ تجربہ کے بعد بھی تم ان بناوٹی باتوں سے دھوکہ کھا جاتے ہو، یہ مثال اس وقت بولی جاتی ہے جب چست چالاک تجربہ کار آدمی کسی عام شخص سے دھوکہ کھا جائے تو اس پر تعجب اور انکار کی وجہ سے اَبَعْدَ طُوْلِ التَّجْرِبَةِ کو مقدم کیا ورنہ اصل عبارت تَنْخَدِعُ بِهٰذِهِ الزَّخَارِفِ بَعْدَ طُوْلِ التَّجْرِبَةِ ہے

(۴) **ترقی کا راستہ چلنا:** تقدیم کے اسباب میں سے چوتھا سبب یہ ہے کہ ترقی کا راستہ چلنا یعنی پہلے عام کو ذکر کرنا اسکے بعد خاص کو، اسلئے کہ اگر عام کو خاص کے بعد ذکر کیا جائے تو اس سے کوئی خاص فائدہ حاصل نہیں ہوتا جیسے هٰذَا الْكَلَامُ صَحِيْحٌ فَصِيْحٌ بَلِيْغٌ اس مثال میں صحیح عام ہے اور فَصِيْحٌ خاص ہے صَحِيْحٌ کے مقابلہ میں، اور فَصِيْحٌ عام ہے بَلِيْغٌ کے [illegible] اور [illegible] ملوں سے خاص ہے لہذا اس کلام کا فائدہ یہ ہے اس میں ترقی عام کے بعد

خاص کو ذکر کرنے سے ہے، اور یہ کلام صحیح نہیں، فَصِیْحٌ بَلِیْغٌ صَحِیْحٌ کیونکہ اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ جب فَصِیْحٌ بَلِیْغٌ کہہ دیا تو پھر صحیح کے ذکر کی بالکل ضرورت نہیں ہوتی اسلئے کہ کلام اسوقت تک فَصِیْحٌ ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ صحیح نہ ہو۔

اور یہ بھی کلام صحیح نہیں هٰذَا الْکَلَامُ بَلِیْغٌ فَصِیْحٌ صَحِیْحٌ اسمیں فَصِیْحٌ اور بَلِیْغٌ کا کوئی فائدہ نہیں لہذا جب بَلِیْغٌ کہہ دیا تو فَصِیْحٌ صَحِیْحٌ کہنے کی ضرورت نہیں اسلئے کہ کلام اسی وقت بلیغ ہوتا ہے جبکہ وہ فصیح صحیح ہو۔

(۵) **ترتیب وجودی کا لحاظ رکھنا:** تقدیم کے اسباب میں سے پانچواں سبب یہ ہے کہ ترتیب وجودی کا لحاظ رکھنا، یعنی کلام میں وہی ترتیب قائم رکھنا جو خارج میں ترتیب موجود ہو یعنی جو چیز وجود میں مقدم ہوتی ہے اسے لفظوں میں بھی مقدم کر دینا تا کہ وجود خارجی اور وجود لفظی میں مطابقت ہو جائے جیسے لَا تَأْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ کہ اللہ تعالیٰ کو نہ اونگھ پکڑتی ہے اور نہ نیند، تو یہاں اونگھ کو نیند پر مقدم کیا کیونکہ خارج میں وجود کے لحاظ سے اونگھ نیند پر مقدم ہوتی ہے۔

(۶) **تخصیص کا ہونا:** تقدیم کے اسباب میں سے ایک سبب تخصیص ہے یعنی جس جگہ تقدیم ہوگی عموماً وہاں تخصیص بھی ہوگی جیسے مشہور محاورہ ہے " تَقْدِیْمُ مَا حَقُّهُ التَّاخِیْرُ یُفِیْدُ الْحَصْرَ وَالتَّخْصِیْصَ " اس میں عموم ہے تقدیم مفعول کی ہو یا غیر مفعول کی، فعل پر ہو یا غیر فعل پر ہر قسم کی تقدیم عموماً تخصیص کا فائدہ دیتی ہے جیسے "مَا اَنَا قُلْتُ " میں نے نہیں کہا اس مثال میں اَنَا ضمیر فاعل مقدم ہے اسلئے اس میں تخصیص پیدا ہوگئی ہے، اسی طرح اِیَّاكَ نَعْبُدُ اصل میں نَعْبُدُكَ تھا، اس میں مفعول کے فعل سے مقدم ہونے کی وجہ سے تخصیص پیدا ہوگئی ہے کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔

السوال الثالث (الف) ۱۴۲۴ھ

اما المضاف لمعرفة فيؤتى به اذا تعين طريقا لاحضارمعناه ايضا ككتاب سيبويه وسفينة نوح اما اذا لم يتعين لذالك فيكون لاغراض اخرى

(۱)عبارت پراعراب لگاکرتشریح کریں(۲)اغراض اُخری کومثالوں کےساتھ واضح کریں

الجواب عن السوال الثالث (الف)

(۱)اعراب عبارت:

اَمَّا الْمُضَافُ لِمَعْرِفَةٍ فَيُؤْتٰى بِهٖ اِذَا تَعَيَّنَ طَرِيْقاً لِاِحْضَارِمَعْنَاهُ اَيْضاً كَكِتَابِ سِيْبَوَيْهِ وَسَفِيْنَةِ نُوْحٍ اَمَّا اِذَا لَمْ يَتَعَيَّنْ لِذَالِكَ فَيَكُوْنُ لِاَغْرَاضٍ اُخْرٰى

عبارت کی تشریح: اقسام معرفہ میں سے چھٹی قسم اضافت الی المعرفہ ہے یعنی اقسام معرفہ میں سے کسی ایک کیطرف مضاف ہو،اس کا استعمال اس وقت ہوتا ہے کہ جب سامع کے ذہن میں شےمعین کومتحضر کرانے کیلئے اضافت کا طریقہ متعین ہو،یعنی اضافت الی المعرفہ اس لئے لایا جاتا ہے کہ مسندالیہ کوسامع کے ذہن میں لانے کا یہ مختصر طریقہ ہے جیسے کِتَابُ سِيْبَوَيْه سیبویہ کی کتاب،سَفِيْنَةُ نُوْحٍ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی،یعنی اسم نکرہ جب ضمیر،علم،اسم اشارہ، اسم موصول اورمعرف باللام میں سے کسی ایک کی طرف مضاف ہوتو اسم نکرہ بھی معرفہ بن جائے گا، نکرہ ضمیر کی طرف مضاف ہوجیسے غُلَامُهٗ،نکرہ علم کیطرف مضاف ہوجیسے غُلَامُ خَالِدٍ ،نکرہ اسم اشارہ کی طرف مضاف ہوجیسے غُلَامُ هٰذَا ،نکرہ اسم موصول کی طرف مضاف ہوجیسے غُلَامُ الَّذِىْ عِنْدَكَ اورنکرہ معرف باللام کی طرف مضاف ہوجیسے قَلَمُ الرَّجُلِ

(۲) اغراض اخری کومثالوں کے ذریعے واضح کریں: جب مخاطب کے ذہن میں شےمعین کوحاضر کرنے کیلئے اضافت کا طریقہ متعین نہ ہوتو پھر اضافت کو مختلف اغراض ومقاصد میں استعمال کرتے ہیں۔

(۱) **تعداد کی تفصیل ناممکن ہونے کیلئے:** تعداد کی تفصیل بیان کرنا ناممکن اور مشکل ہونیکے پیش نظر اضافت کو استعمال کرتے ہیں جیسے اَجْمَعَ اَهْلُ الْحَقِّ عَلٰی کَذَا کہ اہل حق نے اس بات پر اجماع کیا، اب چونکہ دنیا بھر کے اہل حق کی تفصیل اور انکو شمار کرنا متعذر ہے، کیونکہ وہ بلاد کثیرہ اور مختلفہ میں ہونے کی وجہ سے شمار میں نہیں آسکتے اس لئے اضافت کے ساتھ استعمال کرکے اہل حق کہہ دیا، اور کبھی تعداد کو شمار کرنا ناممکن تو نہیں ہوتا مگر دشوار ضرور ہوتا ہے ایسے موقع پر بھی دشواری سے بچنے کیلئے اضافت کا استعمال کرتے ہیں جیسے اَهْلُ الْبَلَدِ کِرَامٌ شہر والے شریف ہیں، اب شہر کے شرفاء کو شمار کرنا ناممکن تو نہیں البتہ دشوار ضرور ہے اس لئے دشواری سے بچنے کیلئے اھل البلد اضافت کا استعمال کیا۔

(۲) **تقدیم و تاخیر کے اعتراض سے بچنے کیلئے:** کبھی بعض کو بعض پر مقدم کرنے سے جو برے نتائج پیدا ہوتے ہیں اس سے بچنے اور نکلنے کیلئے اضافت کا استعمال کرتے ہیں یعنی اگر نام ذکر کیے جائیں تو بعض کو بعض سے مؤخر کریں گے تو جن کے نام بعد میں آئیں گے تو وہ اپنی توہین سمجھ کر ناراض ہو جائیں گے اور حالات خراب ہو جائیں گے ان سے بچنے کیلئے اضافت کا استعمال کرتے ہیں جیسے حَضَرَ اُمَرَآءُ الْجُنْدِ کہ لشکر کے سالار حاضر ہوئے تو اعتراض سے بچنے کیلئے اضافت کا استعمال کرکے اُمَرَاءُ الْجُنْدِ کہہ دیا۔

(۳) **تعظیم کیلئے:** کبھی مضاف کی تعظیم کے لئے اضافت کا استعمال کرتے ہیں جیسے کِتَابُ السُّلْطَانِ حَضَرَ بادشاہ کا خط آیا، اس مثال میں اگر اَلْکِتَابُ حَضَرَ کہہ دیا جاتا پھر بھی خط کے آنے کی اطلاع ہو جاتی مگر خط کی عظمت بتانے کیلئے کتاب السلطان کہہ کر اضافت کی گئی ہے کہ یہ بادشاہ کا خط ہے کسی معمولی انسان کا نہیں۔

اسی طرح اضافت سے مقصود کبھی مضاف الیہ کی تعظیم ہوتی ہے جیسے هٰذَا خَادِمِیْ یہ

میرا خادم ہے اس مثال میں خَادِمِیْ اضافت استعمال کر کے مضاف الیہ کی تعظیم بتائی گئی ہے یعنی متکلم معمولی حیثیت کا مالک نہیں بلکہ ایسا شخص ہے کہ جس کے پاس نوکر چاکر ہیں۔

اسی طرح کبھی مضاف الیہ اور مضاف کے علاوہ کسی اور کی تعظیم مقصود ہوتی ہے جیسے اَخُوْالْوَزِیْرِ عِنْدِیْ وزیر کا بھائی میرے پاس ہے اس مثال میں اخ مضاف ہے نہ تو اسکی تعظیم مقصود ہے اور الوزیر مضاف الیہ ہے نہ اسکی تعظیم مقصود ہے، کیونکہ یہ تو پہلے ہی سے معظم ہے بلکہ متکلم کی تعظیم مقصود ہے کہ متکلم اتنا معزز آدمی ہے کہ وزیر کا بھائی اس کے پاس آتا جاتا رہتا ہے اس مثال میں اگرچہ متکلم بھی مضاف الیہ ہے لیکن یہ مسند الیہ نہیں اسلئے مصنفؒ نے اَوْ غَیْرِهِمَا سے تعبیر کیا ہے۔

(۴) **تحقیر کیلئے:** کبھی مضاف کی تحقیر کیلئے اضافت کا طریقہ استعمال کرتے ہیں جیسے هٰذَا اِبْنُ اللِّصِّ یہ چور کا بیٹا ہے اس مثال میں ابن مضاف کی حقارت مقصود ہے کہ یہ ایسا ذلیل شخص ہے جس کا باپ چور ہے۔

کبھی مضاف الیہ کی تحقیر کیلئے اضافت کا استعمال کرتے ہیں جیسی اَللِّصُّ رَفِیْقُ هٰذَا کہ چور اسکا ساتھی ہے اس مثال میں هٰذَا مضاف الیہ کی حقارت مقصود ہے کہ یہ ایسا شخص ہے کہ جسکا ساتھی چور ہے۔

اور کبھی مضاف اور مضاف الیہ کے علاوہ کیلئے اضافت کا استعمال ہوتا ہے جیسے اَخُوالِلّصِّ عِنْدَ عَمْرٍو چور کا بھائی عمرو کے پاس ہے، اس مثال میں اخ مضاف ہے تو نہ اسکی تحقیر مقصود ہے اور اللص مضاف الیہ ہے نہ اسکی تحقیر مقصود ہے بلکہ مضاف اور مضاف الیہ کے علاوہ عمرو کی تحقیر مقصود ہے کہ عمرو اتنا گھٹیا آدمی ہے کہ چور کے بھائی کی اسکے پاس آمد ورفت ہے۔

(۵) **تنگی مقام کی وجہ سے اختصار کیلئے:** کبھی اضافت کا استعمال وقت کی تنگی کی وجہ سے اختصار کیلئے ہوتا ہے جیسے اس مثال میں

شعر هَوَایَ مَعَ الرَّكْبِ الْيَمَانِيِّنَ مُصْعِدُ ☆ جَنِيْبٌ وَ جُثْمَانِيْ بِمَكَّةَ مُوْثِقُ

شعر کا مطلب: میرا محبوب یمنی شاہ سواروں کے ساتھ ان کا تابع ہو کر جا رہا ہے اور میری بے بسی کا یہ عالم ہے کہ میرا جسم مکہ میں محبوس اور مقید ہے۔

محل استشہاد: اس شعر میں محل استشہاد لفظ هَـوَایَ ہے جس کو اضافت کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے شاعر اَلَّذِیْ اَهْوَاهُ یا اَلَّـذِیْ یَمِیْلُ اِلَیْهِ قَلْبِیْ کہہ سکتا تھا لیکن اس میں اختصار نہ تھا اور اختصار مقصود اور مطلوب ہے کہ شاعر قید خانہ میں مقید ہے اور محبوب سفر کیلئے تیار ہے اور محبوب کے جانے کی وجہ سے کثرت رنج ہے جس کی وجہ سے تفصیل کے ساتھ بات کرنے کا وقت نہیں ہے اس مقام کی تنگی کی وجہ سے شاعر اختصار کرنے پر مجبور ہے اس لئے شاعر نے هَوَایَ میں اضافت کی ہے کیونکہ تنگی مقام کی وجہ سے لمبی چوڑی بات نہیں ہوتی کیونکہ انسان چاہتا ہے ایسی حالت میں مختصر ہی کچھ کہہ دے اور اضافت کی وجہ سے کلام مختصر ہو گیا ہے۔

السوال الثالث (ب) ۱۴۲۴ھ

القصر تخصيص شئ بشئ بطريق مخصوص و ينقسم الى حقيقى واضافى

(۱) قصر حقیقی اور اضافی کی تعریف کر کے مثالوں سے وضاحت کریں (۲) قصر اضافی کی قسمیں مثالوں سمیت بیان کریں (۳) قصر کے طریقے بیان کریں۔

الجواب عن السوال الثالث (ب)

قصر حقیقی اور اضافی کی تعریف مع امثلہ: قصر کی دو قسمیں ہیں (۱) قصر حقیقی (۲) قصر اضافی

قصر حقیقی کی تعریف: قصر حقیقی وہ کہ جس میں اختصاص نفس الامر اور حقیت کے اعتبار سے ہو، نہ کہ کسی دوسری شے کی طرف محض نسبت کرنے کے اعتبار سے، یعنی قصر حقیقی وہ ایک شیٔ کو دوسری شیٔ پر جمیع ماعدا کے لحاظ سے مقصور اور بند کر دیا جاتا ہے اور شیٔ مقصور سوائے مقصور علیہ کے کسی دوسری شیٔ میں نہیں پائی جاتی جیسے لَا كَاتِبَ فِي الْمَدِيْنَةِ اِلَّا عَلِيٌّ شہر میں کوئی کاتب نہیں سوائے علی کے، اس مثال میں کاتب ہونے کا قصر علی کی ذات پر منحصر ہے کہ اس کے علاوہ شہر میں کوئی اور کاتب ہے ہی نہیں کتابت کا ثبوت شہر میں علی کے ماسوا ہر شخص سے منفی ہے یہ کہنا اس وقت درست ہوتا ہے جب حقیقت اور نفس الامر میں علی کے علاوہ شہر میں کوئی کاتب نہ ہو۔

اور جیسے کلمہ توحید لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہ الوھیت اللہ تعالی کے علاوہ ہر شیٔ سے نفی ہے صرف اللہ تعالی کی ذات کیلئے ہی ثابت ہے۔

قصر اضافی کی تعریف: قصر اضافی یہ ہے کہ جس میں اختصاص کسی خاص چیز کی طرف نسبت کرنے کے لحاظ سے ہو، یعنی جس میں ایک شیٔ کو دوسری شیٔ پر بعض ماعدا کے لحاظ سے مقصور اور بند کیا گیا ہو اور اس میں حصر بعض اعتبار سے ہو حقیقت اور نفس الامر کے اعتبار سے نہ ہو جیسے مَا عَلِيٌّ اِلَّا قَائِمٌ علی کھڑا ہی ہے، اس مثال میں علی کیلئے صفت قعود کے مقابلے میں صفت قیام کا قصر کیا گیا ہے، نہ یہ کہ علی سے قیام کے علاوہ باقی دوسری صفات ہی کی نفی کی گئی اور یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ قائم ہے اور کچھ نہیں نہ انسان نہ حیوان نہ ناطق وغیرہ

(۲) قصر اضافی کی قسمیں مثالوں سمیت بیان کریں: قصر اضافی کی مخاطب کے حال کے اعتبار سے تین قسمیں ہیں (۱) قصر افراد (۲) قصر قلب (۳) قصر تعیین

(۱) قصر افراد: قصر افراد یہ ہے کہ مخاطب دو چیزوں کو کسی ایک امر میں شریک سمجھتا ہو تو متکلم

شرکت کے گمان کو ختم کر کے حکم کو ایک چیز پر منحصر کر دے یعنی مخاطب شرکت کا گمان رکھتا ہو متکلم حکم کو ایک کے ساتھ خاص کر دے جیسے مَا قَائِمٌ اِلَّا خَالِدٌ صرف خالد ہی کھڑا ہے، یہ اس شخص کیلئے کہا جاتا ہے جو یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ خالد اور عمر و دونوں کھڑے ہیں تو متکلم نے خالد پر کھڑے ہونے کا قصر کر کے شرکت کے اعتقاد کو ختم کر دیا ہے۔

(۲) **قصر قلب**: قصر قلب یہ ہے کہ مخاطب جس کا خیال اور گمان رکھتا ہو متکلم اس حکم کی نفی کر کے دوسرا حکم ثابت کر دے، یعنی مخاطب متکلم کے حکم کے خلاف سمجھتا ہو جیسے مخاطب یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ صرف عمرو ہی کھڑا ہے تو متکلم یوں کہے گا مَا قَائِمٌ اِلَّا زَیْدٌ کہ صرف زید ہی کھڑا ہے اور زید کے کھڑے ہونے کا حکم مخاطب کے اعتقاد کے بالکل برعکس ہے یعنی قصر قلب میں یہ ہوتا ہے کہ مخاطب جس کا خیال اور گمان رکھتا ہے متکلم اس حکم کی نفی کر کے دوسرا حکم ثابت کرتا ہے۔

(۳) **قصر تعیین**: قصرِ تعیین یہ ہے مخاطب دو چیزوں کے درمیان متردد ہو تو متکلم ایک چیز کو متعین کر دے، یعنی مخاطب ثبوت حکم تو جانتا ہے لیکن تعیین محکوم علیہ مخاطب کو حاصل نہیں تو متکلم محکوم علیہ کو متعین کر دے جیسے مخاطب کو یہ تردد ہو کہ خالد کھڑا ہے یا عمرو کھڑا ہے لیکن اتنا جانتا ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک کھڑا ہے، تو متکلم یوں کہے مَا قَائِمٌ اِلَّا خَالِدٌ تو متکلم نے خالد کے کھڑے ہونے کو متعین کر دیا یہی قصر تعیین ہے۔

(۳) **قصر کے طریقے بیان کریں**: قصر کے چار مشہور طریقے ہیں (۱) نفی اور استثناء ہو (۲) انما کا استعمال ہو (۳) لا یا بل یا لکن کے ذریعے عطف ہو (۴) تقدیم ماحقہ التاخیر

پہلا طریقہ نفی اور استثناء: کلام میں قصر پیدا کرنا نفی اور استثناء کے ذریعے، نفی عام ہے چاہے لیس سے ہو یا ما سے یا اِنْ نافیہ سے یا کسی اور حرف نفی سے، اسی طرح استثناء اِلَّا کے ذریعے ہو یا دوسرے حروف استثناء کے ذریعے جیسے اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ نہیں ہے یہ کوئی مگر

بزرگ فرشتہ! اس مثال میں اِنْ نافیہ ہے اس کے بعد اِلَّا کے ذریعے استثناء کیا گیا ہے اس صورت میں مقصور علیہ حرف استثناء کے بعد ہوگا یعنی یہ بزرگ فرشتہ ہی ہے۔

دوسرا طریقہ اِنَّمَا کا استعمال: قصر کا دوسرا طریقہ اِنَّمَا کا استعمال ہوتا ہے کلمہ انما یہ قصر کا فائدہ دیتا ہے جیسے اِنَّمَا الْفَاهِمُ عَلِیٌّ سمجھنے والا تو علی ہی ہے اس طریقے میں مقصور علیہ وجوباً مؤخر ہے۔

تیسرا طریقہ لا یا بل یا لکن کے ذریعے عطف: قصر کا تیسرا طریقہ لَا یا بَلْ یا لٰکِنْ کے ذریعے عطف کرنا ہے جیسے اَنَا نَاثِرٌ لَا نَاظِمٌ میں نثر کہنے والا ہوں نظم کہنے والا نہیں ہوں، یہ لا کے ذریعے عطف کی مثال ہے اور جیسے مَا اَنَا حَاسِبٌ بَلْ کَاتِبٌ میں حساب جاننے والا نہیں ہوں بلکہ کاتب ہوں، یہ بل کے ذریعے عطف کی مثال ہے اور جیسے مَا اَنَا طَامِعٌ لٰکِنْ قَانِعٌ میں حریص نہیں ہوں لیکن قناعت کرنے والا ہوں یہ لکن کے ذریعے عطف کی مثال ہے۔

چوتھا طریقہ تقدیم ما حقہ التاخیر: قصر کا چوتھا طریقہ یہ ہے کہ اس چیز کو مقدم کر دیا جائے جس کو مؤخر کرنے کا حق تھا جیسے اِیَّاکَ نَعْبُدُ یا اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اس مثال میں اِیَّاکَ مفعول کو نَعْبُدُ فعل پر مقدم کیا حالانکہ مفعول بہ فعل کے بعد آتا ہے تو قصر اور تخصیص پیدا کرنے کیلئے مفعول کو فعل سے مقدم کیا گیا ہے۔

الاختبار السنوی للعالیة (للبنات)

الورقة الخامسة فی البلاغة ۱۴۲۳ھ

السوال الاول (الف)

والتعقيد ان يكون الكلام خفى الدلالة على المعنى المراد والخفاء اما من جهة اللفظ بسبب تقديم او تاخير او فصل ويسمى تعقيدا لفظيا

(۱) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (۲) عبارت کی تشریح کر کے تعقید لفظی کو مثال سے واضح کیجئے۔

الجواب عن السوال الاول (الف) ۱۴۲۳ھ

(۱) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے: اعراب عبارت وترجمہ الجواب عن السوال الاول (الف) ۱۴۲۵ھ صفحہ نمبر ۲۸۸ پر گزر چکا ہے وہاں سے ملاحظہ فرمالیں۔

(۲) عبارت کی تشریح کر کے تعقید لفظی کو مثالوں سے واضح کریں: تعقید کی تعریف اور عبارت کی تشریح اور تعقید لفظی کی مثال الجواب عن السوال الاول (الف) ۱۴۲۵ھ صفحہ نمبر ۲۸۹ پر تفصیل سے گزر چکی ہے وہاں سے ملاحظہ فرمالیں۔

السوال الاول (ب) ۱۴۲۳ھ

الانشاء، اما طلبى اوغير طلبى، فا الطلبى مايستدعى مطلوباغير حاصل وقت الطلب وغير الطلبى ما ليس كذالك والاول يكون بخمسة اشياء الا مر والنهى والاستفهام والتمنى والنداء

(۱) عبارت کی تشریح کریں (۲) اشیاء خمسہ میں سے ہر ایک کی مثال ذکر کریں (۳) امر کے صیغوں کو مثال سے واضح کریں۔

الجواب عن السوال الاول (ب)

(۱) **عبارت کی تشریح:** انشاء کی دو قسمیں ہیں (۱) طلبی (۲) غیر طلبی

(۱) **انشاء طلبی** وہ ہے جسمیں ایسے مطلوب کو طلب کیا جائے جو بوقت طلب حاصل نہ ہو

(۲) **انشاء غیر طلبی** وہ ہے جسمیں کسی شیٔ کی طلب نہ ہو اور متکلم کسی مطلوب کو نہ چاہتا ہو جیسے افعال مقاربہ، افعال مدح وذم، کلمات عقود اور قسم وغیرہ اور انشاء طلبی پانچ چیزوں سے حاصل ہوتی ہے۔

(۱) امر (۲) نہی (۳) استفہام (۴) تمنی (۵) نداء

(۲) **اشیاء خمسہ میں سے ہر ایک کی مثال ذکر کریں:** اشیاء خمسہ میں سے ہر ایک کی تعریف اور مثال

السوال الاول ۱۴۲۶ھ (ب) صفحہ نمبر ۲۷۵ پر گزر چکی ہے وہاں سے ملاحظہ فرمائیں

(۳) **امر کے صیغوں کو مثال سے واضح کریں:** امر کیلئے چار قسم کے صیغے ہیں

(۱) فعل امر جیسے خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ کتاب مضبوطی سے پکڑلو۔

(۲) فعل مضارع جو لام امر کے ساتھ مقرون ہو جیسے لِيُنْفِقْ ذُوْسَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ چاہئے کہ خرچ کرے وسعت والا اپنی وسعت کیمطابق۔

(۳) یا امر بصورت اسم فعل ہو یعنی وہ اسم جسمیں فعل کا معنی ہو جیسے حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ آؤتم فلاح کیطرف، اس مثال میں حَيَّ اسم فعل کے معنی میں ہے۔

(۴) یا وہ مصدر جو فعل امر کے قائم مقام ہو جیسے سَعْيًا فِي الْخَيْرِ تو بھلائی کے کام میں کوشش کر، اس مثال میں سَعْيًا فعل امر محذوف کے قائم مقام ہے جو کہ اصل میں اِسْعَ سَعْيًا فِي الْخَيْرِ تھا۔

السوال الثانی (الف) ۱۴۲۳ھ

اما النداء فهو الطلب الاقبال بحرف نا ئب مناب ادعو وادواته ثمانية

اسكان نعمان الاراك تيقنوا ☆ بانكم في ربع قلبي سكان

(۱) ادوات ندا کیا کیا ہیں؟ (۲) قرب اور بعد کے اعتبار سے ادوات ندا کی تفصیل بیان کریں۔

(۳) مذکورہ شعر کو کس بات پر استشہاد کے طور پر ذکر کیا ہے؟

الجواب عن السوال الثانی (الف)

(۱) ادوات ندا کیا کیا ہیں (۲) قرب اور بعد کے اعتبار سے ادوات ندا کی تفصیل بیان کریں

ان دونوں باتوں کا جواب السوال الاول ۱۴۲۶ھ (ب) صفحہ نمبر ۲۷۷ پر گزر چکا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) مذکورہ شعر کو کس بات پر استشہاد کے طور پر ذکر کیا ہے:

مذکورہ شعر اس بات پر بطور استشہاد کے پیش کیا گیا ہے کہ کبھی منادی بعید ہوتا ہے لیکن وہ ذہن متکلم میں اسقدر گھر کر گیا ہوتا ہے اور اسقدر مستحضر فی الذہن ہوتا ہے کہ متکلم اسکو حاضر اور قریب سمجھ کر ہمزہ اور آی کے ساتھ ندا دیتا ہے جو کہ قریب کیلئے استعمال ہوتے ہیں جیسے اس شعر میں

شعر اَسُكَّانَ نَعْمَانَ الْاَرَاكِ تَيَقَّنُوْا ☆ بِاَنَّكُمْ فِىْ رَبْعِ قَلْبِىْ سُكَّانُ

شعر کا مطلب: اے نعمان اراک کے رہنے والو! تم یقین کرلو کہ تم نعمان اراک میں نہیں رہتے بلکہ تم میرے دل کی گہرائی میں رہتے ہو یعنی تمہاری جگہ اصل میں میرا دل ہے نعمان اراک نہیں۔

محل استشہاد: اس شعر میں محل استشہاد اَسُكَّانَ نَعْمَانَ الْاَرَاكِ ہے اس شعر میں ندا ہمزہ قریب سے دی گئی ہے حالانکہ وادی نعمان اور وہاں کے رہنے والے شاعر سے دور ہیں، شاعر

اس بات پر متنبہ کرنا چاہتا ہے کہ نعمان وادی کے رہنے والے میرے دل میں بستے ہیں۔

السوال الثانی (ب) ۱۴۲۳ھ

اذااریدافادۃالسامع حکما فای لفظ یدل علی معنی فیه فالاصل ذکرہ وای لفظ علم من الکلام لدلالة باقیة علیه فالاصل حذفه واذا تعارض هذان الاصلان فلایعدل عن مقتضی احدهما الی مقتضی الاخر الا لداع

(۱) عبارت پر اعراب لگا کر تشریح کیجئے (۲) دواعی ذکر کیا ہیں مثالوں سے واضح کیجئے۔

الجواب عن السوال الثانی (ب)

(۱) اعراب عبارت:

اِذَااُرِیْدَاِفَادَۃُالسَّامِعِ حُکْمًا فَاَیُّ لَفْظٍ یَدُلُّ عَلٰی مَعْنًی فِیْهِ فَالْاَصْلُ ذِکْرُہٗ وَاَیُّ لَفْظٍ عُلِمَ مِنَ الْکَلَامِ لِدَلَالَةٍ بَاقِیَةٍ عَلَیْهِ فَالْاَصْلُ حَذْفُهٗ وَاِذَا تَعَارَضَ هٰذَانِ الْاَصْلَانِ فَلَایُعْدَلُ عَنْ مُقْتَضٰی اَحَدِهِمَا اِلٰی مُقْتَضَی الْاٰخَرِ اِلَّا لِدَاعٍ

عبارت کی تشریح: جب سامع کو کسی حکم کا فائدہ پہچانا مقصود ہو تو اس کلام میں جو لفظ ایسے معنی پر دلالت کررہا ہے جس سے سامع کو فائدہ پہنچے تو اس لفظ کا ذکر کرنا اصل ہے، اور جو لفظ کلام سے معلوم ہو کہ اس کلام کا باقی حصہ اس پر دلالت کررہا ہے تو ایسی حالت میں ایسے لفظ کا حذف کرنا اصل ہے، اور جب ان دونوں اصولوں میں تعارض ہو جائے تو ان دونوں میں سے کسی ایک کے مقتضی سے دوسرے کے مقتضی کی طرف بغیر کسی سبب کے عدول نہیں کیا جائے گا۔

(۲) دواعی ذکر کیا ہیں مثالوں سے وضاحت کیجئے: وہ اسباب جن سے کلام کے کسی جزء کو ذکر کیا جائے۔

(۱) **زیادتی تقریر اور ایضاح:** اسباب ذکر میں سے پہلا سبب زیادتی تقریر اور ایضاح ہے یعنی کسی مدعیٰ یا مضمون کو یا کلام کے کسی حصہ کو سامع کے ذہن میں خوب جمانا اور اچھی طرح ثابت کرنا اور خوب کھول کر بیان کرنا جیسے اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ یہی لوگ ہیں جو اپنے رب کیطرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں، اس آیت میں دوسرا اُولٰٓئِكَ زیادتی تقریر اور ایضاح کیلئے ہے اگر اسکو حذف کر دیا جاتا تو یوں کہنا بھی کافی تھا اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ لیکن دوسرا اُولٰٓئِكَ زیادتی تقریر اور وضاحت کیلئے لایا گیا ہے۔

(۲) **قرینہ پر اعتماد کی کمی:** اسباب ذکر میں سے دوسرا سبب قرینہ پر اعتماد کی کمی ہے خواہ یہ کمی نفس قرینہ میں ضعف کیوجہ سے ہو یا مخاطب کے فہم کی کمزوری کیوجہ سے ہو جیسے زَيْدٌ نِعْمَ الصَّدِيْقُ کہ زید کیا ہی اچھا دوست ہے، تو یہ اسوقت کہے گا جب تمہارے پاس زید کا تذکرہ ہو چکا ہو اور سامع کو اسے سنے ہوئے کافی عرصہ گذر چکا ہو، اگر نِعْمَ الصَّدِيْقُ کہا جائے تو اس سے پتہ نہیں چلے گا کہ کونسا دوست اچھا ہے اور سامع کی سمجھ میں جلدی نہیں آسکے گا اسلئے کہ نِعْمَ الصَّدِيْقُ میں اعتماد کی کمی ہے اسوجہ سے زَيْدٌ نِعْمَ الصَّدِيْقُ کہا جائے گا۔

(۳) **سامع کے کند ذہن ہونے پر تعریض کرنا:** اسباب ذکر میں سے تیسرا سبب غباوت سامع یعنی سامع کی کند ذہنی پر تعریض کرنا اور چوٹ لگانا ہے جیسے عَمْرٌو قَالَ كَذَا عمرو نے ایسا کہا یہ اس شخص کے جواب میں جو پوچھے مَاذَا قَالَ عَمْرٌو عمرو نے کیا کہا، اگرچہ سامع کے قول مَاذَا قَالَ عَمْرٌو کے جواب میں قَالَ كَذَا کافی تھا لیکن سامع اتنا کند ذہن اور غبی ہے قَالَ كَذَا کو سمجھ ہی نہیں سکتا اسلئے اس کی کند ذہنی اور غباوت پر اشارہ کرنے کیلئے عَمْرٌو قَالَ كَذَا کہا جائیگا۔

(۴) **سامع کے سامنے حکم کو تسجیل کے طور پر بیان کرنا:** اسباب ذکر میں سے چوتھا سبب سامع کے سامنے حکم کو اقرار نامہ کے طور پر بیان کرنا، یعنی حاکم کا مخاطب سے اقرار کرانا تا کہ مخاطب انکار نہ کر سکے جیسے حاکم کسی گواہ سے پوچھے هَلْ اَقَرَّ زَيْدٌ هٰذَا بِاَنَّ عَلَيْهِ كَذَا کیا اس زید نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ اس پر فلاں کا اتنا واجب ہے تو گواہ کہے کہ نَعَمْ زَيْدٌ هٰذَا اَقَرَّ بِاَنَّ عَلَيْهِ كَذَا ہاں اس زید نے اقرار کیا ہے کہ اس پر فلاں کا اتنا واجب ہے۔

(۵) **اظہار تعجب:** اسباب ذکر میں سے پانچواں سبب اظہار تعجب ہے اور یہ اسوقت ہوتا ہے جب حکم کے اندر کوئی ندرت، انوکھا پن ہو اور حکم حیران کن ہو جیسے عَلِیٌّ يُقَاوِمُ الْاَسَدَ کہ علی شیر کا مقابلہ کرتا ہے یہ جملہ اسوقت کہتے ہیں جب علی کا پہلے تذکرہ ہو چکا ہو۔

(۶) **تعظیم اور اہانت:** اسباب ذکر میں سے چھٹا سبب تعظیم اور اہانت ہے بشرطیکہ الفاظ سے تعظیم اور اہانت کے معنی سمجھے جاتے ہوں مثلا کوئی تجھ سے سوال کرتا ہے هَلْ رَجَعَ الْقَائِدُ کیا سالار لشکر واپس آ گیا ہے تو تم اسکے جواب میں کہو رَجَعَ الْمَنْصُوْرُ اَوِ الْمَهْزُوْمُ بر سبیل تعظیم تم کہو کہ فاتح لوٹ آیا، یا بر سبیل توہین تم کہو کہ شکست خوردہ واپس لوٹ آیا، جب سائل نے پوچھا هَلْ رَجَعَ الْقَائِدُ تو جواب میں نَعَمْ یا رَجَعَ الْقَائِدُ کافی تھا لیکن اس جواب میں تعظیم اور توہین کا پہلو معلوم نہیں ہوتا تھا تو جب رَجَعَ الْمَنْصُوْرُ کہا تو اس سے مسند الیہ کے مدلول کی تعظیم معلوم ہوتی ہے اور جب رَجَعَ الْمَهْزُوْمُ کہا تو اس سے مسند الیہ کے مدلول کی توہین معلوم ہوتی ہے تو اس تعظیم یا توہین کی وجہ سے صراحۃً ذکر کرنا ضروری ہے۔

السوال الثالث (الف) ۱۴۲۳ھ

اذا تعلق الغرض بتفهيم المخاطب ارتباط الكلام بمعين فالمقام للتعريف واذا لم يتعلق الغرض بذالك فالمقام للتنكير اما الضمير فيؤتى به

(۱) عبارت پر اعراب لگا کر تشریح کیجیے (۲) معارف میں سے ضمیر اور علم کو کن مقامات میں لایا جاتا ہے مثالوں سے واضح کیجیے۔

الجواب عن السوال الثالث (الف)

اعراب عبارت:

إِذَا تَعَلَّقَ الْغَرَضُ بِتَفْهِيْمِ الْمُخَاطَبِ اِرْتِبَاطَ الْكَلَامِ بِمُعَيَّنٍ فَالْمَقَامُ لِلتَّعْرِيْفِ وَإِذَا لَمْ يَتَعَلَّقِ الْغَرَضُ بِذَالِكَ فَالْمَقَامُ لِلتَّنْكِيْرِ اَمَّا الضَّمِيْرُ فَيُؤْتَى بِهٖ

عبارت کی تشریح: مذکورہ عبارت میں یہ بتایا گیا ہے کہ کس جگہ معرفہ لایا جائے گا اور کہاں نکرہ لایا جائے گا، جب متکلم کی غرض کلام سے مخاطب کو یہ سمجھانا ہو کہ کلام کسی شئی معین سے متعلق ہے تو ایسی جگہ معرفہ استعمال کیا جائے گا، اگر متکلم کا مقصود کسی شئی معین کی خبر دینا نہ ہو بلکہ مطلقا کوئی بات کرنا مقصود ہو تو ایسی جگہ نکرہ استعمال کیا جائے گا، اور مسند الیہ کو ضمیر کے ذریعے اس لئے معرفہ لایا جاتا ہے کہ یہ مختصر طریقہ ہے اور ضمیر اس جگہ لائی جاتی ہے جہاں اختصار کے ساتھ تکلم یا خطاب یا غیبت کا موقع ہو، ان مواقع میں ضمیر استعمال کرنے سے بات مختصر ہو جاتی ہے۔

(۲) معارف میں سے ضمیر کو کن مقامات میں استعمال کیا جاتا ہے: اسکا جواب السوال الثالث (الف) ۱۴۲۵ھ کے جواب میں صفحہ نمبر ۲۹۹ پر گزر چکا ہے وہاں سے ملاحظہ فرمالیں۔

معارف میں سے علم کو کن مقامات میں استعمال کیا جاتا ہے: اس کا جواب السوال الثانی (الف) ۱۴۲۶ھ کے جواب میں صفحہ نمبر ۲۷۸ گزر چکا ہے

وہاں سے ملاحظہ فرمائیں۔

السوال الثالث (ب) ۱۴۲۳ھ

القصر تخصیص شئی بشئی بطریق مخصوص وینقسم الی حقیقی واضافی

(۱) قصر کی تعریف کیجئے (۲) قصر کی تمام اقسام مثالوں کے ساتھ واضح کیجئے

الجواب عن السوال الثالث (ب)

(۱) **قصر کی لغوی تعریف:** قصر کا لغوی معنی ہے محبوس کرنا، بند کرنا، خاص کرنا جیسے کہا جاتا ہے قَصَرَ عَلٰی نَفْسِهٖ نَاقَةً اس نے اونٹنی کو اپنے دودھ پینے کیلئے خاص کرلیا اور وہ ناقہ مقصورہ کہلاتی ہے، اور جیسے کہا جاتا ہے قَصَرْتُ اللِّقْحَةَ عَلٰی فَرَسِیْ کہ میں نے اونٹنی کے دودھ کو گھوڑے کیلئے خاص کر دیا اور محدود کر دیا اور قرآن پاک میں بھی ہے حُوْرٌ مَّقْصُوْرَاتٌ فِی الْخِیَامِ اَیِ الْمَحْبُوْسَاتُ فِیْهَا یعنی حوریں خیموں میں بند کی ہوئی ہوں گی۔

قصر کی اصطلاحی تعریف: قصر کہتے ہیں ایک شئی کو دوسری شئی کے ساتھ خاص کر دینا مخصوص طریقے کے ساتھ یعنی قصر کے چار مخصوص طریقوں میں سے کسی ایک طریقے پر ایک شئی کو دوسری شئی کے ساتھ اس طرح خاص کر دینا کہ وہ چیز اس میں محصور ہو جائے اس سے آگے نہ بڑھ سکے وہ چار طریقے یہ ہیں (۱) نفی واستثناء (۲) کلمہ انما (۳) عطف بذریعے لا یا لکن یا بل (۴) تقدیم ما حقہ التاخیر جیسے مَا اَمِیْنٌ اِلَّا زَیْدٌ نہیں ہے امانت دار مگر زید ہی، اس مثال میں امانت کو زید کے ساتھ خاص کیا گیا۔

(۲) **قصر کی تمام اقسام مثالوں کے ساتھ تحریر کیجئے:** اس کا جواب

السوال الثالث ۱۴۲۴ھ (ب) کے جواب میں صفحہ نمبر ۳۱۶ پر گزر چکا ہے وہاں سے ملاحظہ فرمائیں۔

الاختبار السنوی للعالیہ (للبنات)

الورقۃ الخامسۃ فی البلاغۃ ۱۴۲۲ھ

السوال الاول (الف)

وضعف التالیف کون الکلام غیر جار علی القانون النحوی المشہور کالاضمار قبل الذکر لفظا و رتبۃ فی قولہ،

جزی بنوہ ابا الغیلان عن کبر ☆ وحسن فعل کما یجزی سنمار

(۱) عبارت پر اعراب لگا کر دل نشین تشریح کیجئے (۲) سنمار کون ہے (۳) اضمار قبل الذکر کس صورت میں جائز ہے۔

الجواب عن السوال الاول (الف)

اعراب عبارت:

وَضُعْفُ التَّالِیْفِ کَوْنُ الْکَلَامِ غَیْرَ جَارٍ عَلَی الْقَانُوْنِ النَّحْوِیِّ الْمَشْہُوْرِ کَالْاِضْمَارِ قَبْلَ الذِّکْرِ لَفْظًا وَّ رُتْبَۃً فِیْ قَوْلِہٖ

جَزٰی بَنُوْہُ اَبَا الْغَیْلَانِ عَنْ کِبْرٍ ☆ وَحُسْنِ فِعْلٍ کَمَا یُجْزٰی سِنِمَّارٌ

عبارت کی تشریح: ضعف تالیف یہ ہے کہ کلام اس قانون نحوی کے خلاف ہو جو قانون جمہور نحاۃ کے درمیان مشہور ہو، مثلاً جمہور نحاۃ کا قانون ہے کہ ضمیر سے پہلے مرجع ذکر کرتے ہیں لفظاً یا رتبۃً، اگر ضمیر مرجع سے پہلے مذکور ہو لفظا اور رتبۃ، یہ جمہور کے قانون کے خلاف ہے لہذا ضعف تالیف پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ایسی کلام غیر فصیح ہو جائے گی جیسے اضمار قبل الذکر شاعر کے

اس قول میں ہے

شعر جَزٰی بَنُوْهُ اَبَا الْغَيْلَانِ عَنْ كِبَرٍ ☆ وَ حُسْنِ فِعْلٍ كَمَا يُجْزٰی سِنِمَّارٌ

شعر کا مطلب: مطلب یہ ہے کہ ابوالغیلان کے بیٹوں نے اسکو بوڑھا ہونے کے بعد حسن سلوک کے باوجود ایسے بدلہ دیا جیسا کہ قصرِ خورنق کے معمار سنمار کو بدلہ دیا گیا تھا۔

محل استشھاد: اس شعر میں محل استشھاد جَزٰی بَنُوْهُ ہے اس میں ہٗ ضمیر ابوالغیلان کیطرف لوٹ رہی ہے اور اسمیں ابوالغیلان کے ذکر کرنے سے پہلے ہی بَنُوْهُ میں اسکی ضمیر لے آئے ہیں اور یہ اضمار قبل الذکر لفظاً لازم آرہا ہے اور یہ بالاتفاق ممنوع ہے کیونکہ بَنُوْهُ کی ہٗ ضمیر کا مرجع پہلے لفظاً مذکور نہیں ہے، اور رتبۃً اضمار قبل الذکر اس وجہ سے ہے کہ بَنُوْهُ کی ہٗ ضمیر کا مرجع ابوالغیلان ہے جو مفعول بہ بن رہا ہے اور مفعول بہ کا مرتبہ فاعل کے بعد ہوتا ہے لہذا ابوالغیلان رتبے کے اعتبار سے بھی بعد میں ہے جبکہ اسکی ضمیر کو پہلے ذکر کر دیا گیا ہے اسلئے اضمار قبل الذکر لفظاً اور رتبۃً لازم آنے کی وجہ سے یہ شعر فصاحت کے درجہ سے گر کر غیر فصیح کلام میں داخل ہو گیا ہے۔

سنمار کون ہے؟ سنمار یہ روم کا رہنے والا تھا اور معماری کا کام کرتا تھا اس نے حاکم وقت نعمان اکبر کے لئے ایک محل خَوَرْنَق نامی کوفہ میں تیار کیا تھا جو بہت ہی عالی شان اور خوبصورت تھا جو نعمان اکبر کو بہت ہی پسند آیا نعمان اکبر نے اس غرض سے اس سنمار کو محل کی چھت سے گرا کر ہلاک کر دیا تا کہ کسی دوسرے شخص کیلئے ایسا محل تیار نہ کرے چونکہ نعمان اکبر کیطرف سے بہت برا بدلا تھا اس لئے کسی برا بدلا دینے پر یہ واقعہ ضرب المثل بن گیا چنانچہ اہل عرب جب کسی سوءِ مکافات کو دیکھتے تو کہتے جَزَاهُ جَزَاءَ سِنِمَّارٍ۔

(۳) اضمار قبل الذکر کس صورت میں جائز ہے: اضمار قبل الذکر بشرط

تفسیر جائز ہے یعنی اگر ضمیر کی تفسیر بعد والے اسم سے ہو رہی ہو تو اس صورت میں اضمار قبل الذکر جائز ہے جیسے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اس آیت میں اگر چہ هُوَ ضمیر کیوجہ سے اضمار قبل الذکر ہے لیکن لفظ اَللّٰهُ اَحَدٌ سے هُوَ ضمیر کی تفسیر ہو رہی ہے تو ایسا اضمار قبل الذکر جائز ہے۔

السوال الاول (ب) ۱۴۲۲ھ

اما الامر فهو طلب الفعل على وجه الاستعلاء. وله اربع صيغ

(۱) امر کی تعریف کیجئے (۲) امر کیلئے جو صیغے استعمال ہوتے ہیں ان کی مثالیں تحریر کیجئے (۳) کیا صیغہ امر معنی طلب کے علاوہ کبھی دوسرے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔

الجواب عن السوال الاول (ب)

(۱) امر کی تعریف (۲) امر کیلئے جو صیغے استعمال ہوتے ہیں مع امثلہ: اس کا جواب السوال الاول ۱۴۲۶ھ (ب) کے جواب میں صفحہ نمبر ۲۷۵ پر گزر چکا ہے وہاں سے ملاحظہ فرمالیں

(۳) صیغہ امر طلب کے معنی کے علاوہ دوسرے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے: کبھی صیغ امر طلب کے معنی کے علاوہ دوسرے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں جو کلام کے سیاق وسباق اور دیگر احوال کی مناسبتوں سے پہچانے جاتے ہیں، مصنفؒ نے امر کے صیغہ کو دوسرے معنی میں استعمال کرنے کی بارہ قسمیں بنائی ہیں (۱) دعا (۲) التماس (۳) تمنی (۴) ارشاد (۵) تہدید (۶) تعجیز (۷) اہانت (۸) اباحت (۹) امتنان (۱۰) تخییر (۱۱) تسویہ (۱۲) اکرام، ہر ایک کی تفصیل طوالت کے خوف سے چھوڑ دی ہے انشاء کی بحث میں صفحہ نمبر ۶۸ پر ملاحظہ فرمالیں۔

السوال الثانی (الف) ۱۴۲۲ھ

اما الضمیر فیؤتی به لکون المقام للتکلم او الخطاب او الغیبة مع الاختصار نحو انا رجوتك فی هذا الامر وانت وعدتنی فی انجازه، والاصل فی الخطاب ان یکون لمشاهد معین وقد یخاطب غیر المشاهد اذا کان مستحضرا فی القلب نحو ایاك نعبد

(۱) عبارت پر اعراب لگا کر تشریح کیجئے (۲) بتائیے کہ معرفہ کی قسموں میں سے علم کن کن فوائد کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

الجواب عن السوال الثانی (الف)

(۱) عبارت پر اعراب لگا کر تشریح کیجئے: اس کا جواب السوال الثالث ۱۴۲۵ھ (الف) کے جواب میں صفحہ نمبر ۲۹۹ پر گزر چکا ہے وہاں سے ملاحظہ فرمالیں۔

(۲) بتائیے کہ معرفہ کی قسموں میں سے علم کن کن فوائد کیلئے استعمال ہوتا ہے: اس کا جواب السوال الثانی (الف) ۱۴۲۶ھ کے جواب میں صفحہ نمبر ۲۷۸ پر گزر چکا ہے وہاں ملاحظہ ہو۔

السوال الثانی (ب) ۱۴۲۲ھ

الوصل عطف جملة علی اخری والفصل ترکه

(۱) وصل اور فصل کی تعریف کی وضاحت کر کے مثالوں سے سمجھائیں (۲) کتاب میں مذکورہ وصل کے مقامات تحریر کر کے مثالوں سے سمجھائیں۔

الجواب عن السوال الثانی (ب)

وصل کی تعریف : وصل کا لغوی معنی ہے ملانا، جمع کرنا جیسے محاورے میں کہا جاتا ہے وَصَلَ الشَّیْءُ بِالشَّیْءِ اس نے شے کو شے کیساتھ ملایا اور جمع کیا اور وصل کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ ایک جملے کو دوسرے جملے کے ساتھ بذریعہ حرف عطف ملایا جائے جیسے زَیْدٌ یَکْتُبُ وَ یَشْعُرُ اس مثال میں یَکْتُبُ معطوف علیہ ہے اور یَشْعُرُ معطوف ہے ان دونوں جملوں میں واو عاطفہ کے ذریعے وصل کیا گیا ہے۔

فصل کی تعریف : فصل کا لغوی معنی جدا کرنا، قطع کرنا، ممتاز کرنا اور علیحدہ کرنا ہے جیسے محاورے میں کہا جاتا ہے فَصَلَ بَیْنَهُمَا اس نے دو چیزوں کے درمیان جدائی کر دی اور رکاوٹ پیدا کر دی اور جیسے کہا جاتا ہے فَصَلَ الْوَلَدَ عَنِ الرَّضَاعِ اس نے جدا کر دیا بچہ کو دودھ سے اور بچہ کا دودھ چھڑا دیا۔

اور فصل کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ ایک جملے کا دوسرے جملے پر عطف نہ کیا جائے یعنی عطف کو چھوڑ دیا جائے جیسے اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُوْنَ اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ میں فصل ہے کیونکہ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُوْنَ الگ جملہ ہے اور اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ الگ جملہ ہے اور ان دونوں کے درمیان حرف عطف نہیں ہے۔

(۲) وصل کے مقامات مع امثلہ:

وصل کی دو وجوبی جگہیں ہیں جہاں وصل واجب ہے۔

(۱) **وصل کا پہلا مقام :** جب دونوں جملے خبریہ یا انشائیہ ہونے میں موافق ہوں اور ان دونوں کے درمیان کوئی وجہ جامع ہو یعنی ان دونوں میں پوری مناسبت ہو اور عطف سے کوئی چیز

مانع بھی نہ ہو پھر ان دونوں جملوں کے درمیان وصل واجب ہے جیسے اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ وَ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ بیشک نیک لوگ جنت میں ہوں گے اور بدکار لوگ جہنم میں ہونگے، اس آیت میں دونوں جملوں کے درمیان واؤ کے ذریعے وصل کیا گیا ہے، کیونکہ دونوں جملے خبریہ ہیں اور دونوں کے مسند الیہ یعنی اَبْرَار اور فُجَّار کے درمیان وجہ جامع نسبت تضاد ہے اسی طرح نعیم اور جحیم میں وجہ جامع نسبت تضاد ہے اور ان کے درمیان کوئی ایسا مانع نہیں جو عطف کو روکتا ہو۔

اسی طرح فَلْیَضْحَکُوْا قَلِیْلًا وَّلْیَبْکُوْا کَثِیْرًا پس چاہیے کہ وہ تھوڑا ہنسیں اور زیادہ روئیں، اس آیت میں دونوں جملوں کے درمیان وصل ہے کیونکہ دونوں جملے انشائیہ ہیں اور وجہ جامع، الضحک اور البکاء میں نسبت تضاد ہے اور وصل سے کوئی چیز مانع بھی نہیں۔

(۲) وصل کا دوسرا مقام: کبھی وصل یعنی عطف کرنا اس لئے بھی ضروری ہوتا ہے کہ عطف نہ کرنے کی صورت میں خلاف مقصود کا وہم ہو جاتا ہے اس وہم کو دور کرنے کیلئے عطف کرنا ضروری ہوتا ہے جیسے تم سے کوئی پوچھے کہ علی بیماری سے ٹھیک ہو گیا ہے تم اس کے جواب میں کہو لَا، وَشَفَاهُ اللّٰهُ "نہیں" اللہ تعالی اسے شفا دے دیں گے اس مثال میں لَا ایک جملہ ہے اور شَفَاهُ اللّٰهُ دوسرا جملہ ہے اور کلمہ لَا، لَمْ یَبْرَأْ کے معنی میں ہے یہ جملہ خبریہ ہے اور شَفَاهُ اللّٰهُ یہ جملہ انشائیہ دعائیہ ہے تو یہاں حرف عطف لا کر وصل کرنا ضروری ہے اگرچہ خبریہ اور انشائیہ ہونے کے اعتبار سے دونوں جملوں میں کمال انقطاع موجب ترک عطف ہے لیکن وہم کو دور کرنے کیلئے عطف کیا گیا ہے کیونکہ ترک عطف کی صورت میں یوں جملہ بن جائے گا لَا شَفَاهُ اللّٰهُ جس سے سامع دعا کی بجائے بدعا سمجھ لے گا حالانکہ مقصود دعا دینا ہے نہ کہ بددعا دینا۔

السوال الثالث (الف) ۱۴۲۲ھ

ومنها التغليب وهو ترجيح احد الشيئين على الاخر فى اطلاق لفظه عليه كتغليب المذكر على المؤنث فى قوله تعالى "وكانت من القانتين" ومنه

الابوان للاب والام و کتغلیب المذکر والاخف علی غیرهما نحو القمرین ای الشمس والقمر والعمرین ای ابی بکرؓ و عمرؓ

عبارت پر اعراب لگا کر اس کا واضح مطلب لکھیں۔

الجواب عن السوال الثالث (الف)

اعراب عبارت: وَمِنْهَا التَّغْلِيْبُ وَهُوَ تَرْجِيْحُ اَحَدِ الشَّيْئَيْنِ عَلَى الْاٰخَرِ فِیْ اِطْلَاقِ لَفْظِهٖ عَلَيْهِ كَتَغْلِيْبِ الْمُذَكَّرِ عَلَى الْمُؤَنَّثِ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی "وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِيْنَ" وَمِنْهُ الْاَبَوَانِ لِلْاَبِ وَالْاُمِّ وَ كَتَغْلِيْبِ الْمُذَكَّرِ وَالْاَخَفِّ عَلٰی غَيْرِهِمَا نَحْوُ الْقَمَرَيْنِ اَیِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَالْعُمَرَيْنِ اَیْ اَبِیْ بَكْرٍؓ وَّ عُمَرؓ

عبارت کا واضح مطلب: مذکورہ عبارت میں تغلیب کی تعریف بیان کی گئی ہے اور تغلیب کی چار قسموں میں سے پہلی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں (۱) مذکر کی تغلیب مؤنث پر (۲) مذکر کی تغلیب غیر مذکر پر اور اخف کی غیر اخف پر

تغلیب کی تعریف: مقتضائے ظاہر کے خلاف کلام لانے کی نویں قسم تغلیب ہے، تغلیب کی تعریف یہ ہے کہ دو ملی جلی یا ہم صحبت یا ہم مشابہ چیزوں میں سے ایک کو دوسرے پر اس طرح غلبہ دیا جائے کہ ایک ہی لفظ کا اطلاق دونوں چیزوں پر کیا جائے یعنی متشابہین میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح اور غلبہ دے کر ایک ہی لفظ دونوں کیلئے استعمال کیا جائے یا احد المصاحبین کیلئے جو لفظ موضوع ہے وہ دوسرے مصاحب پر بھی بولا جائے۔

قسم اول، مذکر کی تغلیب مؤنث پر: کہ مذکر اور مؤنث میں سے مذکر کو مؤنث پر غلبہ اور ترجیح دے کر دونوں کیلئے مذکر کا صیغہ بولا گیا جیسے اللہ تعالی نے حضرت مریمؑ کیلئے

فرمایاوَکَانَتْ مِنَ الْقَانِتِیْنَ کہ حضرت مریمؑ اطاعت گزارلوگوں میں سے تھی، چنانچہ وَکَانَتْ میں ضمیر کا مرجع حضرت مریم علیہا السلام ہیں اس لحاظ سے مقتضائے ظاہر یہ تھا کہ وَکَانَتْ مِنَ الْقَانِتَاتِ کہا جاتا لیکن مذکر کو مؤنث پر غلبہ دیتے ہوئے مذکر لفظ کا اطلاق مؤنث پر کیا گیا اور وَکَانَتْ مِنَ الْقَانِتِیْنَ کہہ دیا اور یہ مقتضائے ظاہر کے خلاف ہے۔

اسی طرح ابوان میں بھی مذکر کو مؤنث پر غلبہ دیا گیا کیونکہ ابوان کا اطلاق ماں اور باپ دونوں پر ہوتا ہے چنانچہ دو باپ تو کسی کے نہیں ہوسکتے لہذا اَبْ کو اُم پر غلبہ دے کر دونوں کو تغلیباً ابوین کہا جاتا ہے اور یہ بھی مقتضائے ظاہر کے خلاف ہے۔

قسم ثانی مذکر کی تغلیب غیر مذکر اور اخف کی غیر اخف پر:

یہاں سے مصنفؒ تغلیب کی دوسری قسم کو بیان کر رہے ہیں کہ مذکر کو غلبہ دیا جائے غیر مذکر پر اور اخف کو غیر اخف پر جیسے قمرین بول کر چاند اور سورج دونوں مراد لیتے ہیں لیکن الشمس مؤنث ہے جیسے فَلَمَّا رَأَ الشَّمْسَ بَازِغَةً اور القمر مذکر ہے جیسے فَلَمَّا رَأَ الْقَمَرَ بَازِغًا تو یہاں القمر مذکر کو الشمس مؤنث پر غلبہ دیتے ہوئے القمرین کہہ دیا اور یہ مثال ہے مذکر کی تغلیب مؤنث پر، اور اخف کی تغلیب اثقل پر، مثال جیسے العمرین ہے اس سے مراد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں اور یہاں عمرؓ کو ابوبکرؓ پر غلبہ دیتے ہوئے عمرین کہہ دیا کیونکہ لفظ عمر بہ نسبت لفظ ابوبکر کے زیادہ آسان اور خفیف ہے یہ خفیف کی تغلیب ہے ثقیل پر۔

السوال الثالث (ب) ۱۴۲۲ھ

ومنها تنزيل غير المنكر منزلة المنكر اذا لاح عليه شئى من علامات النكار فيؤكد له نحو

جاء شقيق عارضا رمحه ☆ ان بنى عمك فيهم رماح

و تنزيل المنكر او الشاك منزلة الخالى اذا كان معه من الشواهد ما اذا تامله

زال انکاره او شکه کقولك لمن ينكر منفعة الطب او يشك فيها الطب نافع

(۱) عبارت پر اعراب لگا کر دل نشین تشریح کیجیے (۲) مذکورہ شعر کی ترکیب کیجیے۔

الجواب عن السوال الثالث (ب)

اعراب عبارت:

وَمِنْهَا تَنْزِيلُ غَيْرِ الْمُنْكِرِ مَنْزِلَةَ الْمُنْكِرِ إِذَا لَاحَ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِّنْ عَلَامَاتِ الْإِنْكَارِ فَيُؤَكَّدُ لَهُ نَحْوُ

جَاءَ شَقِيْقٌ عَارِضاً رُمْحَهُ ☆ إِنَّ بَنِيْ عَمِّكَ فِيْهِمْ رِمَاحُ

وَ تَنْزِيلُ الْمُنْكِرِ اَوِ الشَّاكِّ مَنْزِلَةَ الْخَالِيْ إِذَا كَانَ مَعَهُ مِنَ الشَّوَاهِدِ مَا إِذَا تَأَمَّلَهُ زَالَ إِنْكَارُهُ اَوْ شَكُّهُ كَقَوْلِكَ لِمَنْ يُنْكِرُ مَنْفِعَةَ الطِّبِّ اَوْ يَشُكُّ فِيْهَا اَلطِّبُّ نَافِعٌ

عبارت کی دلنشین تشریح:

غیر منکر کو منکر فرض کرلیا جائے: کلام کو مقتضائے ظاہر کے خلاف لانے کی دوسری قسم یہ ہے کہ غیر منکر کو منکر فرض کرلیا جائے جب غیر منکر مخاطب پر انکار کی علامتوں میں سے کوئی ایک علامت ظاہر ہو جائے جس سے یہ گمان ظاہر ہو کہ مخاطب خبر کا منکر ہے حالانکہ حقیقۃً ایسا نہیں، تو ایسے شخص کیلئے کلام مؤکد لایا جاتا ہے حجل بن نضلہ کے شعر میں، غیر منکر کو منکر کے مرتبے میں فرض کر کے کلام کو مؤکد لایا گیا ہے۔

شعر جَاءَ شَقِيْقٌ عَارِضاً رُمْحَهُ ☆ إِنَّ بَنِيْ عَمِّكَ فِيْهِمْ رِمَاحُ

شعر کا مطلب: شقیق آیا اس حال میں کہ اپنے نیزے کو چوڑان میں رکھے ہوئے تھا

اس چال کو دیکھ کر کسی نے کہا کہ بیشک تیرے چچازاد بھائیوں کے پاس بہت سے نیزے ہیں۔

محل استشہاد: شقیق کو اپنے مخالفین کے پاس ہتھیار اور نیزے ہونے کا انکار نہیں ہے البتہ اس کا غافل طریقہ سے آنا اور اپنے نیزے کو رانوں پر چوڑا رکھ کر آنا گویا کہ اس بات کا انکار ہے کہ دشمنوں کے پاس نیزے نہیں، اس علامت کو منکر کے درجے میں قرار دے کر اِنَّ بَنِیْ عَمِّكَ فِيهِمْ رِمَاحٌ کو مؤکد لایا گیا اور یہی محل استشہاد ہے۔

کبھی منکر یا شاک فی الحکم کو خالی الذہن سمجھا جاتا ہے:

کلام کو مقتضائے ظاہر کے خلاف لانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ منکر یا شک کرنے والے شخص کو خالی الذہن کے مرتبہ میں اتار لیا جاتا ہے یہ اس وقت ہوتا ہے جب اس منکر یا شاک کے پاس کچھ ایسے دلائل اور شواہد ہوں جب وہ ان میں غور وفکر کرے گا تو اس کا انکار یا شک دور ہو جائے گا جیسے کوئی طب کی افادیت کا منکر یا شک کرنے والا ہو تو اس سے کہا جائے اَلطِّبُّ نَافِعٌ طب نفع مند ہے، چونکہ منکر یا شک کرنے والے کو خالی الذہن کے درجے میں اتارا گیا ہے اس لئے اَلطِّبُّ نَافِعٌ بغیر تاکید کے ذکر کیا گیا ہے کیونکہ خالی الذہن کے سامنے بغیر تاکید کے کلام لایا جاتا ہے۔

(۲) شعر کی ترکیب کیجئے:

جَاءَ شَقِيقٌ عَارِضًا رُمْحَهٗ ☆ اِنَّ بَنِیْ عَمِّكَ فِيهِمْ رِمَاحٌ

ترکیب: جَاءَ فعل، شقیق ذوالحال، عَارِضًا صیغہ صفت اسم فاعل، رُمْحَهٗ رمح مضاف ہٗ ضمیر مضاف الیہ، مضاف اور مضاف الیہ ملکر مفعول بہ ہوا عارضا کا، عارضا صیغہ صفت ھو ضمیر مستتر

اسکا فاعل، صیغہ صفت اپنے فاعل اور مفعول بہ سے ملکر حال ہوا، ذوالحال اپنے حال سے ملکر فاعل ہوا جاءِ فعل کا، فعل اپنے فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا،

اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، بَنِی مضاف، عَمّ مضاف الیہ مضاف، كَ ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ ملکر مضاف الیہ ہوا بنی مضاف کا، مضاف اپنے مضاف الیہ سے ملکر ان کا اسم ہوا، فِی حرف جار، هُمْ ضمیر مجرور، جار مجرور ملکر متعلق ہوا کائن شبہ فعل محذوف کا، کائن شبہ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوکر خبر مقدم، رِمَاحٌ مبتدا مؤخر، مبتدا مؤخر اپنی خبر مقدم سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوکر اِنَّ کی خبر، اِنَّ حرف مشبہ بالفعل اپنے اسم اور خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا يَنْبَغِيْ لِجَلَالِ وَجْهِكَ وَعَظِيْمِ سُلْطَانِكَ

تَمَّتْ بِالْخَيْرِ، فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

۱۱ شوال ۱۴۲۶ھ بمطابق ۱۴ نومبر ۲۰۰۵ء بروز پیر

محمد اصغر علی عفی عنہ فاضل دار العلوم فیصل آباد، فاضل عربی

استاذ الحدیث جامعہ اسلامیہ عربیہ رحمانیہ چوک ومدنی ٹاؤن غلام محمد آباد فیصل آباد

مؤلف کی دیگر تالیفات

(۱)تہذیب الکافیہ اردو شرح کافیہ

صفحات ۳۳۶ جسمیں (۱) اعراب عبارت، (۲) ترجمہ سادہ اور عام فہم، (۳) نحو کے مسائل تجزیہ عبارت کے عنوان سے، مشکل مقامات کا حل تشریح کے عنوان سے اور اعتراض و جوابات مع فوائد بیان کیے گئے ہیں۔

(۲)ضیاء النحو اردو شرح ھدایۃ النحو

صفحات ۳۳۲ جس میں (۱) اعراب عبارت، (۲) ترجمہ سادہ اور عام فہم بیان کیا گیا ہے، (۳) نحو کے مسائل کا خلاصہ تجزیہ عبارت کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے، (۴) تشریح کے عنوان سے کتاب کا مکمل حل اور اعتراض و جوابات مع فوائد بیان کیے گئے ہیں، (۵) اشعار کی تشریح محل استشہاد اور ترکیب پیش کی گئی ہے

(۳)الوضاحۃ الکاملۃ اردو شرح العقیدۃ الطحاویۃ

جسمیں درج ذیل خصوصیات کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

(۱) اعراب عبارت

(۲) ترجمہ سادہ اور عام فہم انداز میں

(۳) مقصودِ مصنف تجزیہ عبارت کے عنوان سے پیش کیا گیا ہے

(۴) تشریح عبارت کے تحت عقائد اہل سنت والجماعت کا اثبات اور مذاہب باطلہ کے دلائل اور ان کی تردید اور فوائد نافعہ بیان کیے گئے ہیں

(۴)تہذیب البلاغہ اردو شرح دروس البلاغہ

جسمیں (۱) اعراب عبارت (۲) ترجمہ عبارت سادہ اور عام فہم بیان کیا گیا ہے (۳) علم معانی کے مسائل کا خلاصہ تجزیہ عبارت کے عنوان سے پیش کیا گیا ہے (۴) تشریح عبارت کے تحت کتاب کا

مکمل حل اور فوائد نافعہ بیان کیے گیے ہیں (۵) اشعار کی تشریح، مطلب اور محل استشہاد پیش کیا گیا ہے (۶) ضمیمہ کے تحت پانچ سالہ وفاق المدارس العربیۃ کے سوالیہ پرچوں کو حل کیا گیا ہے

(۵) محسن انسانیت کے چالیس معجزات مع کنز الحسنات

آپ ﷺ کے چالیس معجزات کا تذکرہ جو احادیث کی معتبر کتابوں سے نقل کیے گیے ہیں، جن کے مطالعہ سے آنحضرت ﷺ کی بے پناہ عظمت ومحبت اور آپ ﷺ کی صداقت کا یقین، قلب میں جاگزین ہوتا ہے۔

کنز الحسنات

کے عنوان سے مختلف مواقع اور احوال کی دعائیں جو آنحضرت ﷺ سے منقول ہیں، جن کا معمول بنانا دنیا اور آخرت کی سعادتیں حاصل کرنے کا مؤثر ترین ذریعہ ہے۔

(۶) کنز الحسنات

کنز الحسنات کیلنڈر کی شکل میں بھی دستیاب ہیں جو مفت حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

(۷) اجود الحواشی اردو شرح اصول الشاشی

علم اصول فقہ کی مشہور کتاب اصول الشاشی کی شرح زیر ترتیب ہے۔